

مکتبہ جمال کراچی لاہور

# صحابہ کرام کا اسلوبِ دعوت و تبلیغ



پروفیسر محمد اکرم درک

ایضاً قلم سجادہ  
بانی لیج قومی اسکالر

مکتبہ جمال کراچی لاہور





دعایان اسلام کے ایک راہنما

صحابہ کرام کا

اسلوب دعوت و تبلیغ

پروفیسر محمد اکرم درک  
ایم فل علوم اسلامیہ

مکتبہ جمال گرام





(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب \_\_\_\_\_ صحابہ کرام کا اسلوب دعوت و تبلیغ  
مصنف \_\_\_\_\_ پروفیسر محمد اکرم ورک  
اشاعت \_\_\_\_\_ اپریل 2004ء  
تعداد \_\_\_\_\_ گیارہ سو  
زیر اہتمام \_\_\_\_\_ ایم احسان الحق صدیقی  
ناشر \_\_\_\_\_ مکتبہ جمال کرم لاہور  
قیمت \_\_\_\_\_ روپے

ملنے کے پتے

- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۱۴۰ انفال سنٹر اردو بازار کراچی
- ☆ فرید بک شال اردو بازار لاہور
- ☆ احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمیٹی چوک راولپنڈی
- ☆ مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی
- ☆ مکتبہ البصرہ چھوکی گھٹی حیدر آباد
- ☆ ضیاء الامت بک سنٹر دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
- ☆ دارالخلاص، صدف پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

## الانتساب

دعوتِ دین کے  
ہر کارکن  
کے نام



## فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	عمومی اشارات / اختصارات	11
2-	عہد زریں میں عہد زریں کی دعوت	13
3-	پیش لفظ:	20
4-	باب اول:	37

### اسلوب دعوت کی اہمیت ..... تعلیمات نبوی کی روشنی میں

(i)	اصول تدریج کی تلقین	40
(ii)	رفق و نرمی کی تلقین	42
(iii)	ترغیب و ترہیب کی تلقین	45
(iv)	موقع محل کا لحاظ رکھنے کی تلقین	45
(v)	آسانی و سہولت کی تلقین	46
(vi)	مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنے کی تلقین	51
(vii)	مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے کی تلقین	52
(viii)	ایجاز و اختصار کی تلقین	53
ix	جبر و اکراہ سے اجتناب کی تلقین	54
	خلاصہ بحث	56

### 5- باب دوم:

### سیرت صحابہؓ سے داعیان اسلام کیلئے چند راہنما اصول 58

۱-	اخلاص نیت / اللہیت	59
۲-	دعوت میں ترتیب کا لحاظ	60
۳-	داعی بطور مثال نمونہ / حفاظت کردار	64

۴-	گناہ گار کی بجائے گناہ سے نفرت / فطری کمزوری کا لحاظ	65
۵-	بنیادی عقائد میں غیر چکدار رویہ	66
۶-	فروغی مسائل میں چکدار اور رویہ / اختلاف امت سے اجتناب	68
۷-	جبر و اکراہ سے اجتناب	69
۸-	دعوت و تبلیغ میں احتیاط / غلطی سے رجوع	70
۹-	اجتہاد سے مسائل کا حل	73
۱۰-	مسئلہ کی درست صورت کا بیان / صحیح متبادل پیش کرنا	74
۱۱-	دعوت میں تسلسل / قائل کرنا	77

### 6- باب سوم:

### مکی عہد نبوت میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیاں 79

### فصل اول: مکی دور میں صحابہ کرامؓ کا دعوتی منہج و اسلوب

1-	انفرادی سطح پر دعوت / خفیہ دعوت	79
2-	اجتماعی سطح پر دعوت / اعلانیہ دعوت	83
3-	ہجرت حبشہ سطح پر دعوت دین کا فروغ	87
4-	قبائل عرب کیلئے مبلغین کا تقرر	96
5-	ابو موسیٰ الاشعری کا قبول اسلام اور دعوت اسلام	99
6-	ضمہ آزادی کا قبول اسلام اور دعوت اسلام	100
7-	طفیل بن عمرو کی دعوت اسلام	101
8-	ابوذر غفاری کی قبیلہ غفار کو دعوت اسلام	102
9-	مصعب بن عمیر کا اہل مدینہ کیلئے بطور مبلغ تقرر	103
10-	مصعب بن عمیر کی دعوتی سرگرمیاں / اسلوب دعوت	105
11-	قبل از ہجرت مدینہ میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیاں	109



12- انصار میں اسلام کی ابتداء

13- بیعت عقبہ اولیٰ 11 نبوی

14- بیعت عقبہ ثانیہ 12 نبوی۔

فصل دوم: مکی دور کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز

1- قبل از ہجرت کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز

(i) مسجد ابی بکرؓ

(ii) بیت فاطمہ بنت خطاب

(iii) دار ارقم

(iv) شعب ابی طالب

۲- قبل از ہجرت مدینہ کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز

(i) مسجد بنی زریق

(ii) درس گاہ قبا

(iii) نفعی انحصات

نصاب تعلیم

خلاصہ بحث

7- باب چہارم: محنی عہد نبوت میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیاں

فصل اول: مدنی عہد نبوت میں مبلغین کی تیاری کا باقاعدہ انتظام

1- اصحاب صفہ کیلئے اساتذہ کا تقرر

2- اوقات تعلیم

3- طریقہ تعلیم

اصحاب صفہ کی دعوتی سرگرمیاں

(i) دُجیع کی مہم

(ii) بکر معونہ کی مہم

فصل دوم: قبائل عرب کے لئے مبلغین کا تقرر / قبائلی رؤساء کا دعوتی کردار

1- قبائلی رؤساء کی تعلیم و تربیت کا انتظام

2- عمیرؓ بن وہب کی قریش مکہ کو دعوت

3- حضرت ضحاکؓ بن سفیان کی بنو کلاب کو دعوت اسلام

4- ابوامامہؓ باہلی کی اپنی قوم ہاہلہ کو دعوت اسلام

5- حضرت عمرؓ بن زید جزامی کی اپنے قوم کے لئے بطور مبلغ تقرری

6- رفاعہؓ بن زید جزامی کی اپنی قوم کے لئے بطور مبلغ تقرری

7- عروہؓ بن مسعود کی ثقیف کو دعوت / عثمانؓ بن ابی العاص کا بطور امیر تقرر

8- ضامؓ بن ثعلبہ کی بنو سعد بن بکر کو دعوت اسلام

9- اکثمؓ بن صفی کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

10- حضرت زیادؓ بن حارث کی اپنی قوم کو بذریعہ خط دعوت اسلام

11- فروہؓ بن مسیک کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

12- ابو ثعلبہؓ خشنی کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

13- عامرؓ بن شہر کی قبیلہ ہمدان کو دعوت اسلام

14- حارثؓ بن ضرار کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

15- عمروؓ بن حسان کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

16- قیسؓ بن شیبہ کی بنی سلیم کو دعوت اسلام

17- مالکؓ بن احمر کی اہل فدک کو دعوت اسلام

18- محیصہؓ بن مسعود کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

19- مسعودؓ بن وائل کی بنی سلیم کو دعوت اسلام

20- عبداللہؓ بن عوجہ کی قبیلہ حارثہ بن عمرو کو دعوت اسلام



- 21- قیس بن یزید کی اپنی قوم کو دعوت اسلام  
172  
22- عمرو بن حزم کا بنو حارث بن کعب کی طرف بطور مبلغ تقرر  
173  
خلاصہ بحث  
174

### فصل سوم: نبوی سفراء کا دعوتی کردار

- 1- عمرو بن امیہ الضمری / رسول اللہ کا گرامی نامہ شاہ جیش کے نام  
177  
2- دحیہ کلبی / رسول اللہ کا گرامی نامہ قیصر روم کے نام  
179  
3- حاطب بن ابی بلتعہ / مقتوی شاہ مصر کے نام مکتوب گرامی  
181  
4- عبد اللہ بن حذاہبی / نامہ رسول شاہ فارس کے نام  
183  
5- شجاع بن وہب الاسدی / ریکس و دمشق کا نام گرامی نامہ  
184  
6- علاء بن الحضرمی / منذر بن مساوی کے نام مکتوب گرامی  
185  
7- عمرو بن العاص / شاہ عمان کے نام خط  
185  
خلاصہ بحث  
187

### باب پنجم: عہد صحابہ میں فروغ اسلام کی عمومی وجوہات

- 1- فروغ اسلام میں خلفاء راشدین کا خصوصی کردار  
189  
2- صحابہ کرام پر خطبہ حجة الوداع کے اثرات  
198  
3- صحابہ کرام کا مذہبی مقام و مرتبہ  
204  
4- صحابہ کرام کے طبقہ عوام پر اثرات  
209  
5- مذہبی اور روحانی اثرات  
210  
6- سراپا عمل / کرداریت  
211  
7- صحابہ کرام کی حق پسندی / اظہار حق۔  
218

خلاصہ بحث

### 9- باب ششم:

- 233 صحابہ کرام کے اختیار کردہ اسلوب دعوت کے نمایاں پہلو  
233 فصل اول: انسانی نفسیات کا لحاظ  
235 (i) انسانی طبائع کا لحاظ / وقفہ  
238 (ii) مخاطب کی عزت نفس / عمومی وضاحت پر اکتفاء  
242 (iii) مناسب آمادگی  
244 (iv) موقع محل کی مناسبت / مناسب وقت کا انتظار  
250 (v) تالیف قلب  
251 (vi) مدعو کی تعریف و تحریک  
253 (vii) دعوت میں ایجاز و اختصار  
255 (viii) مخاطب کی زبان میں گفتگو  
257 (ix) قصص  
259 (x) تشبیہ و تمثیل سے وضاحت  
261 (xi) سوال و جواب، باہمی گفتگو  
266 (xii) جذبہ تجسس کو ابھارنا  
270 (xiii) دعوت میں دلیل و شائستگی کا لحاظ  
271 (xiv) قسم / گواہی  
274 خلاصہ بحث  
276 فصل دوم: غلطی پر تنبیہ کا اسلوب  
276 (i) تنبیہ کرنے والے کے مقام و مرتبہ کا لحاظ  
282 (ii) غلطی کی فوری اصلاح  
288 (iii) غلطی کرنے والے کا بائیکاٹ / شدید اظہار ناراضی  
293 (iv) غلطی کے ازالے کے لئے حکم شرعی کا بیان



297	(v) غلطی کا نقصان واضح کرنا
300	(vi) لاعلم اور جان بوجھ کر غلطی کرنے والے میں فرق کرنا
303	(vii) کسی کو غلطی پر قرار دینے میں جلدی نہ کرنا
305	(viii) یاد دہانی
310	(ix) فرضی اغیر ضروری سوالات کی حوصلہ شکنی
311	(x) تائید حق
312	(xi) لہجہ کی درستگی سے غلطی پر تنبیہ
315	(xii) بدعات کے استیصال میں شدت
322	خلاصہ بحث
323	فصل سوم: دعوت دین کا عملی / تجرباتی اسلوب
326	(i) سرگذشت اواقعاتی بیان
329	(ii) شرکت عمل / معاونت
330	(ii) مشورہ / رائے طلبی
334	فصل چہارم: ترغیب و ترہیب
335	(i) نعمتوں کے چھن جانے کا خوف دلانا
336	(ii) انذار / انتباہ
340	(iii) بشارت / انعام کا وعدہ
341	(iv) فوری فوائد کا وعدہ
344	خلاصہ بحث:
346	مصادر و مراجع

## عمومی اشارات / اختصارات

- ☆ قرآنی آیات کے حوالہ جات میں پہلے سورہ کا نام اس کے بعد سورہ کا نمبر اور پھر آیات کا نمبر دیا گیا ہے۔
- ☆ کتاب مقدس کے حوالہ جات میں کتاب کے نام کے بعد باب کا نمبر اور پھر آیت کا نمبر دیا گیا ہے۔
- ☆ کتب احادیث کے حوالہ جات تقریباً ہر جگہ مکمل تحریر کئے گئے ہیں، کتاب اور باب کے علاوہ حدیث کا نمبر بھی درج کیا گیا ہے۔
- ☆ ایک بار کسی کتاب کا مکمل حوالہ مع نام، مصنف کا نام، مقام اشاعت اور سن اشاعت وغیرہ کا التزام کیا گیا ہے، بعد ازاں صرف مصنف یا کتاب کے نام کو مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔
- جن کتب کے رموز و اختصارات استعمال کئے گئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ابن ہشام:	"السيرة النبوية" لا بن هشام
اسد الغابۃ:	"اسد الغابۃ فی معرفة الصحابة" لا بن حجر
الاصابة:	"الاصابة فی تمییز الصحابة" لا بن حجر
الاستيعاب:	"الاستيعاب فی معرفة الا صحاب" لا بن

عبد البر

ابن سعد:

"الطبقات الكبرى" لا بن سعد

البدایۃ:

"البدایۃ والنهاية" لا بن کثیر



حلیۃ الاولیاء: "حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء" لابی

نعیم الاصفہانی

المستدرک: "السنن الکبریٰ" للبیہقی

المستدرک: "المستدرک علی الصحیحین" للامام

ابی عبد اللہ الحاکم

المسند: "المسند" للامام احمد بن حنبل

الموطأ: "الموطأ" للامام مالک بن انس

الوثائق السیاسیة: "الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی والخلافة

الراشدة" للدکتور محمد حمید اللہ

جمہورۃ الانساب: "جمہورۃ انساب العرب" لابن حزم

## عہد زر میں عہد زریں کی دعوت

سرد جنگ کے خاتمے اور نائن الیون کے واقعہ کے بعد، دنیا میں وسیع پیمانے پر تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ ایک طرف اگر امریکہ ایک قطبی طاقت کے طور پر سامنے آیا ہے تو دوسری طرف قومی ریاست جرم ضعیفی کی سزاوار ٹھہر کر مرگ مفاجات کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اندریں صورت عالمی سطح پر نئی فکری صف بندی راہ پارہی ہے۔ تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ گھڑ کر، تہذیب اسلامی پر دہشت گردوں کی تہذیب کا لیبل چسپاں کر کے 'مارکیٹ اکاؤمی' کے دیوتا کو گلوبل کردار سونپا جا رہا ہے۔ گلوبلائزیشن کے نام پر پوری دنیا کو ایسی فکر کے زیر نگین کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جس کا اخلاقیات، زندگی کی اعلیٰ قدروں اور انسانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یوں سمجھیں کہ ایک عہد زر، بدترین عہد زر کو جنم دینے والا ہے۔ اب یہ فیصلہ کن گھڑی ہے، نوع انسانی نے فیصلہ کرنا ہے کہ زندگی کے کسی اعلیٰ آدرش سے اپنی وابستگی ظاہر کرے یا پھر غلامی کے نئے ایڈیشن کو چپ چاپ قبول کر لے۔

مذکورہ بالا صورت حال یہ واضح کرنے کو کافی ہے کہ ریاست کا روایتی تصور آخری دموں پر ہے، عالمگیریت قدم بڑھا رہی ہے، لہذا موجودہ دور میں دارالحرب اور دارالاسلام کی روایتی بحثیں بھی اہمیت کھو چکی ہیں:

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں

میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ !

نئے حوادث ہمیں خبر دے رہے ہیں کہ اب پوری دنیا کو وحدت کی صورت میں دیکھنا ہوگا، اس لئے نہ تو اسے دارالحرب قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی دارالاسلام۔ بہتر یہی ہے کہ ہم دنیا کو 'دارالدعوة' قرار دیں، کہ ہمارا دین عالمگیر ہے، ہمارا نبی ﷺ رحمت



للعلمین ہے اور ہمارا رب، رب العالمین ہے۔ اس تناظر میں پروفیسر محمد اکرم ورک کی کتاب 'صحابہ کرامؓ کا اسلوب دعوت و تبلیغ' بہت بروقت سامنے آئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب اس پوری کتاب میں عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد صحابہ کرامؓ سے باہر نہیں آئے۔ ان کے استدلال و استشہاد کا دائرہ انہی دو ادوار کے گرد گھومتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ دو ادوار ہمارے لئے مقدس ترین ہیں۔ جب بھی ہمیں کوئی مشکل پیش آتی ہے، چاہے اس کی نوعیت سیاسی و معاشی ہو، معاشرتی و نفسیاتی ہو، یا پھر زندگی کے کسی بھی پہلو سے اس کا تعلق ہو، تو ہم امید بھری نظروں سے انہی ادوار کی طرف دیکھتے ہیں اور کامل راہنمائی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

اس وقت دنیا میں ابھرتی ہوئی نئی فکری صف بندی میں ثقافتی پہلو کی اہمیت کو بھانپتے ہوئے، ورک صاحب نے اشارے کئے ہیں، اسلامی تصور دعوت میں ثقافتی رویے کی نشاندہی نہایت دانش مندی سے کی ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر الگ سے باب تو نہیں باندھا، لیکن ایک ضروری تقاضے کو کافی حد تک پورا کر گئے ہیں۔ احباب جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر زبان کی انفرادیت ہی الگ ثقافت کو جنم دیتی ہے، اگرچہ دیگر عوامل، علاقہ، لباس، نسل وغیرہ بھی اس انفرادیت کو ہمیز کرتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے فرمان مبارک کے مطابق:

”یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے، لہذا جو طریقہ آسان معلوم ہو، اسی طرح پڑھ لیا کرو“

اور آپ ﷺ کے عرب قبائل سے ان کے لہجوں میں گفتگو فرمانے سے، نیز حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دینے سے، یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہمارا دین ثقافتی ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے، تہذیبوں کے تصادم کی بجائے موافقت کی راہ دکھاتا ہے۔ اسلام ایسا واحد دین ہے، جس میں تمام ثقافتیں اپنی شناخت کے خاتمے کا

خوف کئے بغیر، ضم ہو سکتی ہیں۔ آج دنیا کو اسی چیز کی ضرورت ہے۔

کسی ثقافت کے بنیادی جز یعنی زبان پر دسترس سے دوسری قوم یا فرد کو اپنائیت کا احساس ہوتا ہے، اجنبیت کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق اجنبیت کا خوف بہت گھمبیر ہوتا ہے۔ اگر ثقافتی اعتبار سے اپنی انفرادیت قائم رکھ کے (یعنی اپنی ہی زبان میں) دعوت دی جائے گی تو لازمی بات ہے کہ اس کے نتائج حسب منشا برآمد نہیں ہوں گے۔ دین اسلام کی عالمگیریت کے پیش نظر، صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ دوسروں کو اپنائیت کا احساس دلا کر، انہی کی زبان میں ان کو دین کی دعوت دی۔

دوسروں کی زبان میں ان کو دعوت دینے کے اسلوب سے ایک اور نکتہ سامنے آتا ہے کہ دوسرے کو اپنائیت کا احساس دلا کر، اس سے مکالمے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ پروفیسر محمد اکرم ورک نے بجا طور پر اس طرف ہماری توجہ دلائی ہے، لیکن دعوتی اسلوب کی یہ مکالماتہ جہت، پوری کتاب میں بکھری بکھری سی ہے، بہتر ہوتا کہ اس موضوع پر علیحدہ فصل شامل کی جاتی اور مکالمہ کرنے والے صحابہ کرامؓ کی مکالماتہ صلاحیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی۔ اہل دانش جانتے ہیں کہ مکالمے کے لئے بہت حوصلے، علم، ظرف، رواداری اور جرات کی ضرورت ہوتی ہے۔ مکالمے کی عدم موجودگی میں فکر و سوچ اور باہم رویوں میں تعصب اور تنگ نظری سرایت کر جاتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں ہم لوگ دعوتی اسلوب میں سے، بلکہ زندگی کے دیگر پہلوؤں میں سے بھی 'مکالمہ' نکال بیٹھے ہیں اور طے شدہ انداز میں بات کرتے ہیں۔ شاید اہل مغرب سے ہماری موجودہ کشمکش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم لوگ حبشہ کے نبی، مصر کے مقوقس اور شاہ عمان جیفر کے بھائی عہد سے ہونے والے مکالموں کو، موجودہ دور میں اہمیت دینے کو تیار نہیں، ہم لوگ مغرب سے مکالمہ کرنے کو تیار نہیں



----- بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ ہم لوگ مغرب مخالفت میں اس قدر بڑھ گئے تھے کہ ان کی زبانوں کو ہی 'شیطانی' خیال کرتے تھے، پھر مکالمہ اور وہ بھی ان کی زبان میں، بہت دور کی بات تھی۔ اسی سلسلے کا ایک کڑوا سچ یہ ہے کہ فرقہ واریت کی بنیادی وجہ بھی 'مکالمہ فضا' کی عدم دستیابی ہے۔

پروفیسر صاحب نے تحقیق کا دائرہ پھیلاتے ہوئے، تبلیغی مراکز کے بیان کے ضمن میں، مسجد انبی بکرؑ اور بیت فاطمہ بنت خطابؑ کو دارِ ارقم پر فوقیت دی ہے، پھر تیسرے نمبر پر دارِ ارقم کا ذکر کر کے بہت استناد سے اس کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسی طرح رسالت مآب ﷺ کی مکی زندگی کے دوران، ہجرت حبشہ، مکہ کے تبلیغی مراکز اور مدینہ کے تبلیغی مراکز ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس عہد میں تمام دستیاب وسائل اور امکانات پر نظر رکھتے ہوئے، اسلوب دعوت میں ہمہ جہت انداز اختیار فرمایا۔ ورک صاحب کا بیان کردہ یہ 'تزویریاتی' نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ فتح مکہ سے قبل رسول پاک ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ نو مسلم قبائل اور افراد کو مدینہ کی طرف ہجرت کی ترغیب دی جائے، تاکہ مدینہ میں مسلمان طاقتور ہوں۔ فتح مکہ کے بعد جب تزویریاتی تقاضے کی نوعیت بدلی تو رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

”فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے“

اگر ورک صاحب کم از کم حاشیے میں ہی اس فرمان مبارک ﷺ کے معنوی ابعاد پر چند سطریں قلم بند کرتے، تو عہد نبوی ﷺ سے استشہاد کا ایک اور قابل قدر نمونہ سامنے آ جاتا۔

صحابیاتؓ کی دعوتی سرگرمیوں کے تذکرے سے بھی کتاب کی اہمیت دو چند ہو گئی ہے۔ آج جس طرح عورت کے مقام کے حوالے سے، دین اسلام کے صالح

تصورات کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور بین الاقوامی فورموں پر مختلف نقطہء ہائے نظر سامنے آرہے ہیں، اس لحاظ سے یہ تذکرہ بہت اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ کیونکہ موجودہ معاشرتی اور عالمی حالات زیادہ تفصیل کے مقتضی تھے اس لئے یہاں تشنگی باقی رہتی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم ورک نے داعی کی خصوصیات پر خامہ فرسائی کرتے وقت بھی صحابہ کرامؓ کی سیرت سے استشہاد کیا ہے۔ ان کا یہ کہنا جابجا ہے کہ ہمارے اور صحابہ کرامؓ کے اسلوب دعوت میں بنیادی فرق، خلوص نیت اور للہیت کا ہے۔ ورک صاحب نے بین السطور ہمیں اس نکتے سے آگاہ کیا ہے کہ خلوص نیت، للہیت اور حق سے وابستگی، شعوری طور پر بہت سے آپشنز (OPTIONS) ہوتے ہوئے اختیار کرنی چاہیے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بس نہ چلا اور کوئی آپشن نہ رہا تو خلوص نیت کا ڈھنڈورہ پیٹ ڈالا اور للہیت کی گردان شروع کردی، بلکہ داعی کی نفسی کیفیت کچھ ایسی ہونی چاہیے:

میں صورت گل دست صبا کا نہیں محتاج

کرتا ہے مرا جوش جنوں میری قبا چاک

اکرم صاحب نے اس کتاب کی تالیف کے دوران، واقعات اور احادیث نبوی ﷺ کا ایسا 'چناؤ' کیا ہے کہ کتاب کا قاری خود بخود دین اسلام کے بہت سے فرائض سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔ انھوں نے محسوس تو نہیں ہونے دیا لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ چناؤ غیر ارادی نہیں، بلکہ 'دیدہ و دانستہ' کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں نماز میں اکثر اوقات لمبا قیام اور رکوع و سجود، ڈنڈ بیٹھکوں کی طرح کئے جاتے ہیں، اسی لئے ورک صاحب نے نماز کی اصل روح کی طرف نہایت ڈھنگ سے اشارہ کر دیا ہے کہ "نماز میں قیام مختصر اور رکوع و سجود مکمل ہونا چاہیے" اسی طرح ہمارے ہاں خطیب لوگ، اپنی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھانے کے لئے، جس طرح لوگوں کو گھنٹوں بٹھائے



رکھتے ہیں، پروفیسر صاحب نے جابجا مختصر خطاب کی افادیت کا ذکر استناد سے کر کے، ان پر بھی بالواسطہ گرفت کی ہے۔ تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی ممانعت سے لے کر، مسجع دعاؤں اور نکاح شغار کی ممانعت تک کے احکامات، موصوف نے اس کتاب میں اس طرح سمودیے ہیں کہ قاری کو گراں محسوس نہیں ہوتا۔

اس وقت ہمارے ہاں جس قسم کی گردہ بندیاں پنپ رہی ہیں، اکرم صاحب نے بہت موزوں واقعہ چن کر نہایت لطیف پیرائے میں، ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، جہاں صحابہ کرامؓ کے جدا جدا حلقے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے، تم لوگ جدا جدا ہو۔“

اسی طرح ایک واقعہ بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے اس پر بھی تبصرہ کرنے کی بجائے چپ سادھ لی ہے کہ ”زمانہ حج میں ابن عمرؓ کا پاؤں نیزے کی نوک لگنے سے زخمی ہو گیا۔ حجاج بن یوسف خود عیادت کے لئے آیا اور کہنے لگا، کاش، ہمیں اس شخص کے بارے میں پتہ چل جائے، جس کا نیزہ لگنے سے آپ زخمی ہوئے ہیں، ابن عمرؓ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: یہ سب تمہارا ہی قصور ہے کہ تم نے لوگوں کو ایام حج میں حرم کے اندر ہتھیار لانے کی اجازت دی، حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔“ اس واقعہ کے بیان کے بعد اکرم صاحب نے خاموش رہ کر، بغیر کوئی لفظ ادا کئے، آج کے حکام کی کارگزاریوں پر جامع تبصرہ کر دیا ہے کہ یہ لوگ عموماً سامنے کی بات کو پکڑ لیتے ہیں، بے قصور کو سزا دلوا دیتے ہیں اور مسئلے کی اصل جڑ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اس واقعہ میں ابن عمرؓ کا جواب بتاتا ہے کہ متقدمین کے ہاں مسائل کو صحیح طور جانچنے کی کتنی زیادہ صلاحیت تھی۔

پروفیسر صاحب نے ججو اور تشبیب کی شاعرانہ اصناف سے لے کر معاشی

امور سے متعلق بنیادی اصولوں کے بیان تک، کسی پہلو سے صرف نظر نہیں کیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر عہد زریں کی طرف پیش قدمی کا درس دے رہے ہیں اور اسی حوالے سے انھوں نے حوالہ جات کے ساتھ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ کے بہت سے گوشے منور کر دیئے ہیں۔

اس کتاب میں بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں، جہاں ورک صاحب ایک مورخ کے انداز میں واقعات کو جانچتے اور سوال کرتے نظر آتے ہیں ان کے انداز نظر اور اسلوب تحقیق کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ کی مستند تاریخ ترتیب دے سکتے ہیں، اگرچہ اس کتاب کو بھی اس زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے کہ واقعاتی و بیانیہ اسلوب کے پہلو بہ پہلو تجزیاتی اور استشہادی رنگ بھی موجود ہے اس کتاب کی ایک اعلیٰ خوبی مولف کا اسلوب تحریر بھی ہے۔ عام طور پر تحقیقی طرز کی کتب میں پھیکا پن چپکے سے چلا آتا ہے اور ادبی چاشنی کو پر پرزے نکالنے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن اکرم صاحب نے کمال ہنرمندی سے کہیں بھی بوجھل پن نہیں آنے دیا، بلکہ ہر مقام پر سلاست، روانی اور بہاؤ کا احساس ہوتا ہے۔ اسلوب نگارش کیا ہے۔۔۔ بس! لفظوں کی چھاگل ہے۔

بات ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پبلشرز کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی جائے کہ اس کتاب کے مختلف ابواب اور فصلیں، تحقیقی اور عام فہم ہونے کے سبب ”کتابچوں“ کی صورت میں بھی سامنے لائے جانے کے مستحق ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ داعیان اسلام اس سے مستفید ہو سکیں اور عہد زر کے مقابل، عہد زریں کی دعوت فروغ پا سکے۔ آمین۔

پروفیسر میاں انعام الرحمان  
گورنمنٹ ڈگری کالج قلعہ دیدار سنگھ، گوجرانوالہ



## پیش لفظ

انسان بنیادی طور پر دو ایسی ضروریات کا محتاج ہے جس سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی صرف نظر نہیں کر سکتا۔ ایک طرف اسے ان اشیاء و وسائل کی ضرورت درپیش ہے جو اس کی مادی احتیاجات کو پورا کریں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے جسم اور روح کے رشتے کو قائم و استوار رکھ سکے اور بقائے حیات کے مادی تقاضوں کو پورا کرے۔ دوسری طرف وہ اس ہدایت اور رہنمائی کا محتاج ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی اخلاقی، اجتماعی اور تمدنی زندگی کی تشکیل صحت مند بنیادوں پر کر سکے اور اس طرح انسانیت کے حقیقی مقاصد کی بطریق احسن تکمیل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو اس طرح پورا فرمایا کہ اس نے زمین و آسمان میں وسائل معیشت کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ودیعت کر دیا تاکہ انسان ان وسائل کے ذریعے اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کر سکے جب کہ دوسری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ انسان کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کرائیں۔ انہیں جینے کا طریقہ سکھائیں اور اصول تمدن کی تعلیم دیں تاکہ روز قیامت لوگ یہ عذر قبول نہ کر سکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ معلوم نہ تھا جس کی وجہ سے وہ گمراہی و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ  
حُجَّةٌ ۚ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (۱)

”اور ہم نے بھیجے اپنے رسول خوشخبری دیتے ہوئے اور ہوشیار کرتے ہوئے تاکہ لوگوں کے پاس ان رسولوں کے بعد اللہ کے خلاف کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے“

اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ہادی اور رسول بھیجے تاکہ لوگوں

پر حق پوری طرح آشکارا ہو جائے اور پھر تمام انبیاء کے آخر میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کو وہ مکمل نظام زندگی عنایت فرمایا جو تمام بنی نوع انسان کے مزاج اور ان کے حالات و ضروریات کے لئے کافی ہے۔ آپ ﷺ کو اہل عرب کی طرف بالخصوص اور تمام انسانوں کی طرح بالعموم رسول بنا کر بھیجا گیا اس لئے آپ ﷺ نے اہل عرب میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ براہ راست سرانجام دیا جب کہ تمام عالم کی طرف دعوت کے لئے امت محمدیہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ رسول اللہ نے جس دین حق کی تبلیغ تم پر کی ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا اب اس کی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ تبلیغ دین کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت پر رہے گی اور اسے وہ کام انجام دینا ہوگا جو رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا ہے۔ آپ ﷺ نے جس طرح امت کے سامنے حق کی گواہی دی تھی اسی طرح اس امت کو دوسروں کے سامنے حق کی گواہی دینا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
وَيَكُونَ الرُّسُلُ عَلَيْكُمْ شُهَدَاءَ (2)

”اور اسی طرح ہم نے بنایا تم کو وسط امت تاکہ تم لوگوں پر (اللہ کے

دین کی) گواہی دو اور رسول اللہ ﷺ تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے“

گویا دعوت و تبلیغ کا کام اب امت محمدیہ ﷺ کے ہر فرد کا فرض ہے اور ہر مسلمان کو دعوت تبلیغ کا اہل اور حق دار قرار دیا گیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

”یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے دیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں، دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا



میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص، خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہو سکتا تھا“ (3)

اسلام کسی مخصوص طبقے اور گروہ کی بجائے دعوت دین کی ذمہ داری امت محمدیہ ﷺ کے تمام افراد پر انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے عائد کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کا امت مسلمہ کے بارے میں ارشاد ہے:

”انتم شهداء الله في الارض“ (4)

معلوم ہوا کہ یہ امت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کی شاہد بنا کر بھیجی گئی ہے چونکہ آپ ﷺ کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت ہونے والی نہیں تھی اس لئے خلق خدا کی راہنمائی اور اتمام حجت کی ذمہ داری ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ کی امت پر ڈال دی گئی۔ اس امت کا مقام یہ نہیں کہ وہ صرف اپنی حد تک اصلاح و تقویٰ کی زندگی گزارتی رہے بلکہ اسے پوری دنیا کی ہدایت اور امامت کا کام بھی انجام دینا ہے۔ اس بناء پر ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا ہے اور محتسب بھی، داعی مذہب بھی ہوتا ہے اور ماہر شریعت بھی، اسلام کی اسی تربیت نتیجہ تھا کہ عرب کا وہ معاشرہ جہاں قبل از اسلام جہالت و گمراہی کا دور دورہ تھا اب ہر گھرفنہ، حدیث، تفسیر اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بن چکا تھا۔ اس امت کی یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے کوئی دوسری قوم اور امت متصف نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ ﷺ کی اسی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (5)

”تم بہترین امت ہو کہ تم لوگوں کی نفع رسانی کے لئے ظاہر کئے گئے ہو۔

تم لوگوں کو بھلے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو“

گویا اس امت کو ”خیر امت“ کا لقب اس لئے ملا کہ کفر و ضلالت سے بھری

(3) شبلی نعمانی، علامہ سیرت النبی ﷺ فیصل ناشران داتا جران کتب اردو بازار لاہور ۲۵۵

(4) صحیح البخاری، کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت ج: ۱۳۶، ۲۶۲، ص: ۲۱۹

(5) آل عمران ۱۱۰:۳

ہوئی اس دنیا کے لئے سراپا خیر ثابت ہوگی۔ ان کی نیکی کی راہ دکھائے گی اور حق کی طرف بلاتی رہے گی نیز یہ حکم بھی دیا کہ اس اجتماعی فریضہ کی ادائیگی کے لئے ایک مخصوص جماعت ایسی بھی ہونی چاہیے جو ہم وقت دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتی رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (6)

”اور تم میں ایک جماعت ہونی چاہے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں“

اجتماعی کوششیں اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک ہر فرد اس تحریک میں شریک نہ ہو۔ یہ شمولیت حسب استطاعت ہی ہوگی۔ اسلام نے ہر فرد کو یہی تربیت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (7)

”نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔“

قرآن مجید نے مومن مرد اور عورت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (8)

”مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں“

جب کہ منافق مرد اور عورت کا تعارف یوں کروایا گیا ہے۔

(6) آل عمران ۱۰۳:۳ (7) المائدہ ۶:۵

(8) التوبہ ۱۱:۹



الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ  
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ (9)

”منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ جو برائی کا  
حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مومنین اور منافقین کے درمیان اول  
اور حقیقی فرق و امتیاز امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ نیکی کی تلقین اور دعوت اسلام ہی  
مسلمانوں کا سب سے نمایاں وصف ہے یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی بنیاد  
پر وجود میں آنے والی امت کو رسول اللہ ﷺ نے بھی واضح الفاظ میں ہدایت فرمائی  
ہے کہ جس شخص کو دین حق کی جو بات بھی معلوم ہو اسے عام کرنے اور دوسروں تک  
پہنچانے میں کوتاہی نہ کرے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (10)

”میری طرف سے (دوسروں تک) پہنچاؤ چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو“

گویا آدمی کو صرف ایک آیت یا حدیث کا ہی علم ہو تو بھی اسے اپنی ذات  
تک محدود نہ رکھے بلکہ اسے دوسروں تک پہنچا دے تاکہ اس طرح دین عام ہوتا چلا  
جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر امت کے نام اپنے آخری پیغام  
میں بار بار فرمایا: الا اهل بلغت؟ ”کیا میں نے تم تک دین کا پیغام پہنچا دیا ہے؟“  
جب سب نے تصدیق کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لِيلِغَ الشَّاهِدَ الْغَائِبِ ، فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى اَنْ يَبْلِغَ مِنْ هُوَ

او عیٰ لہ منہ (11)

جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک میری باتیں پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔  
اسی طرح ہو سکتا ہے کہ موجود شخص ان باتوں کو کسی ایسے شخص تک پہنچا دے جو اس سے

(9) التوبہ: ۹۷ (10) صحیح البخاری، ج: ۳ ص: ۲۴۱ المسند، مسند عبد اللہ بن عمرؓ، ج: ۳ ص: ۲۴۱

(11) صحیح البخاری کتاب العلم باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعیٰ من سامع، ج: ۶ ص: ۶۶

زیادہ ان کی حفاظت کر سکے“

یہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دین و شریعت کی تبلیغ کا حکم تھا، یہ  
اس بات کی تاکید تھی کہ جس طرح آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دین اپنے مخاطبین تک  
پہنچایا ہے۔ اسی طرح وہ اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت  
ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تسمعون ویسمع منکم ، ویسمع ممن یسمع منکم (12)

”تم دین کی باتیں (براہ راست) سن رہے ہو۔ اس کے بعد تم سے یہ باتیں سنی  
جائیں گی اور پھر تم سے جو لوگ سنیں گے ان سے ان کے بعد والے سنیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے والے  
شخص کو امت کے بہترین افراد میں شمار کیا۔ درہ بنت ابی الہب فرماتی ہیں۔

قام رجل الى النبی ﷺ وهو علی المنبر فقال : یا رسول

الله ﷺ ای الناس خیر؟ فقال ﷺ خیر الناس اقروهم

واتقاهم وامرهم بالمعروف وانهاهم عن المنکر واصلهم

للمرحم (13)

”رسول اللہ ﷺ منبر پر وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہو کر آپ

ﷺ کی طرف بڑھا اور سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ انسانوں

میں سب سے بہتر انسان کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو ان میں سے

سب سے زیادہ اللہ کی کتب پڑھنے والا، سب سے زیادہ متقی، سب سے

زیادہ معروف کا حکم دینے والا اور منکر سے روکنے والا اور صلہ رحمی کرنے

والا ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا نہ صرف تاکید کی حکم دیا بلکہ اس کو  
چھوڑنے پر عذاب الہی کے نزول کا اندیشہ بھی ظاہر فرمایا۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت

(12) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ج: ۳ ص: ۲۵۵

(13) المسند، حدیث درہ بنت ابی الہب، ج: ۲ ص: ۲۸۸



ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لتامرّن بالمعروف ولتنهونّ عن المنکر  
اولیو شکنّ اللہ ان یبعث علیکم عقابمنہ ثم تدعونہ فلا  
یستجیب لکم (14)

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم ضرور معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کر دے۔ اس وقت تم اس سے دعا کرو گے لیکن تمہاری دعا نہیں سنی جائے گی۔“

جب کوئی شخص چھپ کر گناہ کرتا ہے تو اس کی نحوست اور نقصان کا وہ تنہا ہی شکار ہوتا ہے لیکن جب وہ گناہ سرعام ہو اور لوگ طاقت اور قدرت کے باوجود اس کو نہ روکیں تو اس گناہ کی نحوست سے پورا معاشرہ عذاب الہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

ما من رجل یكون فی قوم یعمل فیہم بالمعاصی یقدرون  
علی ان یغیروا علیہ فلا یغیروا الا اصابہم اللہ بعقاب من  
قبل ان یموتوا (15)

”اگر کسی قوم میں کوئی شخص مبتلائے معاصی ہو جائے اور وہ جماعت اور قوم باوجود قدرت کے اسے گناہ سے نہ روکیں تو ان کے مرنے سے پہلے ہی ان پر عذاب الہی مسلط ہو جاتا ہے۔“

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان فرد کو بقدر طاقت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فليسلنه ،

(14) جامع الترمذی، ابواب الفتن باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ۲۱۶۹ ص ۳۹۸

(15) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، ج: ۳، ص: ۲۳۹، ۲۴۰

فان لم يستطع فليقلبه و ذالك اضعف الايمان (16)

”تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے اپنے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو تبلیغ دین کی بار بار ہدایت اور تاکید فرمائی اور دوسری طرف اپنی زندگی ہی میں عرب کے مختلف علاقوں قبیلوں اور ملکوں میں مبلغین اور تبلیغی وفد روانہ فرمائے۔ اسی طرح اپنے عمل سے واضح کر دیا کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے جس کی تبلیغ ہمیشہ پوری دنیا میں ہوتی رہنی چاہیے۔ المختصر قرآن و سنت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دعوت و تبلیغ امت محمدیہ ﷺ کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے اور تمام افراد امت کو بقدر استطاعت اس کا مکلف بنایا گیا ہے لہذا اس ذمہ داری سے پہلو تہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دعوت دین کے بنیادی اصول اور اسلوب دعوت کی اہمیت

دعوت و تبلیغ ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے جس کا مقصد صداقت و حقانیت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔ انبیاء کرام کی بابرکت شخصیتیں تاریخ انسانی میں دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی حق و صداقت کی کوئی کرن نظر آتی ہے۔ اس کا باعث یہی عظیم ہستیاں ہیں۔ تاریخ انبیاء میں رسول اللہ ﷺ کو اس حوالے سے ایک منفرد مقام حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا ایک اسلوب دیا، اس کے بنیادی اسلوب بیان کیا اور اس کی اہمیت واضح کی۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کی کامیابی کے لئے دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ دعوت دینے والے کا ذاتی کردار اور دعوت کا اسلوب اور طریق کار داعی جس دعوت کو پیش کر رہا ہے اگر وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہو اور اس کی سیرت و کردار سے اس کے پیغام اور دعوت کی عکاسی ہوتی

(16) صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان ..... ج: ۱، ص: ۱۷۷، ۱۷۸

سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، ج: ۳، ص: ۲۳۹، ۲۴۰



ہو اور پھر اس کا انداز و اسلوب بھی قابل فہم ہو جس سے حکمت اور عمدہ نصیحت کا اسلوب صاف جھلک رہا ہو تو داعی کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ کیونکہ دعوت بجائے خود کتنی ہی پرکشش کیوں نہ ہو کسی معاشرے میں اسی وقت جڑ پکڑتی ہے جب اسے نہایت ہی حکیمانہ انداز میں پیش کیا جائے۔

تبلیغ دین کے کام کی رفتار بڑی حد تک طریق دعوت پر منحصر ہے کیونکہ اس کام میں کوئی مادی لالچ کارفرما نہیں ہو سکتا کہ کسی کو لالچ دے کر قائل کر لیا جائے بلکہ مبلغ کا رویہ، اسلوب دعوت اور پھر پیغام کی کشش ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ تبلیغ دین میں دعوت کے طریقہ کار اور اسلوب کی اسی اہمیت کے پیش نظر خود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی وساطت سے پوری امت محمدیہ ﷺ کو دعوت کے بنیادی اصول سکھائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ لَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ هِيَ أَحْسَنُ (17)

”آپ ﷺ انہیں اپنے رب کی راہ کی طرف بلائیں، حکمت، عمدہ نصیحت اور احسن طریق سے بحث و تمحیص کے ذریعے“

اس آیت مبارکہ میں دعوت و تبلیغ کے تین بنیادی اصول کئے گئے ہیں۔

(۱) حکمت

(۲) عمدہ نصیحت

(۳) احسن طریقے سے بحث

رسول اللہ ﷺ کا طریق دعوت، دعوت کے ان اصولوں کی عملی تفسیر تھا۔

(1) حکمت

(i) حکمت سے مراد یہ ہے کہ موقع محل کی مناسبت سے بات کی جائے، مخاطب کی ذہنی کیفیت کو دیکھا جائے کہ کہیں وہ اپنے مشاغل میں مصروف کار تو نہیں ہے؟ کہیں اس کی طبیعت میں اس وقت چڑچڑاپن تو نہیں ہے؟ اگر مدعو اس وقت غیر سنجیدہ

موڈ میں بیٹھا ہو تو اس حالت میں تبلیغ نتیجہ خیز نہیں ہو سکے گا۔

(ii) ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے کہ لوگ دعوت کو بوجھ محسوس کرنے لگیں، بلکہ مناسب وقفے کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کی جائے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے اکتا جانے کے خوف کے پیش نظر کبھی مسلسل وعظ و نصیحت نہ فرماتے تھے۔

(iii) مخاطب کی ذہنی سطح اس کا علم، ذہانت، سوچ کی بلندی اور اس کی صلاحیت کے مطابق بات کی جائے۔ ایک ان پڑھ شخص کے سامنے فلسفہ و منطق یا فقہ و کلام کی اصطلاحوں میں بات نہ کی جائے۔ بلکہ بات میں سادگی ہو جسے مخاطب سمجھ سکے۔

(iv) یہ بھی دیکھا جائے کہ مخاطب خالی الذہن ہے یا پہلے ہی اس کے ذہن میں مخالف یا موافق باتیں موجود ہیں۔ اگر مخاطب کے ذہن میں دعوت کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات یا غلط فہمی ہے تو پہلے اس غلط فہمی کو دور کیا جائے یا انداز گفتگو ایسا اختیار کیا جائے کہ شکوک خود بخود دور ہوتے چلے جائیں۔

(v) تنقید یا تنقیص کا اسلوب اختیار کرنے کی بجائے اپنا نقطہ نظر وضاحت سے بیان کیا جائے۔

(vi) بات کرنے میں نفسیاتی ترتیب رکھی جائے بات اس انداز سے کی جائے کہ ذہن میں ترتیب وار نکات بیٹھتے چلے جائیں۔ جو بات ابتداء میں کرنی ہے وہ ابتداء میں ہی کی جائے اور جو آخر میں کرنی ہے وہ آخر میں کی جائے۔

(vii) گفتگو کا موضوع بڑا واضح ہو اور بات مضبوط عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پر حکمت انداز سے کی جائے۔ دلائل ایسے ہوں کہ عقل و شعور اور فہم و فراست رکھنے والے ہر شخص کے دل میں بیٹھتے چلے جائیں۔

(viii) مخاطب کے اعتقادات و روایات کو خواہ مخواہ نشانہ بنا کر اسے اشتعال نہ دلایا جائے۔

(ix) مخاطب کے سیاسی و معاشرتی مقام و مرتبہ کا احترام کیا جائے، جیسا کہ موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنے کا حکم دیا گیا لیکن اس



کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مغرور شخص کی خواہ مخواہ عزت کی جائے بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اس کے غرور کو اشتعال نہ دلایا جائے۔

(x) ایسا اسلوب اختیار کیا جائے جس سے داعی کی خوداری اور پیغام کی عظمت کو ٹھیس نہ پہنچے

(xi) مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دی جائے اور عقلی استدلال سے دعوت کو پرتا شیر بنایا جائے۔

(2) عمدہ نصیحت

(i) داعی کا طرز کلام ایسا ہو کہ اس میں نرم خوئی، دلسوزی اور حسن خلق کی جھلک نمایاں ہو، بات اتنی شفقت سے کی جائے کہ مخاطب یہ محسوس کرے کہ داعی حقیقی معنوں میں اس کا خیر خواہ ہے اور وہ مخاطب کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ وہ اسے جاہل حقیر اور بے وقوف سمجھتا ہے نہ اسے یہ احساس ہو کہ نصیحت کرنے والا اپنی برتری جتلا رہا ہے۔

(ii) داعی دلائل کے انبار ہی نہ لگاتا چلا جائے بلکہ مخاطب کے دل میں برائی کے خلاف جو فطری طور پر نفرت موجود ہے اور نیکی سے جو فطری محبت موجود ہے اسے ابھار کر اچھائی کی طرف مائل کرے۔

(iii) مخاطب کے دل کو نرم کرنے والا انداز اپنایا جائے جب تک دل کو کسی چیز کے قبول کرنے کے لئے تیار نہ کیا جائے اس وقت تک انسان اچھائی پر کار بند نہیں ہو سکتا۔

(iv) موعظہ حسنہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ داعی محض عقلی دلائل پیش کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ مخاطب کے جذبات و احساسات کو بھی اپیل کرے۔ اگر مخاطب کے جذبات ایک بات کے قائل ہو جائیں تو عقل خود بخود وہ بات ماننے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ دعوت و تبلیغ میں مخاطب کی نفسیات کے لحاظ سے مختلف انداز اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص محض عقلی دلائل سے مطمئن ہو جاتا ہے کوئی اس وقت متاثر ہوتا جب بات اس کے دل اور جذبات کو اپیل کرے اور کچھ لوگ

وہ ہوتے ہیں جن کو قائل کرنے کے لئے عقلی و جذباتی دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمدہ نصیحت کے ان سب اسالیب سے واقف ہو۔

(3) مجادلہ بطریق احسن

مجادلہ سے مراد دلائل کا باہم تبادلہ ہے، داعی کی اولین کوشش تو یہی ہونی چاہیے کہ بحث و تمحیص کی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ اس سے فضا میں کچھاؤ پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات مخاطب ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے۔ جس سے قبول حق میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تاہم اگر حالات بحث و مباحثہ کے ہی متقاضی ہوں تو بھی داعی کو چاہیے کہ وہ دلائل کے تبادلے میں تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرے محض مناظرہ بازی سے کام نہ لے، اس کے طرز کلام میں طنز، الزام تراشی اور پھبتیاں شامل نہ ہوں اور مقصد دوسرے فریق کو لا جواب کر دینا نہ ہو بلکہ اس کے اشکالات کا جواب اس دلسوزی اور بے لوثی سے دیا جائے کہ بالآخر وہ داعی کے خلوص اور پختہ دلائل کے آگے ہتھیار پھینک دے۔ دور حاضر میں دعوت و تبلیغ کے لئے مناظرہ بازی اور بحث و مباحثہ کو لازمی سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ قرآنی اسلوب دعوت سے اس کی کوئی مطابقت نہیں بلکہ مبلغ کے لئے اپنے نقطہ نگاہ پر مکمل عملی عبور، موقع محل کی مناسبت سے انداز دعوت کو اپنانے کی صلاحیت اور تحمل و بردباری جیسی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اسلوب دعوت، دعوت کے ان اصولوں کی عملی شکل تھا اور دعوت و تبلیغ کے اسی طریقہ کار کی تلقین آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی فرمائی۔ چنانچہ اگر صحابہ کرام کی دعوتی سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی دعوت میں ایسے اوصاف تھے جو براہ راست عقل و شعور کو متاثر کر کے قبول حق پر آمادہ کرنے والے تھے۔ صحابہ کرامؓ پیام حق کی اشاعت کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جو یقینی کامیابی کے ضامن ہوتے۔ موقع محل کے مطابق گفتگو کرنا نصیحت کو عمدہ پیرائے میں بیان کرنا، مخاطب کی ذہنی استعداد کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بات کرنا اور ابلاغ دین میں ہمیشہ انسانی نفسیات کے مسلمہ حقائق کو پیش نظر رکھنا ان کی دعوت کے نمایاں اوصاف تھے۔ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں جو شاندار



کامیابیاں حاصل کیں اور عملی طور پر جو دعوت کے اسالیب بیان کئے۔ وہ ہر داعی حق کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ ہی درحقیقت بارگاہ نبوی ﷺ کے تربیت یافتہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی سیرت منہج رشد و ہدایت ہے اور جن کے نقش قدم پر چل کر ایک داعی دین اس عظیم ذمہ داری کو بطریق احسن ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کے دعوتی منہج و اسلوب کو بھی موضوع تحقیق بنایا گیا ہے تاکہ داعیان اسلام اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

زیر تحقیق موضوع میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی سیرت سے ان عملی مثالوں کو پیش کیا جائے کہ کس طرح انہوں نے دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ حکمت، تدبیر، عقلی استدلال اور انسانی نفسیات کا لحاظ رکھا اور موقع و محل کی مناسبت اور مخاطب کے حالات کو مد نظر رکھ کر گفتگو فرمائی۔ عصر حاضر میں دعوت دین میں ناکامی، کا بنیادی سبب جہاں عصری علوم و فنون اور ذرائع و وسائل کا عدم استعمال ہے وہاں فطرت انسانی، نفس انسانی اور اس کے رجحانات و میلانات کا عدم لحاظ بھی ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دعوتی منہج و اسلوب کا مطالعہ کیا جائے اور دعوت و تبلیغ میں انہی اسالیب کو اختیار کیا جائے جن کی رعایت کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے چند ہی سالوں میں اسلام کو دنیا کا غالب دین بنا دیا۔ زیر نظر کتاب میں سیرت صحابہؓ کی روشنی میں دعوت کے ان مختلف اسالیب کی تحدید کی گئی ہے جن کو صحابہ کرامؓ نے دعوت دین کے سلسلے میں پیش نظر رکھا۔

### سابقہ مواد کا تجزیاتی مطالعہ

سیرت صحابہؓ پر لکھی جانے والی مختلف کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولفین و محققین کے ہاں سیرت نگاری کے دو منہج زیادہ مقبول ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی حیات مبارکہ کو زمانی ترتیب سے بیان کیا جائے۔ اس طریقہ کی رو سے ولادت سے لے کر وفات تک کے تمام حالات کو پوری تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سیرت نگاری کا سوانحی انداز ہے۔ قدیم ماخذ سیرت اور اردو ادب میں یہ

طریقہ زیادہ رائج اور مقبول ہے۔ جب کہ سیرت نگاری کا دوسرا انداز وہ ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے کسی خاص پہلو کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ جیسے صحابہ کرامؓ کے جنگی کارنامے، صحابہ کرامؓ کی مذہبی خدمات، صحابہ کرامؓ کی سفارت کاری، وغیرہ اس قسم کی سیرت نگاری کو موضوعاتی انداز کہا جاتا ہے۔

زیر تحقیق موضوع کے انتخاب سے تا حال سیرت صحابہ کے موضوع پر لکھی گئی کتب کا بغور مطالعہ کیا گیا۔ لیکن براہ راست زیر تحقیق موضوع پر کوئی مستقل کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔ البتہ سیرت صحابہ پر لکھی گئی تمام کتب میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی زندگی کے مراحل اور ضمیمہ اسلوب دعوت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ تاہم جہاں تک دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اصول دعوت کا تعلق ہے تو اس موضوع پر اردو اور عربی زبان میں کافی حد تک علمی و تحقیقی کام ہوا۔ (18)

صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ دین میں موقع و محل اور مخاطب کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے جو مختلف اسالیب اختیار کئے۔ اس موضوع پر براہ راست کام نہیں ہوا۔ البتہ صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی میں کہیں کہیں ان کی تبلیغی کاوشوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ سیرت صحابہؓ پر لکھی گئی کتب میں سے موضوع زیر تحقیق کے قریب ترین کتب میں مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی کتاب ”حیۃ الصحابہ“ (19) ہے یہ کتاب اردو عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں چھپ چکی ہے۔ تین جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی آخری جلد میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے بقول حق اور تبلیغ حق کی راہ میں

(18) مثلاً جلال الدین عمری، سید، ”اسلام کی دعوت“ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۶ء۔

ایضاً ”معروف و منکر“ ۱۹۷۱ء۔

اصلاحی، امین احسن ”دعوت دین اور اس کا طریق کار“ فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۸ء۔

قاری محمد طیب ”اصول دعوت اسلام“ ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

زیدان عبدالکریم، ڈاکٹر، ”اصول الدین“ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد (س۔ن)۔

صقر عبدالہدی، ”کیف ندعو الناس“ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۹ء۔

فتیٰ سہیل ”کیف ندعو الناس“ مکتبۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۳ء۔

(19) محمد یوسف کاندھلوی، ”حیۃ الصحابہ“ مقبول اکیڈمی انارکلی، لاہور، ۱۹۸۶ء۔



صحابہ کرامؓ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کو بھی پوری شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ تاہم کتاب مذکور میں صحابہ کرامؓ کے اسلوب دعوت سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

اسی طرح مولانا حبیب الرحمن دیوبندی کی کتاب ”اشاعت اسلام“ (20) ایک عمدہ تحقیقی کتاب ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصہ میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیوں کا حال کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے تاہم کتاب میں زیادہ زور مستشرقین کے اس نقطہ نظر کے رد پر دیا گیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تھا۔ اس لئے منطقی طور پر کتاب میں زیادہ زور اشاعت اسلام کی وجوہات پر دیا گیا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کے دعوتی اسلوب کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔

پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کی شہر آفاق کتاب ”دعوت اسلام“ (21) بھی موضوعاتی اعتبار سے زیر تحقیق عنوان کے قریب ہے۔ خود مصنف نے اس کتاب کے دیباچہ میں اقرار کیا ہے کہ یہ کتاب صرف ان تبلیغی کوششوں کی تاریخ ہے جو اسلام کی اشاعت کے لئے کی گئی ہیں۔ اس لئے مصنف نے بجا طور پر صحابہ کرامؓ کی تبلیغی کوششوں کا ذکر تو ضرور کیا ہے لیکن ان کے اسلوب دعوت کو نظر انداز کر دیا ہے۔

سیرت صحابہ پر لکھی گئی کتب میں سے ”سیر الصحابہ“ (22) نوجلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب میں سوانح نگاری کے روایتی اسلوب کی پیروی کی گئی ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے حالات زندگی پیدائش سے وفات تک بیان کئے گئے ہیں۔ اور ضمناً ان کی دعوتی کوششوں کا بھی ذکر آ گیا ہے۔

’خیر القرون کی درس گاہوں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت‘ قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب ہے جس میں فاضل مصنف نے بڑے علمی اور تحقیقی انداز میں عہد صحابہ کی پچیس کے لگ بھگ مستقل علمی مجالس کا سراغ لگایا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان درس گاہوں کی ہیئت، کیفیت اور نظام تعلیم کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے

(20) حبیب الرحمن مولانا ”اشاعت اسلام“ سہ ماہی اکیڈمی، اردو بازار لاہور، ۱۹۷۸ء

(21) ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ پروفیسر ”دعوت اسلام“ مکتبہ اکرشنگ عنائیت اللہ محمد اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۷۲ء

(22) سیرۃ الصحابہ، ادارہ اسلامیات لاہور

کتاب کے مطالعہ سے صحابہ کرامؓ کی ان کوششوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جو انہوں نے اشاعت اسلام کے لئے کیں۔ اس کتاب میں کہیں کہیں صحابہ کرامؓ کے اسلوب دعوت کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ تاہم یہ موضوع چونکہ مطلوب نہیں تھا اس لئے عام طور پر اس کو نظر انداز ہی کیا گیا ہے۔ انڈیا کے علاوہ حال ہی میں یہ کتاب پاکستان میں طبع ہو گئی (23)

اس طویل تمہید کا مقصد اس بات کا جائزہ لینا تھا کہ متعلقہ موضوع پر کس قدر علمی و تحقیقی کام ہوا ہے اس معروضی جائزہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی پر تو کافی تحقیقی کام ہوا ہے اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا حال بھی کسی نہ کسی صورت میں ملتا ہے تاہم صحابہ کرامؓ کے اسلوب دعوت پر ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ زیر تحقیق مقالہ میں سیرت صحابہ کا مطالعہ اسی نقطہ نظر سے کیا جائے گا صحابہ کرامؓ نے اپنی تبلیغی کوششوں میں حکیمانہ اسلوب اختیار کیا اس کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

## طریقہ تحقیق

اس کتاب میں طریقہ تحقیق ”دستاویزی تجزیہ“ (Documentary Analysis) اختیار کیا گیا جو بیانیہ تحقیق (Descriptive Research) کے ضمن میں آتا ہے اس طریقہ تحقیق کے مطابق:

i قرآن مجید کے منہج دعوت سے راہنمائی لی گئی ہے۔

ii سیرت طیبہ ﷺ کے مطالعہ کے لئے، بنیادی ماخذ سیرت سے استفادہ کیا گیا ہے۔

iii سیرت صحابہ پر لکھی گئی کتب سے مدد لی گئی ہے۔

vi کتب احادیث میں صحابہ کرامؓ کے آثار سے استفادہ کیا گیا ہے۔

v دعوت و تبلیغ اور اصول دعوت پر لکھی گئی کتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(23) قاضی اطہر مبارک پوری مولانا خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، شیخ الہند اکیڈمی



## حدود

کتاب ہذا میں صحابہ کرامؓ نے مخاطب کے میلانات، ذہنی استعداد، پس منظر اور نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت دین کے جو مختلف اسالیب اختیار کئے ان کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ نیز ایک صدی پر مشتمل عہد صحابہ میں صحابہ کرام نے جو دعوتی خدمات سرانجام دیں، اختصار کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

محمد اکرم ورک

5 جنوری 2004ء

## باب اول

## اسلوب دعوت کی اہمیت..... تعلیمات نبوی کی روشنی میں

دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں، ایک داعی اور دوسرا مدعو۔ تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیونکہ دعوت کے مضامین خواہ کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں۔ اگر داعی کا طریق دعوت ڈھنگ کا نہیں ہے اور وہ مخالف کو حالات کے مطابق مختلف اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو بات ایک پہلو سے سمجھ نہیں آتی وہی بات جب دوسرے انداز میں سامنے آتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے۔ مبلغ کی کامیابی صرف اسی بات میں ہے کہ دوست دشمن سبھی پکار اٹھیں کہ تو نے ابلاغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں تشریف آیات اسی چیز کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ”اور اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسالیب وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ“ (1) سے پیش کرتے ہیں، تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور وہ بول اٹھیں کہ تم نے اچھی

طرح پڑھ کر سنا دیا۔ تاکہ ہم جاننے والوں کے لئے اچھی طرح واضح کر دیں۔“

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے صحابہ کرامؓ کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی۔ یہ ایک ایسی انفرادیت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی بھی الہامی وغیر الہامی مذہب کو حاصل نہیں کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو باقاعدہ دعوت و تبلیغ کے اصول پوری شرح و بسط سے بتائے ہوں۔ سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

”یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت

دینی چاہئے۔ دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی

ترجمان سے ادا ہوا۔ وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا



دعویٰ رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کس لئے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے۔ لیکن صحیفہ محمدی ﷺ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا کہ پیغام الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دی جائے“ (2) قرآن مجید نے اپنے مخصوص معجزانہ اسلوب کے مطابق دعوت کے اصول ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ (اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (3) کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو“

اس آیت مقدسہ میں دعوت دین کے تین بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ بطریق احسن۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ داعی اسلام کی حیثیت سے کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے وقت ان اصولوں سے سر موأخراف نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کے دعوتی کردار میں بھی ان اصولوں کا ہی غلبہ نظر آتا ہے۔ ایک غیر تربیت یافتہ داعی دعوت دین کے لئے کس قدر غیر موزوں ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

”ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لئے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے اگر اس کے پیش کئے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا انداز خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ

اخلاص و اللہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لئے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پر وہ کوئی دنیوی لالچ یا خوف و ہراس ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم کو دعوت اسلامی کے آداب کی تعلیم دی“۔ (4)

گویا دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے، داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا اسی قدر اس کی دعوت مؤثر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مؤثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپ ﷺ کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ ﷺ کا اسلوب دعوت تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی و علاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی متعین طریق دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبین دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا اسلوب دعوت بھی تبدیل ہو جاتا تھا۔ ایک جاہل، ان پڑھ اور اجڑ مخاطب کو دعوت کا انداز پڑھے لکھے اور شہر کے رہنے والے فرد سے مختلف ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی کا مطالعہ ہر داعی اسلام کے لئے اس حوالے سے دلچسپ بھی ہے اور قابل تقلید بھی کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے ملنے کے بعد لوگ مطمئن ہو کر واپس جاتے تھے۔

دعوت دین کا یہ وہ اسلوب ہے جو اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دعوت دین کے ان ہی



مختلف اسالیب کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور طرز عمل کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

كان عبد الله يذکر الناس فی "عبد الله بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کو وعظ کل خمیس، فقال له سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے رجل: یا ابا عبد الرحمن! میری خواہش ہے کہ الوددت أنک ذکرتنا کل آپ روزانہ وعظ کیا کریں، تو انہوں نے فرمایا یوم، قال: اما إنه یمنعنی من میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر بوجھ ذالک انی اکره أن املکم نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح ناغہ کر کے، وانیأتخولکم بالموعظة کما تمہیں نصیحت سناتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ کان النبی ﷺ یتخولنا بها ہم کو وقفہ کر کے نصیحت سنایا کرتے تھے مخافة السامة علینا (5) تاکہ ہم بیمار نہ ہو جائیں۔

اس روایت سے بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور طرز عمل کو پیش نظر رکھتے تھے۔ دعوت و تبلیغ میں دعوت کے پیش کرنے کا ڈھنگ اور اسلوب کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی داعی کو کسی قوم، قبیلہ یا علاقے کی طرف روانہ فرمایا تو وہاں کے لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو دعوت کے کسی نہ کسی اسلوب کی بھی تعلیم ارشاد فرمائی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اصول تدریج کی تلقین

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسرے مبلغین اسلام کو بھی اصول تدریج کی تلقین فرمائی۔ حکمت تبلیغ کے ضمن میں داعی کا فرض ہے کہ تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی یکبارگی شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لاد دے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ تدریج کا یہ اصول فرد اور قوم دونوں کے لئے ضروری ہے۔ دین ایک نظام ہے اور اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ

کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

انما نزل اول منازل منه "قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل سورة من المفصل فیها ذکر کی گئی وہ مفصل کی سورتوں میں سے ایک الجنة والنار، حتی إذا ثاب سورة ہے، جس میں جنت اور جہنم کا الناس الى الاسلام نزل ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام الحلال والحرام، ولو نزل کے دائرے میں آگئے تب حلال و حرام اول شیء: لا تشربوا الخمر کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع لقالوا: لاندع الخمر ہی میں حکم آ جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے ابداً، ولو نزل: لا تنزوا، کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم لقالوا: لاندع الزنا ابداً (6) دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔

اصول تدریج میں داعی احکام کی ترتیب کیا رکھے گا؟ اس کی وضاحت بھی خود زبان رسالت ﷺ نے فرمادی کہ سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دی جائے، اس کے بعد عبادات، عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن دعوت و تبلیغ کیلئے بھیجا تو ان الفاظ میں تلقین فرمائی:

إنک ستأتی قوما من اهل کتاب "تم عنقریب اہل کتاب کی ایک قوم کے فاذا جئتم فادعهم الى ان پاس پہنچو گے۔ جب تو ان کے پاس پہنچے یشہدوا ان لا اله الا الله وان تو سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دینا کہ محمداً رسول الله ﷺ، فان ہم اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اطاعوا الک بذلك فأخبرهم ان محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس اللہ قد فرض علیکم خمس میں تیری اطاعت کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ ا



صلوات فی کل یوم وليلة، فان الله نے ان پر دن رات کی پانچ نمازیں فرض کی ہم اطاعوا لك بذلك فاشبرهم ہیں اور جب وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو ان الله قد فرض عليكم صدقة بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ تؤخذ من اغنيائهم، فترد على صدقة ان کے دولت مندوں سے لے کر ان فقرائم، فان اطاعوا لك کے غریبوں کو دیا جائے گا اور جب وہ اس کو تسلیم بذالك، فايك وكرائم اموالهم کر لیں تو دیکھو چین چین کر ان کا عمدہ مال نہ لے واتق دعوة المظلوم فانه ليس لينا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا بينه وبين الله حجاب“ (7) کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں“

### رفق و نرمی کی تلقین

داعی دعوت کا کوئی بھی اسلوب اختیار کرے جب تک وہ مخاطب سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے بات نہیں کرے گا اس کی دعوت مؤثر نہیں ہوگی۔ سختی اور شدت مخاطب کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ جس سے مخاطب اپنی ضد پراڑ جاتا ہے۔ نتیجتاً دعوت کا سارا فائدہ اور نصیحت کا سارا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے بدترین مخالفین سے بھی نرم انداز میں گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی:

إذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ فَقُولَا ”تَمَّ دُونُ فِرْعَوْنَ“ كَسَاسَا اِثْرَ زَاكِلْ هُوَ جَاتَا بَاسَ اِسى لَئِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَے اَنبِیاء کو اِپنے بَدترِین مَخالفِین سَے بَھی نرم اَنداز مِیں گَفتگو كرنَے كِى تَلقِین فرمائی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی:

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ انبیاء سے بہتر کوئی داعی ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی ہو سکتا ہے۔ اگر

(7) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰؑ و معاذؑ الی الہین، ج: ۴، ص: ۴۶۱

ایضاً، ج: ۴، ص: ۱۳۹۵، ۱۳۹۸، ۳۷۲، المسند، مسند عبد اللہ بن عباس، ج: ۴، ص: ۳۸۶/۱۰۲۰

(8) ط: ۴۰، ص: ۴۴

ایسے مجرم کے سامنے وعظ و نصیحت کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کا حکم ہے تو عام مجرم اور گمراہ لوگوں سے تو کہیں بڑھ کر نرمی اختیار کرنی چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مبلغ صحابہ کرامؓ کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت طفیلؓ بن عمرو نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی ہی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ لوگوں کو مسلسل دعوت دیتے رہے لیکن قوم انکار کرتی رہی۔ بالآخر وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ دوس نے مجھے ہر ادیا۔ میں نے ان کو بہت دعوت دی لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ آپ ﷺ ان کے لئے بددعا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے بددعا کرنے کی بجائے قبیلہ دوس کے لئے یہ دعا فرمائی:

اللّٰهُم اهد دو ساء ارجع الی ”اے اللہ دوس کو ہدایت عطا فرما (طفیلؓ) قومك فادعهم و ارفق بهم (9) بن عمرو سے فرمایا) تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ ان کو دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔“

چنانچہ ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم کردہ اسلوب کو اختیار کرنے کا نتیجہ انتہائی شاندار نکلا۔ کثیر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی میں جب حضرت طفیلؓ بن عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔ (10)

رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن مرہؓ جہنی کو اپنے قبیلہ کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا تو ان کو دعوت و تبلیغ کا یہ اسلوب تعلیم فرمایا:

(9) ابن ہشام، ”السيرة النبوية“، قصۃ اسلام الطفیلؓ بن عمرو، الدوسی، ۴۲۲/۱، دار احیاء التراث

العربی، بیروت، 1995ء، ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی النکرم، ”اسد الغابہ“، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو، ۵۵۱/۳، دار احیاء

التراث العربی، بیروت،

(10) ابن ہشام، قصۃ اسلام الطفیلؓ بن عمرو، الدوسی، ۴۲۳/۱، اسد الغابہ، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو، ۵۵۱/۳



عليك بالرفق والقول السديد، ولا "نرمي" سے پیش آنا، صحیح اور سچی بات  
تکن فظا ولا متکبرا ولا کرنا، سخت کلامی اور بد خلقی سے پیش نہ  
حسود (11) آنا، تکبر اور حسد نہ کرنا۔

دعوت و تبلیغ میں حسن اخلاق اور نرمی کا اسلوب کس قدر مؤثر ہے اس کا  
اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو  
دعوت و تبلیغ کے لئے یمن روانہ فرمایا، حضرت خالد بن ولید نے بعض لوگوں کے ساتھ  
تختی کی جس کی وجہ سے چھ ماہ مسلسل کوشش کے باوجود بھی لوگوں نے اسلام قبول نہ  
کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بطور مبلغ روانہ  
فرمایا۔ ابن اثیر کا بیان ہے:

بعث رسول الله ﷺ علياً الى "رسول الله ﷺ" نے حضرت علیؓ کو  
اليمن وقد كان ارسل قبله خالد بن ولید اور ان سے قبل آپ ﷺ  
بن الوليد اليهم يدعوههم الي خالد بن ولید کو یمن دعوت و تبلیغ کے لئے  
الاسلام فلم يجيبوه فارسل بهيج چکے تھے لیکن ان لوگوں نے اسلام  
عليه وامره ان يعقل خالداً ومن قبول نہ کیا۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے  
ساء من اصحابه ففعل، وقرأ عليؓ حضرت علیؓ کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی  
كتاب رسول الله ﷺ علي اهل کہ وہ خالدؓ اور ان کے اصحاب کی وجہ سے  
اليمن فاسلمت همدان كلها في (اہل یمن کے ساتھ) ہونے والی  
يوم واحد (13) بدسلوکی اور نقصان کا تاوان ادا  
کریں (ان لوگوں سے نرمی  
کریں) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور  
لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر  
سنایا تو قبیلہ ہمدان سارے کا سارا ایک  
ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔

وہ لوگ جو چھ ماہ سے قبول اسلام سے انکاری تھے جب ان کے ساتھ نرمی  
کا اسلوب اختیار کیا گیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان چند روایات سے نرمی  
کے اسلوب کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔  
ترغیب و ترہیب کی تلقین

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ بنی حارث بن کعب کے وفد کی  
واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم الانصاری کو ان کا والی مقرر کیا تاکہ ان  
سے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس  
کروائیں۔ آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو بنی حارث کی طرف ایک طویل مکتوب  
دے کر روانہ فرمایا جس میں ان کو اسلامی احکام کی تبلیغ کا حکم فرمایا اور اس کے ساتھ  
ان کو دعوت میں ترغیب و ترہیب کا انداز اختیار کرنے کا بھی حکم دیا۔

ويبشر الناس بالجنة "لوگوں کو جنت کی بشارت دیں اور اس کے  
وبعملها، وینذر الناس النار اعمال سے آگاہ کریں، دوزخ سے ڈرائیں اور  
وعملها ويستألف الناس اس کے اعمال سے متنبہ کریں۔ لوگوں کے  
حتى يفقهوا في الدين (14) ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آئیں تاکہ وہ  
ارکان دین کو اچھی طرح سمجھ لیں۔"

حضرت خالد بن ولید، جن کو بنی حارث کی طرف تبلیغی مہم پر بھیجا گیا  
تھا، جب انہوں نے بذریعہ خط اپنی کامیابی کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے ان  
کو مزید تبلیغ جاری رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ تلقین بھی فرمائی:  
فبشّرهم وانذرهم (15) "تم ان کو جنت کی خوشخبری دو اور ان کو  
دوزخ سے ڈراؤ۔"

### موقع محل کا لحاظ رکھنے کی تلقین

ہر داعی اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا دعوت و تبلیغ کے لئے یہ

(14) ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب ۲۵۰/۳ تاریخ الامم والملوک، ۱۵۷/۳ (واقعات سنہ ۱۰)

(15) ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۳۹/۳

(11) ابن کثیر، ابوالقداسا عیسیٰ بن عمر، "البدایۃ والنہایۃ"، ۳۵۱/۲، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 1984ء

(13) ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی اکرم، "الکامل فی التاریخ"، دارالکتب العربیہ، بیروت، 1967ء، ۲۰۵/۲۰



وقت اور موقع مناسب ہے کیونکہ اگر مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو تو جذبے کی سچائی اور اندرونی لگن کے باوجود داعی کی دعوت غیر مؤثر ہوگی۔ اس وقت مناسب یہ ہوگا کہ داعی بحث کو بڑھانے کی بجائے وہیں ختم کر کے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔ جب کسی دوسرے موقع پر مخاطب کا ذہن نکتہ چینی کی طرف مائل نہ ہو تو پھر اس کے سامنے حق کو پیش کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ "جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات فی اثینا فاعرض عنهم حتیٰ میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے اعراض یخوضوا فی حدیث کرو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ غیرہ (16) جائیں"

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے موقع بے موقع دعوت و تبلیغ جیسے نازل کام سے منع کیا ہے۔ جب مخاطب کسی کاروبار یا ایسی دلچسپی میں منہمک ہو جس کو چھوڑ کر دعوت حق کی طرف متوجہ ہونا اس کی طبیعت پر گراں گزرے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مخاطب داعی کی بات کو کبھی بھی دل کی گہرائیوں اور حقیقی جذبے سے نہیں سنے گا جو دعوت کی کامیابی کا سب سے لازمی عنصر ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تلقین فرمائی کہ وہ دعوت و تبلیغ کے جوش میں ہر مجلس میں نہ گھس جایا کریں بلکہ پہلے حالات کا جائزہ لیں اگر دعوت کیلئے ماحول سازگار ہو تو دعوت دیں ورنہ مناسب وقت کا انتظار کریں۔

### آسانی اور سہولت کی تلقین

دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش نظر رکھنا دین کو درشت اور مشکل نہ بنانا اس کی قبولیت کا اہم ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لئے ہمیشہ آسانی اور سہولت کے پہلو کو پیش نظر رکھا۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کے متعلق ارشاد فرماتی ہیں:

ماخیر رسول اللہ ﷺ بین امرین "رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو امور میں الا أخذ ایسر ہما مالہم یکن اختیار نہیں دیا گیا مگر یہ کہ آپ ﷺ نے اثماء فان كان اثما كان ابعد ان میں سے آسان کو اختیار کیا بشرطیکہ اس الناس منہ، وما انتقم رسول اللہ ﷺ میں گناہ نہ ہو اگر گناہ ہو تو اس سے تمام لنفسہ الا ان تنتهک حرمة انسانوں سے زیادہ دور ہوتے، رسول اللہ ﷺ اللہ فینتقم للہ بها (17) نے اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جبکہ اللہ کی حرمت مجروح ہو تو پھر آپ ﷺ اللہ کے لئے انتقام لیتے"

انسان طبعاً سہولت پسند ہے اس لئے داعی کا فرض ہے کہ وہ دین کو مشکلات کا مجموعہ نہ بنائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو دینی زندگی کو لوگوں کیلئے آسان بنا کر پیش کرے۔ دینی معاملات میں تشدد پسندی اور سختی سے حتیٰ الوسع پرہیز کرے۔ اور اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو جو حل سب سے آسان ہو اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

دخل اعرابی المسجد والنبیؐ "ایک دیہاتی ☆ مسجد میں آیا اس نے جالس فصلی، فلما فرغ دو رکعتیں ادا کیں پھر کہنے لگا: اے اللہ مجھ قال: اللہم ارحمنی ومحمدا ولا پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ترحم معنا أحدا، فالتفت الیہ ساتھ کسی اور پر نہ فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے النبیؐ فقال: لقد تجحورت توجہ فرمائی اور فرمایا: تو نے وسیع چیز کو تنگ واسعا، فلم یلبث ان بال فی کردیا۔ پھر اس نے جلدی سے مسجد میں المسجد! فاسرع الیہ الناس، پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف فقال النبیؐ اهریقوا علیہ (مارنے)



سجلا من ماء، وادلو من ماء، ثم کی خاطر) دوڑے تو آپ ﷺ نے  
قال ﷺ: انما بعثتم ميسرين ولم فرمايهم آساني کرنے والا بنایا گیا  
تبعثوا معسرین (18) ہے۔ مشکل پسند نہیں۔ اس پر پانی کا ایک

ڈول بہادو

جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے۔ اسے ایک قسم کی معذوری سمجھ کر  
ازالے کی کوشش کرنا ہی انسانیت کی خدمت ہے۔ لیکن اس سے اظہار نفرت و انتقام  
گویا اس کی اصلاح کے تمام راستے بند کرنے والی بات ہے۔ اسی لئے رسول اللہ  
ﷺ کا ارشاد ہے:

عن انس قال رسول الله ﷺ: خير "حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول  
دینکم ایسرہ، وخیر العبادة الفقه اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا دین آسان  
ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت  
حاصل کرنا ہے" (19)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ  
کو یمن میں دعوتی مہم پر روانہ فرمایا تو ان کو اسی اسلوب دعوت کی تلقین ان الفاظ میں  
فرمائی:

(18) جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی البول یحیی الارض، ج: ۱، ص: ۱۴۷، ۴۱:

سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الارض یحیی البول، ج: ۳، ص: ۳۸۰، ۶۶:

صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب یحیی الماء علی البول فی المسجد، ج: ۲، ص: ۲۲۰، ۴۱:

ایضاً، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسر واولا تعسروا، ج: ۱، ص: ۶۱۸، ۱۰۶۸:

صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ..... ج: ۲، ص: ۶۶۱، ۱۳۳:

سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب ترک التوقیت فی الماء، ج: ۵، ص: ۵۶، ۷:

(19) ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، "جامع بیان العلم وفضله"، باب تفصیل العلم علی العبادة،

۱/۱، ادارۃ الطباعة المیریة، مصر،

☆ ابن الاثیر نے ان اعرابی صحابی کا نام ذوالخویرہ یمانی ذکر کیا ہے۔ (۱)

(۱) اسد الغابہ، تذکرہ ذوالخویرہ الیمانی ۱۳۰/۲

یسرا ولا تعسرا، ویشرا ولا "دین کو آسان بنا کر پیش کرنا سخت بنا کر پیش نہ  
کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا" (20)

صحابہ کرامؓ نے اگر کبھی دینی معاملات میں اعتدال سے ہٹ کر تشدد کی راہ  
اپنائی تو آپ ﷺ نے انتہائی سختی سے منع فرمایا۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت  
ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے ایک مرتبہ انصار کو نماز مغرب پڑھائی اور قرأت کو  
خوب طول دیا۔ حضرت حازم انصاریؓ نہ ٹھہر سکے اور اپنی علیحدہ نماز پڑھ کر چل  
دیئے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ان سے سخت ناراض ہوئے۔ حضرت حازمؓ بارگاہ نبوی  
میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاذؓ ہمیں بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں۔ جس کی ہم  
طاقت نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا!  
یا معاذ! أفْتَان أنت ؟ أفْتَان "اے معاذ! کیا تم فتنہ میں ڈالنے والے  
أنت ؟ اقرأ بكذا، اقرأ بكذا ہو؟ اے معاذ لوگوں پر تخفیف کرو"

(21)

رسول اللہ ﷺ نے ثقیف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاصؓ کو امیر مقرر کر کے  
روانہ فرمایا وہ خود فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا وہ یہ تھا:  
یا عثمان! تجاوز فی الصلوة "اے عثمان! نماز ہلکی رکھنا اور لوگوں میں ان  
واقدر الناس باضعفہم، فان کے سب سے زیادہ ضعیف آدمی کو معیار  
فیہم الكبير، والصغير، بنانا، کیونکہ (نماز پڑھنے والے) لوگوں  
میں بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے  
والضعیف، وذا الحاجة (22) بھی، ضعیف بھی ہوتے ہیں اور صاحب  
ضرورت بھی"

(20) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب فی الامر بالیسر..... ج: ۲، ص: ۲۵۲، ۷۹:

صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسر واولا تعسروا، ج: ۲، ص: ۶۱۸، ۱۰۶۸:

(21) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب تخفیف الصلوة، ج: ۲، ص: ۹۰، ۱۲۳:

اسد الغابہ، تذکرہ حازم انصاری، ۳۶۰/۱

(22) ابن ہشام، امر وند ثقیف واسلام، ص: ۱۹۵/۴، اسد الغابہ، تذکرہ عثمان بن ابی العاص، ۳۷۲/۳



شاہان حمیر نے قاصد کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف چند صحابہ کو محاصل جمع کرنے اور دعوت و تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا، ان لوگوں میں حضرت معاذ بن جبل بھی تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روانگی کے وقت ان سے عہد لیا اور سہولت اور آسانی کا اسلوب اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

يَسِّرْ وَلَا تَعَسِّرْ، وَبَشِّرْ وَلَا آسَأْ پیدا کرنا، دشواری پیدا نہ کرنا، تنفر، و انک ستقدم علی قوم خوش رکھنے والی باتیں کرنا، نفرت دلانے من اهل الكتاب، یسلونک والی باتیں نہ کرنا، تم اہل کتاب کے کچھ مامفتاح الجنة؟ فقل شهادة ان لوگوں کے پاس جارہے ہو، وہ تم سے لا اله الا الله وحده لا شریک پوچھیں گے جنت کی کنجی کیا ہے؟ تو تم کہنا: اس بات کی گواہی دینا کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔“

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے:

”ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو فلاں شخص کی وجہ سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں (باجماعت ادا نہیں کر سکتا)، کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔“

راوی کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وعظ کے دوران کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن ہوئے۔ پھر فرمایا:

يا ايها الناس! ان منكم منفرین، اے لوگو! تم میں کچھ لوگ نفرت پھیلانے فایکم، ماصلی بالناس والے ہیں، جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے

فلیوجز، فان فیہم الکبیر وہ مختصر (قرأت وغیرہ) کرے، ان میں والضعیف وذا الحاجة (24) بوڑھے، کمزور اور کام والے بھی ہوتے ہیں۔ مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنے کی تلقین:

دعوت و تبلیغ میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ داعی مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی دعوت پیش کرے۔ اگر داعی عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو نظر انداز کرتے ہوئے منطقی استدلال اور فلسفیانہ بحثیں شروع کر دے یا کسی صاحب علم اور دانشور شخص کو دعوت دیتے وقت گفتگو کا غیر علمی اور غیر عقلی اسلوب اختیار کرے، تو اس صورت میں دعوت کے موثر ہونے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اس لئے داعی کا فرض ہے کہ وہ مخاطب کی ذہنی استعداد اور نفسی کیفیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ ادا کرے۔ داعی درحقیقت ایک بے مثال استاد اور مربی کی طرح ہے جو سامع کا نفسیاتی جائزہ لیتے ہوئے اس کے ذہنی پس منظر، اس کی استعداد اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے۔ وہ ایک بدوی اور شہری، پڑھے لکھے اور ان پڑھے، اور عقل و تجربہ کے مختلف مدارج رکھنے والے انسانوں سے مختلف طریقوں اور اسالیب سے گفتگو کرتا ہے۔ خود داعی اعظم ﷺ نے ہمیشہ مخاطب کے ذہنی معیار کی رعایت فرمائی۔ اسی لئے ہر شخص آپ ﷺ سے مطمئن ہوتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے عمدہ مثالوں اور روزمرہ کے مشاہدات سے اس انداز میں استدلال فرماتے کہ بات سامع کے دل و دماغ میں اترتی چلی جاتی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

ان أعرابیا أتى رسول الله ﷺ ”ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور فقال: یا رسول الله ﷺ! ان کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی امرأتی ولدت غلاما اسود بوانی نے سیاہ بچے کو جنم دیا ہے اور میں اس کو پسند نہیں انکرتہ، فقال له النبی ﷺ: هل کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا لك من ابل؟ قال: نعم فقال تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے



ماألو انھا؟ قال: حمر، قال: فھل کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے فیھا من أوراق؟ قال: نعم، قال: رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا: سرخ ہیں، آپ رسول اللہ ﷺ! فأننی ھو؟ ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں سے کوئی سیاہی قال: العلہ، یارسول اللہ ﷺ! مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں سیاہی مائل یکون نزعه عرق له، فقال له بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں رسول اللہ ﷺ! وھذا لعلہ ان سے آگیا؟ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول یکون نزعه عرق له (25) شاید ان کی کہیں اصل نسب میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید یہ بھی کہیں اصل نسب میں ہوگا۔

چنانچہ وہ بدو بالکل مطمئن ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ وہ لوگوں کی عقل اور ذہنی استعداد کے مطابق دعوت دیں۔ صحابہ کرام کہتے ہیں:

أمرنا ان نكلّم الناس علی قدر عقولہم (26) ”آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کریں“

مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے کی تلقین داعی کا فرض ہے کہ وہ ممکن حد تک مخاطب کے معاشرتی و سیاسی مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھے۔ کیونکہ ایسے لوگ عزت افزائی کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر داعی ان کے مقام و مرتبہ کو نظر انداز کرے گا تو ممکن ہے کہ شیطان اسے گمراہ کر دے اور اسے حق بات سننے سے روک دے۔ اس لئے داعی حق کو چاہئے کہ وہ ایک خاص حد تک ان کی

(25) صحیح مسلم، کتاب اللعان، ج: ۲، ص: ۶۸، ۶۹، ۷۰

صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بئى الولد، ج: ۵، ص: ۵۳۰، ۵۳۱

ایضاً، کتاب الحدود، باب ما جاء فی التعريض، ج: ۲، ص: ۶۸، ۶۹

ایضاً، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب من شبہ أصلاً معلوماً..... ج: ۴، ص: ۴۱۳، ۴۱۴

(26) منتخب کثر الاعمال، کتاب الاخلاق، باب فی الاخلاق محمودۃ، ج: ۳، ص: ۸۵، ۸۶

اس کمزوری کا لحاظ رکھے تاکہ قبول حق میں ان کے اپنے نفس کی مزاحمتوں کے سوا داعی کی طرف سے کوئی جدید مانع پیدا نہ ہو جائے۔

خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ آپ ﷺ وفود عرب، جو عام طور پر قبائلی رؤسا اور سرداروں پر مشتمل ہوتے تھے، کی پیشوائی فرماتے، ان کے احترام کے لئے کھڑے ہوتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے، چنانچہ کئی وفود جو محض معاہدہ صلح کے لئے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تھے، آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور عزت افزائی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی بھی اسی نیچ پر تربیت فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق سلوک کریں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

انزلوا الناس منازلہم (27) ”لوگوں سے ان کی قدر و منزلت کے مطابق پیش آؤ۔“

مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے اور دعوت کو نرم انداز میں پیش کرنے کا جو حکم ہے اس کا جواز فقط اسی حد تک ہے جہاں تک حق کے وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اگر اس اسلوب کو اختیار کرنے سے دعوت حق کا وقار مجروح ہونے کا اندیشہ ہو تو داعی کو ایسے تمام طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اعجاز و اختصار کی تلقین

داعی کے لئے اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ دعوت کی فضول تکرار اور بے فائدہ طول بیان کہیں لوگوں کو دعوت کے مضامین ہی سے متنفر نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کے خطبے نہایت مختصر ہوا کرتے تھے اور بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے اختصار کو خطیب کی دانش مندی کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ان من البیان سحرًا (28) ”بعض خطبے جادو ہوتے ہیں“

اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر داعی کا خطبہ

(27) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلہم، ج: ۲، ص: ۴۸، ۴۹

(28) ایضاً، کتاب الادب، باب ما جاء فی اشعر، ج: ۱۱، ص: ۵۰، ۵۱



مختصر، جامع اور بلیغ ہوگا تو وہ جادو کی طرح اثر کرے گا۔ جبکہ طویل خطبہ نہ صرف سامع کی طبیعت کو کند کر دے گا بلکہ دعوت کو قبول کرنے کی حس اور صلاحیت کو بھی ختم کر دے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ اختصار سے کام لیا نیز آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں:

أمرنا رسول الله باقصار "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ میں الاختصار کا حکم فرمایا ہے" (29)

حضرت عمار بن یاسرؓ نے ایک دفعہ خطبہ دیا تو آپؐ نے اپنے خطبہ میں اختصار سے کام لیا۔ قبیلہ قریش کے ایک شخص نے کہا اگر آپؐ کچھ مزید فرماتے تو بہتر تھا، آپؐ نے جواب دیا:

ان رسول الله ﷺ نهى ان "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں طویل خطبے نطیل الخطبة (30) سے منع فرمایا ہے"

جبر و اکراہ سے اجتناب کی تلقین:

اسلام کو جملہ الہامی و غیر الہامی مذاہب میں اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی ترویج و اشاعت کے باقاعدہ اصول بیان کئے ہیں اور کھل کر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دین ایسی چیز نہیں جس کو زبردستی کسی پر ٹھوسا جائے کیونکہ دین اسلام کا اولین جزو ایمان ہے اور ایمان نام ہے یقین کا۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زبردستی پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لئے قرآن کا واضح حکم ہے:

(29) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب اختصار الخطب، ج: ۱۱، ص: ۱۶۶

ہذا وقد اشیع معاہدہ صلح و امن کے لئے آیا تھا لیکن آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (1)

(1) ابن سعد، ابوعبد اللہ، محمد، "الطبقات الکبریٰ"، وفد اشع، ۳۰۶/۱، دار صادر، بیروت، 1985ء

(30) المسند، حدیث عمار بن یاسرؓ، ج: ۱۸، ص: ۴۱۰، ۴۱۹/۵

لَا اكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ "دین میں زبردستی نہیں ہے، تحقیق ہدایت الرشد من الغی (31) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔"

دعوت دین کا یہ وہ اسلوب ہے جس کو نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے خود اختیار فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب عمرو بن حزم کو بنو حارث بن کعب کی طرف دعوت و تبلیغ اور صدقات کی وصولی کے لئے روانہ فرمایا تو ان کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں یہ ہدایت واضح طور پر درج تھی:

..... وأنه من اسلم من "..... اور جو یہودی یا نصرانی اپنی یہودی او نصرانی اسلاما طرف سے مخلصانہ اسلام لے آئے خالصا من نفسه، ودان بدین اور دین اسلام کو اپنا دین بنالے وہ الاسلام، فانه من المومنین، له مومنوں میں شمار ہوگا، اس کے وہی حقوق مثل مالهم، وعليه مثل ہوں گے جو مومنوں پر ہوں گے اور جو ما علیہم، ومن كان علی اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے گا نصرانیتہ، أو یہودیتہ، فانه اسے اس یہودیت یا نصرانیت سے پھیرا لا یرد عنها (32) نہ جائے گا"

مندرجہ بالا سطور کے مطالعہ سے دعوت دین میں اسلوب دعوت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف خود مخاطبین دعوت کے اعتبار سے دعوت کے مختلف اسالیب کو اختیار فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی دعوت دین میں مختلف اسالیب کی تلقین فرما کر اس کی اہمیت کی طرف واضح طور پر اشارہ فرمادیا۔

(31) البقرہ ۲: ۲۵۶

(32) ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۵۱/۴



### خلاصہ بحث

(اسلوب دعوت کی اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں)

مخاطبین دعوت دو چیزوں سے فوری طور پر متاثر ہوتے ہیں ایک داعی کا ذاتی کردار اور دوسرا اس کا بات کرنے کا انداز کہ وہ کس انداز میں اپنی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس لئے ایک داعی کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کر دے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ مضامین دعوت کو لوگوں کے سامنے اس طریقے سے پیش کرے اور بات اس پیرائے میں کرے کہ ان پر حق پوری طرح آشکارا ہو جائے اور بات ہر خاص و عام کی سمجھ میں آجائے اور جن لوگوں کے دلوں میں قبول حق کی کچھ بھی صلاحیت اور تڑپ ہے وہ اس کو قبول کر لیں۔ اس مقصد کے حصول کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ دعوت کی زبان انتہائی مؤثر، داعی کا طرز کلام فطری اور اس کا اسلوب دلنشین ہو۔

ایک داعی کا کام یہ نہیں کہ وہ ایک مؤرخ کی طرح واقعات کو بیان کر دے بلکہ اس کا کردار ایک صحافی، فلسفی اور مقنن سے بالکل مختلف ہے۔ ایک طرف تو اس کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے تمام معاملات اس کے تحت آجاتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخاطبین میں مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے اور ان کی ذہنی استعداد بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مخاطب کی صلاحیتوں کے اس اختلاف کو پیش نظر رکھ کر بات کرے، اور مخاطبین کے مذاق اور رجحان طبع کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کے مختلف اسالیب اختیار کرے اور اس کی طرف مختلف سمتوں سے آئے کہ نہ صرف اس پر حق واضح ہو جائے بلکہ اس پر تمام حجت بھی ہو جائے۔ اگر داعی دعوت کا ایک ہی متعین اسلوب اختیار کرے گا تو اس کی ناکامی نوشتہ دیوار ہے۔ کیونکہ اس کی یہ یک رنگی اس فطرت کے بالکل خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر فرد میں طبیعتوں اور صلاحیتوں کے اختلاف کے ساتھ رکھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی دعوتی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

انہوں نے دعوت دین کا کوئی متعین اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ مخاطب کے حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے جو مناسب جانا اس اسلوب اور انداز کو اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اسلوب دعوت کی جو تلقین کی اس میں بھی جو تنوع ہے وہ مخاطبین دعوت کے اعتبار ہی سے ہے۔

داعی کا کام مدعو کے ذہن کو بالکل تبدیل کر کے رکھ دینا ہے۔ اس لئے یہ کام اس قدر آسان نہیں اس کے لئے داعی کا صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم ہونا بھی ضروری ہے، دعوت حق میں حکیمانہ اندازِ مخاطب کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کے سارے اصول پیغمبر اسلام ﷺ کو سکھائے اور آپ ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی میں ان اسالیب کو اختیار کر کے ایک مثال قائم کی۔ اور پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ دعوت کے اصول اور اسلوب کو اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا، امت محمدیہ ﷺ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں دنیا کا کوئی مذہب، چاہے وہ الہامی ہو یا غیر الہامی، اسلام کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ قرآن نے خود دعوت کے اصول اور اسلوب کو بیان کیا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اس پر عمل کر کے ایک عملی مثال قائم فرمائی اور پھر آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو بھی ان کی تلقین اور ہدایت فرمائی جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔



## باب دوم

### سیرت صحابہ سے داعیان اسلام کیلئے چند رہنما اصول

اصل موضوع پر بات کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر چند ایسی اصولی باتوں کا بیان کرنا مناسب ہے، جن کا خیال رکھنا دعوت و تبلیغ کے میدان میں قدم رکھنے والے ہر داعی کیلئے ضروری ہے۔ یہ چند ایسے امور ہیں جن کو صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں پیش نظر رکھا۔ اس لیے دعوت کا جو کارکن بھی ان امور کا خیال رکھے گا اس کی دعوت مفید، نتیجہ خیز اور کارگر ہوگی۔

### اخلاص نیت النہیت

اگر داعی کی نیت صحیح اور خالص ہو، اور اس کا مقصد رضائے الہی کا حصول ہو تو وہ عند اللہ نہ صرف اجر و ثواب کا مستحق ہوگا بلکہ اسکی بات میں اثر بھی زیادہ ہوگا۔ لوگ نہ صرف اس کی بات کو زیادہ توجہ سے سنیں گے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہونگے۔ امام ترمذی نے شفی اصبی، جو ایک تابعی ہیں، کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، میں آپؐ کو حق کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسی کوئی حدیث سنائیں جو آپؐ نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنی اور سمجھی ہو اور آپؐ کو اچھی طرح یاد ہو۔ ابوہریرہؓ نے فرمایا ہاں میں سناؤں گا، میں ایسی ہی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی اور میں نے اسے سمجھا اور یاد کیا، پھر اچانک ان کی حالت غیر ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد حواس بحال ہوئے تو فرمایا: میں آپؐ کو ضرور وہ حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس میرے سوا کوئی نہ تھا۔ اتنا کہتے ہی پھر حالت غیر ہو گئی، جب افاقہ ہوا تو چہرے سے پسینہ پونچھنے لگے۔ پھر فرمایا: ہاں، میں آپؐ کو ضرور وہ حدیث سناؤں گا، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی تھی، جب کہ میں اس گھر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا، میرے سوا آپؐ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد پھر ابوہریرہؓ کی حالت خراب ہو گئی اور آپؐ چہرے کے بل جھک گئے، میں نے بہت دیر تک آپؐ کو سہارا دیئے رکھا۔ آپؐ کی حالت سنبھلی تو پھر آپؐ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے زمین پر تشریف فرما ہوں گے۔ ہر جماعت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہوگی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جن اشخاص کو بلائیں گے ان میں سے ایک وہ آدمی ہوگا جس نے قرآن مجید یاد کیا ہوگا، اور ایک وہ آدمی ہوگا جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہا ہوگا اور ایک بہت مال دار آدمی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے عالم سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے وہ کتاب نہیں سکھائی تھی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا! جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے اپنے علم پر کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رات دن اس میں مشغول رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے اسے کہیں گے: تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری نیت تو یہی تھی کہ کہا جائے فلاں آدمی بڑا قاری اور عالم ہے، وہ دنیا میں کہا جا چکا۔

اسی طرح صاحب ثروت شخص کو حاضر کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے مالی آسودگی نہیں بخشی تھی، حتیٰ کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہ رہنے دیا؟ وہ کہے گا! جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے میرے دیئے مال کا کیا کیا؟ وہ کہے گا میں رشتہ داروں پر احسان کرتا تھا اور سب ضرورت مندوں پر صدقہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو یہ چاہتا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں بہت نخی ہے وہ دنیا میں کہا جا چکا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والے کو حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تجھے کس لیے قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم ملا، تو میں جنگ کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے قتل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے



تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیری خواہش صرف یہ تھی کہ کہا جائے فلاں بہت بہادر ہے وہ دنیا میں کہا جا چکا۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ابو ہریرہؓ یہ تین شخص ہیں جو قیامت کے دن تمام مخلوقات میں سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔“ (1)

اگر مخاطب کو یقین ہو کہ داعی سچا ہے اور اس کی دعوت حق ہے اور دعوت کے پیش کرنے میں اس کے پیش نظر کوئی دنیوی مفاد بھی نہیں ہے تو اس کی دعوت کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی دعوت کی کامیابی کی بڑی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ اپنی دعوت کو مخاطب کے سامنے پیش کرتے تھے اور یہ خلوص ان کے قول و فعل اور عمل سے پوری طرح ظاہر ہو رہا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے مخاطبین دعوت ان کی دعوت کے سحر میں پوری طرح مبتلا ہو جاتے تھے، چونکہ صحابہ کرامؓ کے پیش نظر کوئی دنیوی مفاد نہ تھا بلکہ ان کی دعوت ”وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (2) کا منظر پیش کر رہی ہوتی تھی اس وجہ سے لوگ ان کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔

### دعوت میں ترتیب کا لحاظ

دعوت کا کام کثیر الجہات اور ہمہ گیر نوعیت کا ہے، لہذا کار دعوت کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کو فطری رفتار سے آگے بڑھایا جائے۔ دعوت و تبلیغ کیلئے جہاں حکمت و تدبیر کی ضرورت ہے وہاں ترتیب دعوت کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ اصلاح کی بجائے بگاڑ اور انتشار کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید نے دعوت کی جو فطری ترتیب بیان کی ہے اس میں دعوت کا سب سے پہلا مخاطب تو خود انسان کی اپنی ذات ہے۔ (3) اس کے بعد اس بھلائی اور خیر کے سب سے زیادہ حقدار اس کے بیوی بچے

(1) جامع الترمذی، کتاب الزہد، ما جاء فی الریاء والسمعة، ج: ۲۳۸۲، ص: ۵۳۲

(2) الشعراء، ۱۲۷: ۲۶ (3) القصص، ۲۰: ۶۱

ہیں (4) اور اس کے بعد عزیز و اقارب اور بالآخر پوری دنیا دعوت کی مخاطب ہے۔ (5) رسول اللہ ﷺ نے دعوت دین میں اس ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا اور صحابہ کرامؓ نے بھی اس اسلوب دعوت کی پیروی کی۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی اصلاح کے بعد سب سے پہلے اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کے سامنے دعوت پیش کی اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا صحابہ کرامؓ کی زندگی سے اس اسلوب دعوت کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو قبیلہ غفار کی طرف مبلغ اور داعی بنا کر بھیجا تو آپؓ نے سب سے پہلے اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی، انھوں نے اسلام قبول کیا تو دونوں بھائی والدہ کے پاس آئے ان کو مائل بہ اسلام کیا، وہ بھی مسلمان ہو گئیں تو اس کے بعد پورے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی۔ (6)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہود کے سردار، تورات کے بہت بڑے عالم اور یہود کے ممتاز سرداروں میں سے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انھوں نے فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ ابن ہشام نے انھیں کی زبانی ان کے قبول اسلام کا واقعہ پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دولت ایمان سے سرفراز ہونے کے بعد آپؓ نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا، آپؓ کی پھوپھی خالدہ بنت الحارث نے بھی ان کی دعوت سے اسلام قبول کیا۔ (7)

حضرت ابوہریرہؓ قبول اسلام کے بعد مسلسل اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ ایک روز ان کو اسلام کی ترغیب دی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا۔ ابوہریرہؓ کو اس چیز کا بہت زیادہ دکھ ہوا چنانچہ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت

(4) الترمذی، ۶: ۶۶ (5) الشعراء، ۲۶: ۲۱

(6) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی ذرؓ، ج: ۶۳۵۹، ص: ۱۰۸۸

(7) ابن ہشام، ۵۷: ۵۱



عطا فرمائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت دعا فرمائی: اے اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ ابوہریرہؓ گھر پلٹے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور پانی گرنے کی آواز آرہی ہے۔ ان کی ماں نے پاؤں کی آہٹ محسوس کی تو کہا: ابوہریرہؓ آگے نہ بڑھو! نہادھو کر فوراً کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کلمہ توحید پڑھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ خوشی کے مارے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ رب تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی ہے۔ (8)

حضرت ابوسلمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت طلیب بن عمیر نے دار ارقم میں اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد اپنی والدہ محترمہ حضرت اروی بنت عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو قبول اسلام کی دعوت دی، چنانچہ ان کی دعوت پر ان کی والدہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (9)

حضرت عمار بن یاسرؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے دار ارقم میں اسلام قبول کیا اور وہیں پر قرآن کی تعلیم بھی حاصل کی، شام کو جب گھر واپس آئے تو والدین نے پوچھا کہ تم کہاں تھے؟ انھوں نے اپنے اسلام لانے کی خبر دی اور دن بھر جو قرآن سیکھا اس کی ان کے سامنے تلاوت کی اور ان کو بھی اسلام لانے کی دعوت دی۔ آپؐ کے والدین کلام الہی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ (10)

حضرت طفیل بن عمروؓ والدوسی قبول اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے اپنی قوم کی طرف پلٹے تاکہ ان کو اسلام کی طرف بلا سکیں۔ حضرت طفیل بن عمروؓ اپنی قوم میں واپس آئے تو سب سے پہلے اپنے والد محترم کو اسلام کی طرف بلایا، تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی حلقہ گوش اسلام ہو گئیں، اس کے بعد انھوں نے پورے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ (11) نیز صحابہ کرامؓ

(8) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی ہریرہؓ، ج: ۲، ص: ۶۳۹، ۱۰۹۶

(9) الاصابہ، تذکرہ اروی بنت عبدالمطلب، ص: ۲۲، الاستیعاب، تذکرہ اروی بنت عبدالمطلب، ص: ۱۷۷

(10) الاصابہ، تذکرہ عمار بن یاسرؓ، ص: ۵۱۲

(11) ابن ہشام، قصۃ اسلام لطفیل بن عمروؓ والدوسی، ص: ۳۲۰، ۳۲۳

تعلیم و تربیت میں بھی اپنے گھر والوں کو مقدم رکھتے تھے۔ زید بن اسلمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمرؓ رات کو نماز پڑھتے جتنی دیر اللہ چاہتا، یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ آتا تو اپنے گھر والوں کو جگاتے اور ان سے کہتے: نماز، نماز، پھر یہ آیت تلاوت کرتے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا يَرْتَابُتَ قَدْرَهُ۔ ہم تم سے روزی نہیں مانگتے نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ، ہم تجھے روزی دیں گے اور انجام کار بھلا لِلتَّقْوَى (12)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تلقین فرمائی کہ سوتے وقت وہ یہ دعا پڑھا کریں:

”بِسْمِ اللَّهِ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُون“

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا طریقہ یہ تھا کہ ان کے بیٹوں میں سے جو بھی بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتا اس کو اس دعا کی تعلیم دیتے اور اس کو تلقین کرتے کہ وہ سونے کے وقت اس دعا کو پڑھے۔ (14)

ایک دفعہ حضرت براء بن عازبؓ نے اپنے تمام خاندان کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ آج تمہیں دکھا دوں، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میں کتنی مدت تک تمہارے درمیان زندہ رہوں گا؟ اس کے بعد آپؐ نے گھر والوں کے سامنے سنت طریقے کے مطابق وضو کیا اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر آپؐ نے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت پڑھائیں اور پھر فرمایا:

(12) طہ، ص: ۲۰، ۱۳۲

(13) الموطا، کتاب صلوۃ اللیل، باب ما جاء فی الصلوۃ اللیل، ج: ۱، ص: ۱۳۹، ۱۹۶

(14) المسند، مسند عبد اللہ بن عمروؓ، ج: ۲، ص: ۶۶۵، ۳۷۷



”ما أَلُوتَ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟“ و دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے وضو کرتے تھے؟  
کیف کان یصلی؟“ (15) اور کیسے نماز پڑھتے تھے؟

دعوت حق سراپا خیر اور بھلائی ہے اور اس بھلائی کے اولین حقدار داعی کی اپنی ذات اور اس کے اہل خانہ ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ جہاں داعی اس دعوت کا عملی نمونہ ہو وہاں اس کے اہل خانہ بھی اس کے دست و بازو ثابت ہوں۔ اس لیے داعی کو چاہیے کہ وہ اپنی اصلاح کے بعد اپنے اہل خانہ اور خاندان کے دیگر افراد کی اصلاح کرے اور پھر دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف بلائے تو اس کی دعوت زیادہ مؤثر ہوگی۔ صحابہ کرامؓ نے دعوت میں ہمیشہ اس ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا۔

حفاظتِ کردار داعی بطور مثالی نمونہ

دعوت کا ایک ادنیٰ کارکن بھی لوگوں کیلئے نمونے کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کو اسلام کی چلتی پھرتی تصویر ہونا چاہیے۔ اس کے قول و فعل میں تضاد اس کی دعوت کیلئے رکاوٹ بن سکتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت:

”اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ“ (16) ”کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔“

دعوت کے ہر کارکن کو متنبہ کرتی ہے کہ اس کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے اور اسے اپنے کردار کی حفاظت کرنا چاہیے کیونکہ لوگ اس کی چال ڈھال، کردار، گفتار غرض اس کی ہر حرکت کو اپنے لیے نمونہ اور سند سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ چونکہ پوری امت کے امام اور پیشوا ہیں، اس لیے وہ اس معاملہ میں کہیں زیادہ حساس اور محتاط تھے۔ اس حوالے سے ان کا کردار دعوت کے ہر کارکن کیلئے نمونہ اور مثال ہے۔ صحابہ کرامؓ اپنے اس مقام سے پوری طرح آگاہ تھے، اس لیے ہمیں ان کے کردار میں قطعاً تضاد نظر نہیں آتا اور اگر کہیں صحابہ سے معمولی لغزش بھی ہوئی تو دیگر صحابہ نے فوراً اصلاح کر دی۔

(15) المسند، حدیث برائے ابن عازب، ج: ۱، ۱۸۰۶۵، ۳۶۶/۵

(16) البقرة: ۲۰۴

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو حالتِ احرام میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے طلحہ! یہ رنگا ہوا کپڑا کیسا ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ مٹی سے رنگا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ حضرات امت محمدیہ کے امام ہیں۔ لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں اگر کسی جاہل آدمی نے یہ کپڑا دیکھا تو ضرور کہے گا کہ میں نے طلحہ بن عبید اللہ کو حالتِ احرام میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا ہے، لہذا آپ حضرات کسی بھی چیز سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنا کریں۔ (17)

گناہگار کی بجائے گناہ سے نفرتِ فطری کمزوری کا لحاظ

داعی کو افراد سے اعلیٰ ترین مثالی کردار یا معصوم عن الخطاء ہونے کی توقع رکھ کر ان کا محاسبہ نہیں کرنا چاہیے ارشاد نبویؐ ہے:

”کل بنی آدم خطاء وخیر“ ”تمام بنی آدم خطا کار ہیں، اور بہتر خطا کار وہ الخطائین التوابون“ (18) ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں“

اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ اگر کسی فرد یا قوم کو گناہ کے اندر مبتلاء دیکھے تو فطری کمزوری کا لحاظ کرتے ہوئے اصلاح کی کوشش ترک نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ حقیقت پر مبنی رویہ رکھے کہ انسان فطری طور پر لاعلمی، غفلت، خواہش نفس اور نسیان جیسے عوارض کا شکار ہو کر گناہ میں مبتلاء ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو درداءؓ ایک دن کسی طرف جا رہے تھے، دیکھا کہ لوگ ایک شخص کی پٹائی کر رہے ہیں اور اس کو گالیاں دے رہے ہیں۔ آپؓ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ شخص گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ آپؓ نے فرمایا: بھلا مجھے ذرا یہ بتاؤ اگر یہ شخص کنویں میں گر جاتا تو تم اسے باہر نہ نکالتے؟ سب نے بیک زبان کہا: کیوں نہیں آپؓ نے فرمایا اسے گالی نہ دو اور نہ اسے مارو، بلکہ اسے نصیحت کرو اور صحیح راستہ دکھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو، جس نے تمہیں ایسے گناہ سے محفوظ رکھا ہے۔ لوگوں نے آپؓ سے پوچھا: کیا آپؓ کو اس شخص سے نفرت نہیں ہے؟ آپؓ نے فرمایا:

(17) الموطا، کتاب الحج، باب لبس الثياب المصبغة في الاحرام، ج: ۳، ۳۵۵، ۲۲۱

(18) سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبہ، ج: ۲، ۴۲۵، ۶۱۹



انما بغض عملہ فاذا  
”میں اس کے برے فعل کو تو ناپسند کرتا ہوں،  
ترکہ فہو اخی (19) ہاں اگر یہ تو بہ کر لے تو یہ میرا دینی بھائی ہے۔“  
گویا اسلام نے گناہ سے نفرت کی تعلیم دی ہے نہ کہ گناہ گار سے۔ اس حقیقت کو پیش  
نظر رکھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ دوبارہ غلطی ہو جانے پر یا بڑی غلطی ہو جانے پر داعی اس کی  
اصلاح کو یہ کہتے ہوئے ترک نہیں کرے گا کہ اس کی اصلاح ممکن ہی نہیں، بلکہ انسان کی  
فطری کمزوری کا لحاظ کرتے ہوئے وہ سختی کی نسبت نرمی کا رویہ اختیار کرنے کو ترجیح دے  
گا کیونکہ داعی کا اصل مقصد اصلاح ہے، انتقام یا سزا نہیں ہے۔

### بنیادی عقائد میں غیر لچکدار رویہ

اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات، ارکان اسلام اور وہ جملہ تعلیمات جن کا تعلق دین کی  
اساسیات سے ہے، ان پر کوئی سمجھوتہ کرنا دین کی عمارت منہدم کرنے کے مترادف ہے۔ اس  
لیے اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات پر داعی کا موقف دو ٹوک اور اس کا رویہ غیر لچکدار ہونا  
چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں وقتی مشکلات اور نقصانات کو پس پشت ڈال  
کر ہمیشہ حق کی دعوت دی اور کبھی بھی دین کے بنیادی نظریات پر سمجھوتہ نہیں کیا۔

قریش کے سفیر عمرو بن العاص نے جب نجاشی کو مسلمانوں سے بدظن کرنے کیلئے کہا:  
حضور والا! کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ نجاشی نے  
مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ مسلمانوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر عیسیٰ  
کے ابن اللہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو ایمان ہاتھ سے جاتا ہے، تاہم صحابہ کرامؓ نے  
حالات کی سنگینی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا:

”نقول واللہ فیہ ما قال اللہ، واللہ ہم وہی کہیں گے جو اللہ کا حکم ہے اور جو  
وما جاء به نبینا، کائنات فی ہمارے نبی کی تعلیم ہے چاہے کچھ ہو جائے“  
ذالک ما هو کائن“

چنانچہ جب نجاشی نے کہا: تم لوگ عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ تو حضرت جعفرؓ

بن ابی طالب نے دو ٹوک الفاظ میں فرمایا: ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے:

”هو عبد اللہ و رسولہ و عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول اور کلمۃ اللہ ہیں  
روحہ و کلمتہ القاہا الی جس کو اللہ نے کنواری مریم کی طرف القاء  
مریم العذراء البتول“ فرمایا۔

نجاشی نے زمین سے ایک تیکا اٹھایا اور کہا: واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تیکے کے برابر  
بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ (20)

عہد صدیقی میں جب ہر طرف ارتداد کی وبا پھیل گئی تو بعض لوگوں نے اسلام ہی  
سے انکار کر دیا اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے صرف زکوٰۃ کا انکار کیا، جبکہ دین کے باقی  
احکام کو وہ تسلیم کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بلا تخصیص سب کے خلاف اعلان جہاد  
فرمادیا، تو عمر فاروقؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئے اور عرض گزار ہوئے: اے ابو بکر!  
آپ لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”مجھے لوگوں  
سے قتال کا حکم ہے یہاں تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہہ دیں، جب انہوں نے لا الہ  
الا اللہ کہہ دیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانیں اور اموال بچالے، مگر اسلام کے کسی حق کی  
وجہ سے۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

”واللہ لأقاتلن من فرق بین“ واللہ میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں  
الصلوة والزکوٰۃ، فان الزکوٰۃ گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا۔ بے شک  
حق المال، واللہ لو منعونی عناقاً زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم اگر انہوں نے ایک  
کانو ایؤدو نہاالی رسول اللہ ری بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا  
ﷺ لقاتلہم علیہا، قال عمر: کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے لڑوں گا“  
فواللہ ما هو الا أن رأیت أن اللہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میں نے دیکھ لیا  
قد شرح صدری ابی بکر للقتال کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کا سینہ جہاد کیلئے کھول دیا  
فعرفت أنه الحق“ (21) ہے اور میں نے پہچان لیا کہ یہ حق ہے۔



ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے دین کے انسانی اور بنیادی اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔

### فروعی مسائل میں چکدار رویہ / اختلاف امت سے اجتناب

اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات جن کے بغیر اسلام کا تشخص باقی نہیں رہتا مثلاً توحید، رسالت، آخرت اور دیگر ارکان اسلام وغیرہ، ان پر کوئی سمجھوتہ کرنا دین کی عمارت منہدم کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے داعی کے لئے کسی صورت یہ درست نہیں کہ وہ خصم مخالف سے بنیادی عقائد پر کوئی سمجھوتہ کرے یا اپنے رویہ میں چلک پیدا کرے۔ تاہم فروعی مسائل میں داعی کا رویہ نسبتاً چکدار ہونا چاہیے اور اس کو ایسا موقف اختیار کرنا چاہیے، جس سے قوم انتشار کا شکار نہ ہو، اگرچہ اس کو اپنے موقف کی صداقت پر پورا یقین ہو پھر بھی اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ جمہور مسلمانوں کی پیروی کرے۔ بارہا صحابہ کرامؓ نے فروعی مسائل میں امام وقت کی پیروی صرف اس وجہ سے کی کہ کہیں ان کے ذاتی رویہ کی وجہ سے امت اختلاف کا شکار نہ ہو جائے۔

عبدالرحمن بن یزید کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز ادا کی، عبداللہ بن مسعود نے ان کو ٹوکا اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ش، ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں پھر تم لوگوں نے دوسرے طریقے اختیار کر لئے، میں تو چار کی بجائے دو رکعتیں محبوب رکھتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے پھر عبداللہ بن مسعود نے چار رکعتیں پڑھیں تو ان سے کہا گیا:

عبث علی عثمان ثم صلیت آپ نے عثمانؓ پر الزام لگایا پھر خود بھی چار رکعتیں اربعاً، قال: "الخلاص شر" (22) ہی پڑھ لیں فرمایا: اختلاف بڑی چیز ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بھی منیٰ میں دو رکعت کو ہی سنت سمجھتے تھے۔ تنہا ہوتے تو دو رکعت ہی پڑھتے، لیکن جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، تاکہ قوم میں ان کی وجہ سے اختلاف نہ پھیلے۔ (23)

(22) سنن ابی داؤد، کتاب المناک، باب الصلوۃ، بخاری، ج: ۱۹۶۰، ص: ۲۸۶

(23) صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا، باب قصر الصلوۃ، بخاری، ج: ۱۵۹۲، ص: ۲۸۲

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروۃ کی حق کے بعد احرام کھلوا دیا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا اور ابو موسیٰ اشعریؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حج کی تکمیل کے بعد احرام کھولنے کا حکم دیا، چنانچہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں غلط نہ کریں امیر المؤمنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے، اگرچہ ابو موسیٰؓ اس میں حق بجانب تھے مگر اختلاف امت کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا:

"یا أيہا الناس! من کنا" اے لوگو! جس کو میں نے فتویٰ دیا تھا اس کو افتینا فتیاً فلیتند فان امیر ابھی ٹھہر جانا چاہیے امیر المؤمنین تشریف لاتے المؤمنین قادم علیکم فہ فاہیں، تم پر انھیں کی اقتداء لازم ہے۔"

نتموا" (24)

### جبر و اکراہ سے اجتناب

دین اسلام کا اولین جزو ایمان ہے اور ایمان نام ہے یقین کا، دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زبردستی پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لیے دین اسلام کی واضح ہدایت ہے:

"دین میں زبردستی نہیں ہے، تحقیق ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔" (25)

سیرت صحابہؓ کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسلام کو کبھی بھی کسی پر ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی، مخاطب کو بار بار قائل کرنے کی کوشش ضرور کی، لیکن دین کے معاملے میں کبھی بھی جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا۔

اسبق کا بیان ہے: میں حضرت عمرؓ کا غلام تھا اور میں عیسائی تھا۔ آپؓ میرے سامنے اسلام پیش کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں اپنی امانت سنبھالنے میں تجھ سے مدد لوں گا، کیونکہ جب تک تم مسلمانوں کے دین کو اختیار نہیں کرو گے،

(24) المسند، حدیث ابی موسیٰ الاشعریؓ، ج: ۱۹۰، ص: ۵۳۵ (25) البقرہ ۲: ۲۵۶



اس وقت تک مسلمانوں کی امانت سنبھالنے کیلئے تم سے مدد لینا میرے لیے حلال نہیں ہے۔ اسبق کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ انکار کرتا رہا اور حضرت عمرؓ ہمیشہ فرماتے رہے: ”لا اکراہ فی الدین“ دین میں جبر نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جب آپؐ کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں عیسائی ہی تھا۔ آپؐ نے مجھے آزاد کر دیا اور فرمایا جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔ (حضرت اسبقؓ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) (26)

### دعوت و تبلیغ میں احتیاط غلطی سے رجوع

وہ مسائل جو پہلے ہی سے منصوص علیہ ہیں اور شریعت نے ان کی حدود کا تعین کر دیا ہے اور ان کے مفہوم کو واضح طور پر بیان کر دیا، ایسے احکام میں رائے زنی کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی وہ آیات جن کا مفہوم خود رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمادیا یا ان کا مفہوم ان کے اسباب نزول کی روشنی میں بالکل واضح ہے، ان کے بارے میں اپنی رائے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دینی امور میں رائے زنی کو ہمیشہ ناپسندیدہ قرار دیا۔

مسروقؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں اپنی رائے سے قرآن کی بعض آیات کی تفسیر بیان کر رہا تھا۔ عبداللہ بن مسعود کو اس کی خبر دی گئی۔ عبداللہ بن مسعود نے اس چیز کو سخت ناپسند کیا، پھر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے اگر کسی سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اس کو علم ہو تو وہ بیان کرے اور اگر اسے اس کا علم نہیں تو اسے چاہیے کہ کہے: اللہ جانتا ہے، کیونکہ لاعلمی کا اعتراف بھی دراصل علم ہی ہے۔ (27)

صحابہ کرامؓ سے لاکھوں لوگوں نے کسب فیض کیا، انہوں نے ہزاروں مسائل کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں فتوے جاری کئے اور سینکڑوں مسائل کو اپنے اجتہاد کی روشنی میں حل کیا۔ صحابہ کرامؓ نے ہر سوال کا جواب اپنی پوری علمی دیانت کے ساتھ دیا، تاہم اگر کبھی ایسا مرحلہ آیا کہ صحابہ کرامؓ سے بشری نقائص کی بنا پر کسی فیصلے میں غلطی سرزد ہوگئی تو انہوں نے برملا اپنی غلطی کا اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور فوراً اپنے فتویٰ سے

(26) کنز العمال، ۳۹/۵ (27) المسند، مسند عبداللہ بن مسعود، ج: ۳، ۴۰۹۳، ۱۱/۱

رجوع کر لیا۔

ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ آپؓ نے ناجائز بتایا، بعد میں قرآن مجید منگا کر دیکھا تو یہ حکم ملا:

أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ (28)

چنانچہ انھوں نے سائل کے پاس پیغام بھیجا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (29)

صحابہ کرامؓ فتویٰ بازی کے قطعاً شوقین نہ تھے، بلکہ ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کوئی دوسرا اس کے بارے میں جواب دے۔ ایک مرتبہ ابوالمنہال نے حضرت زید بن ارقمؓ سے بیع صرف کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ براءؓ بن عازب سے پوچھو کیونکہ وہ مجھ سے بڑے عالم ہیں۔ جب وہ براءؓ بن عازب کے پاس گئے تو انھوں نے مسئلہ بتا کر فرمایا: اس کی تصدیق زید بن ارقمؓ سے کر لینا کیونکہ وہ مجھ سے علم میں زیادہ اور عمل میں بہترین ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ دونوں نے ایک ہی جواب دیا یعنی رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی سونے کے ساتھ بیع میں ادھار سے منع فرمایا ہے۔ (30)

صحابہ کرامؓ مسائل دیدیہ میں رائے زنی کرنے سے کس قدر احتراز کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان بحث تھی کہ نبیذ کس کس برتن میں بنا سکتے ہیں؟ اور ”قرع“ کے بارے میں اختلاف تھا۔ حضرت ابویوب انصاریؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو لوگوں نے ان کے پاس ایک آدمی تحقیق کیلئے بھیجا، اس نے آپؓ سے پوچھا: اے ابویوب! کیا ”قرع“ (ایک قسم کا برتن) میں نبیذ بنائی جاسکتی ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ مرقق (ایک برتن کا نام) میں نبیذ بنانے سے منع فرماتے تھے۔ اس شخص نے دوبارہ ”قرع“ کے بارے میں سوال دھرایا تو آپؓ نے اپنی طرف سے کسی قسم کی رائے زنی کرنے کی بجائے اپنا پہلا جواب دوبارہ دھرایا۔ (31)

(28) المائدہ، ۵: ۹۲ (29) الموطا، کتاب الصيد، باب ما جاء فی صید البحر، ج: ۳، ۵۶۳، ص: ۳۱۳

(30) المسند، حدیث زید بن ارقمؓ، ج: ۳، ۱۸۸۵، ۵۰۳، ۲۵۰۴

(31) المسند، حدیث ابی یوب انصاریؓ، ج: ۱، ۲۳۰، ۵۷۱۶



ہذیل بن شریل سے روایت ہے: ایک مرتبہ کسی نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انھوں نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا۔ سائل نے یہ جواب عبداللہ بن مسعود کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ طلب کیا۔ انھوں نے فرمایا: اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں گا، میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو فیصلہ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ لڑکی کو آدھا ملے گا، پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے بعد چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے۔ سائل نے یہ جواب ابو موسیٰ اشعریؓ کو سنایا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور عبداللہ بن مسعود کا علمی تفوق تسلیم کرتے ہوئے فرمایا:

”لا تسئلونی ما دام هذا“ جب تک یہ مردانا تم میں موجود ہے مجھ سے الحبر فیکم“ (32) پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟ آپؓ نے جواز کا فتویٰ دیا۔ لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ رہیہ لڑکیوں کے سوا تمام صورتوں میں ناجائز ہے۔ چنانچہ انھوں نے کوفہ واپس آ کر براہ راست سائل سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کرتے ہوئے نسخ نکاح کا حکم دیا۔ (33)

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موبہب کہتے ہیں: حضرت جبیر بن مطعم کا پانی کے ایک چشمہ پر گزر ہوا، چشمہ والوں نے ان سے میراث کے بارے سوال کیا تو حضرت جبیر نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، لیکن اگر تم میرے ساتھ کسی کو بھیج دو تو میں معلوم کر کے اسے جواب دوں گا، چنانچہ چشمہ والوں نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت جبیرؓ نے جا کر حضرت عمرؓ سے اس بارے میں پوچھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو عالم اور فقیہ بنا چاہتا ہے اسے ایسے ہی کرنا چاہیے جیسے کہ جبیرؓ بن مطعم نے کیا۔ ان سے ایسی بات پوچھی گئی جو انھیں معلوم نہ تھی تو یوں کہہ دیا: ”واللہ اعلم“ یعنی اللہ جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ (34)

(32) صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب میراث ابنہ ابنہ مع ابنہ، ج: ۶، ص: ۱۱۶۳

(33) الموطا، کتاب الزکاح، باب مالا یجوز من نکاح الرجل ام امراتہ، ج: ۶، ص: ۳۳۵

(34) کنز العمال، ۲۳۱/۵

حضرت عمرؓ کا قول تھا کہ عورت کو شوہر کی دیت میں سے وراثت نہیں ملتی۔ حضرت ضحاک بن ابوسفیان نے کہا: ایسا نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تحریری فرمان کے ذریعے اشیام الضبابی کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت دلائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فوراً اپنی رائے بدل لی۔ (35)

ایک پاگل عورت زنا کی مرتکب ہوئی۔ لوگوں نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے رجم کا حکم دیا۔ لوگ اس کو رجم کرنے کیلئے لے جا رہے تھے کہ حضرت علیؓ آ گئے اور واقعہ معلوم ہونے پر فرمایا: اس کو واپس لے چلو۔ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے تو فرمایا: کیا آپؓ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے، پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انھوں نے اس عورت کو رہا کرنے کا حکم دیا اور تکبیر کہی (کہ اللہ کا شکر ہے جس نے عمرؓ کو اس غلطی سے بچالیا)۔ (36)

### اجتہاد سے مسائل کا حل

وہ فروعی مسائل جن کے بارے میں قرآن و سنت کی کوئی واضح نص موجود نہ ہو، ایسے مسائل کے حل کیلئے اسلام نے اجتہاد کے دروازے کو قیامت تک کیلئے کھلا رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ فرمایا تو ان سے پوچھا کہ اگر تم کوئی حکم قرآن و سنت میں نہ پاؤ تو پھر فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جواب پر خوشی کا اظہار فرمایا (37) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اذا حکم الحاکم فاجتہد فیصلہ کرنے والا جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد فاصاب فله اجران، واذا کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو جائے تو اسے دو گنا حکم فاختطأ فله اجر ثواب ملے گا اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہو جائے تو اسے اکبر ثواب ملے گا۔“

واحد (38)

وہ اجتہاد جس میں غلطی کرنے والے کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ

(35) سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب المرأة ترث من دیتہ زوجها، ج: ۲، ص: ۲۶۶

(36) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی الجنون یرق او یصیب حداً، ج: ۳، ص: ۶۱۹

(37) جامع الترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء فی القاضی کیف یقضى؟، ج: ۱، ص: ۱۳۲۷

ص: ۳۲۱-۳۲۲

(38) جامع الترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء فی القاضی یصیب و یخطئ، ج: ۱، ص: ۱۳۲۶



اجتہاد کرنے والا اس کا اہل ہو اور اس پر عمل ہو سکتا ہو۔ اس کے برعکس جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے یا لوگوں کے حالات کی رعایت نہیں کرتا، اس کا اجتہاد درست نہیں۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے صحابہ کرامؓ فروعی مسائل میں اپنے اجتہاد سے مسائل کا حل تجویز کرتے تھے۔

عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں: عبداللہ بن مسعود سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے اس کا مہر متعین کئے بغیر نکاح کیا اور پھر دخول سے قبل ہی وہ مر گیا؟ عبداللہ بن مسعود خاموش رہے اور ایک ماہ کے لگ بھگ یہی کیفیت رہی۔ لوگوں نے اپنا سوال پھر دہرایا اور اصرار کیا کہ آپؓ اس بارے میں ضرور کچھ فرمائیں۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میں اس بارے میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اگر میں نے درست بیان کیا تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر میں غلطی کروں تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ پھر فرمایا: ایسی عورت کیلئے مہر مثل ہوگا، اسے میراث میں سے حصہ ملے گا اور اس پر عدت لازم ہوگی، پھر ایک شخص نے اٹھ کر گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ عبداللہ بن مسعود کو بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے موافق ہے۔ (39)

### مسئلہ کی درست صورت کا بیان ۱ صحیح متبادل پیش کرنا

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے بعض مبلغین جب لوگوں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے ہیں تو ان کی دعوت میں ایک بڑی کمزوری یہ نظر آتی ہے، کہ وہ غلطی کو تو بڑی شرح و بسط سے بیان کر دیتے ہیں کہ فلاں کام حرام اور غلط ہے، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اس کی جگہ انہیں کیا کام کرنا چاہیے، یا اس کام کا صحیح طریقہ کار کیا ہے۔ حالانکہ شریعت کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ جن حرام طریقوں سے اپنی کوئی غرض پوری کرتے ہیں، شریعت ان کی جگہ ان کا متبادل پیش کرتی ہے۔ مثلاً اسلام نے زنا کا متبادل نکاح کو، سود کا تجارت کو اور اسی طرح حرام جانوروں کا متبادل حلال جانوروں کو قرار دیا، لہذا داعی الی الخیر کو چاہیے کہ

شریعت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر مشکل سے نکلنے کے لئے کوئی شرعی حل تلاش کرے۔ لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ بعض اوقات عوام الناس کسی ایسے غیر شرعی کام کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں کہ عملاً اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا یا داعی اس کے متبادل سے لاعلم ہوتا ہے، اس صورت میں بہر حال مبلغ کو دعوت حق کا فریضہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت نے ملک شام میں لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے بیع و شراء کے نئے نئے طریقے نکال لیے ہیں اور روزمرہ کی خرید و فروخت کے معاملات میں وہ حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں، چنانچہ آپؓ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ”اے لوگو! تم نے بیع کی نئی نئی صورتیں ایجاد کر لی ہیں، جنکو میں نہیں جانتا، آگاہ رہو کہ چاندی کی بیع چاندی کے بدلے مساوی ہونی چاہیے، سونے کی بیع سونے کے بدلے مساوی ہونی چاہیے اور اگر سونے کی بیع چاندی کے بدلے ہو تو دست بدست ہو اور وزن میں کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں، اور اس بیع میں ادھار درست نہیں ہے، گہیوں کی بیع گہیوں کے بدلے میں برابر برابر ہو، اسی طرح بک کے بدلے برابر ہو اور وزن میں بکڑا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، البتہ ادھار میں یہ صورت جائز نہیں، نیز چھو ہارے کی بیع چھو ہارے کے بدلے برابر ہونی چاہیے اور نمک کی بیع نمک کے بدلے برابر برابر ہونی چاہیے“ (40)

علی بن عبدالرحمن المعاوی کا بیان ہے، ایک بار میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا ابن عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا:

اصنع كما كان رسول الله " اس طرح کرو جس طرح رسول اللہ ﷺ اصنع " فقلت: " وكيف يصنع " وكيف يصنع " فقال: " اذا جلس في الصلوة آپ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی وضع كفہ اليمنى على فخذه کو دائیں ران پر رکھتے اور تمام انگلیوں کو بند وقبض اصابعه کلها و اشار باصبعه کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے التی تلی الابهام ووضع



كَفَّهَ الْيَسْرَىٰ عَلَىٰ فَخْذِهِ الْيَسْرَىٰ اِشْرَاهُ كَرْتِے۔ اور اپنی بائیں ہتھیلی بائیں  
وقال : هَكَذَا كَانَ يَفْعَلُ (41) ران پر رکھتے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسی  
طرح کیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ نے کچھ ایسے لوگوں کو پکڑا جو اسلام سے مرتد ہو گئے، پھر ان کو آگ میں جلا  
دیا۔ ابن عباسؓ کو خبر ہوئی تو فرمایا: میں ان کو قطعاً نہ جلاتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:  
لَا تَعَذِّبُوا بَعْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ (اللہ کے عذاب (یعنی آگ) کے ساتھ کسی کو  
وقال رسول اللہ ﷺ: مَنْ عَذَّبَ نَدَوُ۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جو  
بَدَلْ دِينَهُ فَاَقْتُلُوْهُ (42) اپنا دین بدل لے اس کو قتل کر دو۔

ابو داؤدؒ بیان کرتے ہیں: حضرت حذیفہؓ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک آدمی کو نماز  
پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع اور سجود پورے طور پر ادا نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ اپنی نماز پڑھ چکا  
تو حضرت حذیفہؓ نے اس سے فرمایا: تم کتنی مدت سے ایسے ہی نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے  
کہا: چالیس سال سے۔ آپ نے فرمایا: تو نے چالیس سال سے صحیح طریقہ پر نماز نہیں  
پڑھی۔ اور تم ایسی ہی نماز پڑھتے ہوئے مرو گے تو تم رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہیں مرو  
گے (43) جبکہ زید بن وہب کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

ثم اقبل عليه يعلمه فقال : ان "پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو سکھانے  
الرجل ليحفظ الصلوة وانه لگے، پھر فرمایا: آدمی کو چاہیے کہ نماز میں قیام  
ليتم الركوع والسجود (44) مختصر کرے لیکن رکوع و سجود مکمل کرے"

زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے ابن عمرؓ کی طرف بھیجا، میں نے ان  
سے کہا: کیا مجھے داخل ہونے کی اجازت ہے؟ انھوں نے میری آواز پہچان لی اور فرمایا: اے

(41) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب الاشارة فی التشہد، ج: ۹۸۷، ص: ۱۵۰

الموطا، کتاب الصلوۃ، باب العمل فی الجلو فی الصلوۃ، ج: ۸۷، ص: ۷۸

(42) المسند، مسند عبد اللہ بن عباسؓ، ج: ۳۶۵/۱، ۲۵۳۸، ص: ۳۶۵

(43) صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب اذا لم يتم السجود، ج: ۳۸۹، ص: ۶۹

(44) المسند، حدیث حذیفہ بن یمان، ج: ۵۳۰/۶، ۲۲۷۴، ص: ۵۳۰

بیٹے! جب تو کسی قوم کی طرف جائے تو سب سے پہلے کہو السلام و علیکم، پھر اگر وہ  
تیرے سلام کا جواب دیں تو کہو: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (45)

ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس  
وقت وہ ام الفضلؓ کی بیٹی کے گھر میں تھے۔ مجھے چھینک آئی تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے تشمیت نہ  
کہی، لیکن جب اسی دوران ام الفضلؓ کی صاحبزادی کو چھینک آئی تو آپؓ نے تشمیت  
کہی۔ ابو بردہؓ کہتے ہیں: میں اپنی والدہ محترمہ کے پاس آیا اور ان سے اس چیز کا ذکر کیا۔  
چنانچہ جب ابو موسیٰ اشعریؓ میری والدہ کے ہاں آئے تو انھوں نے ان سے کہا: تم نے  
میرے بیٹے کی چھینک پر تشمیت نہیں کہی جبکہ ام الفضلؓ کی بیٹی کی چھینک پر جواب دیا؟ تو ابو  
موسیٰؓ بولے: جب آپ کے صاحبزادے کو چھینک آئی تو اس نے الحمد للہ نہیں کہا لہذا  
میں نے بھی جواباً پر حمد للہ نہیں کہا جبکہ اس کو چھینک آئی تو اس نے الحمد للہ کہا لہذا  
میں نے اس کا جواب دیا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

اذا عطس أحدکم فحمد اللہ "جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اگر الحمد للہ  
فشمتموه وان لم یحمد اللہ کہے تو تم تشمیت (ریحکم اللہ) کہو اور اگر وہ تمہیں  
فلا تشمتموه فقالت: أحسنت نہیں کہتا تو تم تشمیت نہ کہو" ابو بردہؓ کی والدہ بولیں:  
أحسنت (46) آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔

دعوت میں تسلسل / قائل کرنا

دعوت و تبلیغ میں تسلسل کے اسلوب کو اختیار کرنا غلطی کرنے والے کی اصلاح کا  
باعث بن سکتا ہے، جبکہ ایک تسلسل کے ساتھ مخاطب کو اس کی غلطی کا احساس دلایا جاتا رہے  
، حتیٰ کہ وہ اپنی غلطی سے دستبردار ہو کر اصلاح کر لے۔ غلطی کرنے والے سے اس موضوع پر  
تبادلہ خیال بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح مخاطب کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی  
قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ آدمی سیدھی راہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے

(45) المسند، مسند عبد اللہ بن عمرؓ، ج: ۱۱۶/۲، ۳۸۶۹، ص: ۱۱۶

(46) المسند، حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ، ج: ۵۶۳/۵، ۱۹۱۹۷، ص: ۵۶۳



ابو تمیمہؓ بھی ایک تابعی تھے ان کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد بیٹھ کر کچھ وعظ و نصیحت کرتے اور اس میں آیات قرآنیہ تلاوت کرتے اور جب کوئی آیت سجدہ آجاتی تو سجدہ کرتے، ابن عمرؓ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو بار بار روکا لیکن باز نہ آئے، تو فرمایا: انی صلیت خلف رسولؐ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ اللہ علیہم السلام و مع ابی بکر و عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی، وہ طلوع آفتاب سے پہلے و عثمانؓ فلم یسجدوا حتیٰ کوئی سجدہ نہ کرتے تھے“

تطلع الشمس (47)

مجاہد کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا تو ایک سنار ان کی خدمت میں آکر عرض گزار ہوا: اے ابو عبدالرحمن! میں سو نے کا کام کرتا ہوں پھر چیز کو اس سے زیادہ وزن کے بدلے فروخت کرتا ہوں، زیادہ میں اپنی محنت کے معاوضے میں لیتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔ وہ سنار مسلسل پوچھتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسے منع کرتے رہے اور قائل کرتے رہے، یہاں تک کہ مسجد کے دروازے پر آگئے یا سواری کے پاس جس پر سوار ہونا تھا، پھر عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

الدِّينَارُ بِالْذِّينَارِ وَالْذِّهْمُ بِالْذِّهْمِ دینار کے بدلے دینار اور درہم کے بدلے درہم بالذِّهْمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا، ہوں تو ان میں کی بیشی نہ ہو۔ یہ ہمارے ہذا عَهْدُ نَبِينَا لَنَا وَعَهْدُ نَا بِي ﷺ نے ہمیں سکھایا اور ہم تمہیں سکھاتے الیکم (48) ہیں۔

(47) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی من یقرأ السجدة بعد الصبح، ج: ۱، ۱۳۱۵،

ص: ۲۱۱ (48) الموطا، کتاب البیوع، بیع الذہب بالفضۃ تبرأ عننا، ج: ۲، ص: ۳۹۲

## باب سوم: مکی عہد نبوت میں صحابہ کرام کی سرگرمیاں

### فصل اول

#### مکی عہد نبوت میں صحابہ کرام کا دعوتی منہج و اسلوب

چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو حکم الہی کے مطابق دعوت کے کام کا آغاز نہایت حکمت، تدبیر اور تدبیر کے ساتھ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ابتداً ان لوگوں کے سامنے دعوت پیش کی جو آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کے اخلاق اور چالیس سالہ زندگی کے شب و روز سے آگاہ تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا چنانچہ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور بچوں میں حضرت علیؓ نے سب سے پہلے قبولیت اسلام کا شرف حاصل کیا۔

تیسرے سال مکی دور کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دعوت دین کے لئے صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی بھرپور معاونت کی اور اس ضمن میں پیش آنے والی ہر اذیت، تکلیف اور دکھ کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ دعوت دین کے اس مشکل اور کٹھن دور میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جو مناجات اور اسالیب اختیار فرمائے ذیل کی طور میں ان کا ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

#### انفرادی سطح پر دعوت اخفیہ دعوت

مکی دور میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ہر فرد تک انفرادی سطح پر دعوت پہنچانے کا اسلوب اختیار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ اگر افراد تک ذاتی سطح پر بات پہنچائی جائے تو اس کا یقیناً اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے بھی اس انداز دعوت کو بڑے مؤثر طریقہ تبلیغ کے طور پر اپنایا۔ چنانچہ مکی دور کے ابتدائی سالوں میں کئی لوگوں کا صحابہ کرامؓ کی دعوت پر اسلام قبول کرنا اس طریقہ تبلیغ کی کامیابی کی روشن دلیل ہے۔ علامہ ابن الاثیر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:



واسلم علی یدہ جماعۃ ”ان (ابوبکرؓ) کے ہاتھ پر ایک جماعت جن کو لمحبتہم لہ ومیلہم الیہ حتیٰ ان کے ساتھ محبت وتعلق تھا، اسلام انہ اسلم علی یدہ خمسۃ من لائی۔ یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ العشرۃ (1)

حضرت عثمان بن عفانؓ کے تذکرہ میں ان بعض ناموں کی تفصیل بھی ہے جنہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ نیز اشارۃً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ کامیابی انفرادی سطح پر خفیہ دعوت کی بدولت حاصل ہوئی۔

”کان رجال قریش یأتونہ ”قریش کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس ویألفونہ لغیر واحد من الامر آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم، تجربہ اور لعلمہ وتجاربہ وحسن حسن مجالست کی بناء پر ان سے محبت کرتے مجالسہ فجعل یدعو الی تھے۔ چنانچہ آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے الاسلام من وثق بہ من قومہ والوں میں سے جن لوگوں پر ان کو اعتماد تھا ان ممن یغشاہ ویجلس الیہ فاسلم کونہوں نے دعوت اسلام دی اور جیسا کہ علی یدہ فیما بلغنی الزبیر بن مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر زبیر بن العوام وعثمان بن عفان عوام، عثمان بن عفان اور طلحہ بن عبید اللہ وطلحہ بن عبید اللہ (2) اسلام لائے۔“

حضرت ابوبکرؓ کو قریش میں جو مقام و مرتبہ حاصل تھا، جس کی بناء پر وہ قریش میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے، ان کی اس حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام لکھتے ہیں:

”وکان ابوبکر رجلاً مألُفاً ”ابوبکرؓ اپنی قوم میں بہت تعلقات رکھنے لقومہ، محبباً سہلاً، وکان والے، محبوب، نرم اخلاق، قریش میں أنسب قریش لقریش، وأعلم بہترین نسب والے تھے، قریش کے انساب قریش بھا، وبما کان فیہا من کائناتیں تمام قریش سے زیادہ علم تھا اور ان کی خیر وشر، وکان رجلاً اچھائی برائی کو سب سے زیادہ جاننے والے تاجر، اذا خلق و معروف تھے۔ تجارت کرتے تھے، خوش مزاج تھے، ہر

وکان رجال قومہ ایک سے نیک سلوک کرتے تھے۔ علم یأتونہ، ویألفونہ لغیر واحد من تجارت اور حسن معاملات کے سبب قوم کے الأمر، لعلمہ وتجاربہ تمام افراد آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے وحسن مجالستہ، فجعل تعلقات رکھتے تھے، آپ نے قوم کے ان تمام یدعو الی اللہ والی الاسلام افراد کو اسلام کی جانب بلانا شروع کر دیا، جن پر من وثق بہ من قومہ، ممن آپ کو بھروسہ تھا اور جو کہ آپ کے پاس آتے یغشاہ ویجلس الیہ“ (3) جاتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے تھے۔

جن لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ اور کوششوں سے اسلام قبول کیا ابن ہشام نے ان کے نام ذکر کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، ابوعبیدہ بن الجراح، ابوسلمہ، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون نیز ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبد اللہ، عبیدہ بن الحارث، سعید بن زید نیز ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب، اسماء بنت ابی بکر، عائشہ بنت ابی بکر، خطاب بن الارت، عمیر بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، مسعود بن القاری، مسعود بن ربیعہ، سلیط بن عمرو اور ان کے بھائی حاطب، عیاش بن ربیعہ اور ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ، عامر بن ربیعہ، عبد اللہ بن جحش اور ان کے بھائی احمد، جعفر بن ابی طالب اور ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس، حاطب بن الحارث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الجہل، خطاب بن الحارث اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار، معمر بن الحارث، السائب بن عثمان بن مظعون، المطلب بن ازہر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف، نعیم بن عبد اللہ، عامر بن فہیرہ مولیٰ ابی بکر، خالد بن سعید اور ان کی بیوی امینہ بنت خلف بن اسد، حاطب بن عمرو، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، واقد بن عبد اللہ، خالد، عامر، عافل اور ایاس بنو الکبیر بن عبد یلیل میں سے، عمار بن یاسر اور صہیب بن سنان (4)

دعوت وتبلیغ کے میدان میں صحابیات نے بھی، باوجود اپنی فطری کمزوریوں

(3) ابن ہشام، اسلام ابی بکر الصدیقؓ، ۲۸۷/۱، ۲۸۷/۱

(4) ابن ہشام، ذکر من اسلم من الصحابۃ بدعوت ابی بکرؓ، ۲۸۷/۱، ۲۸۷/۱

(1) اسد الغابہ، تذکرہ عبد اللہ بن عثمان ابوبکر الصدیقؓ، ۳۶/۱، ۳۶/۱

(2) اسد الغابہ، تذکرہ عثمان بن عفانؓ، ۳۷/۱، ۳۷/۱، ابوالحسن احمد بن علی، ”الاصابہ فی تمییز الصحابہ“،

تذکرہ عبد اللہ بن عثمان ابوبکر الصدیقؓ، ۳۴۲/۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۲۸ھ



کے صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ کام کیا۔ بعض صحابیات کے متعلق بھی اس طرح کی روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے انفرادی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام پوری جانفشانی سے کیا۔ ابن اثیر کی روایت کے مطابق حضرت ام شریکؓ دوسرے ایک صحابیہ تھیں، جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں۔ قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔ (5)

حضرت فاطمہ بنت خطابؓ کی استقامت، عزم و استقلال اور دعوت سے متاثر ہو کر حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسلام قبول کیا۔ (6)

مدنی دور میں بھی صحابیات نے انفرادی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا۔ حضرت ام حکیمؓ بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی۔ وہ خود توفیق مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے ابن شہاب بیان کرتے ہیں: ”فار تحلت ام حکیم، حتی قدمت علیہ بالیمن فدعته“ (ام حکیمؓ نے یمن کا سفر اختیار کیا اور ان کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔) (7)

حضرت ابوطولحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان، نکاح کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر تم اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا۔ اس کے سوا تم سے کچھ طلب نہ کروں گی۔ ام سلیمؓ نے ابوطولحہؓ کے ضمیر کو جھوڑتے ہوئے اور ان کو مائل بہ اسلام کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار فرمایا وہ ملاحظہ ہو چنانچہ آپؓ نے فرمایا:

(5) اسد الغابہ، تذکرہ ام شریکؓ الدوسیہ، ۵/۵۹۳ (6) ایضاً، تذکرہ فاطمہ بنت الخطابؓ، ۵/۵۱۹

(7) الموطا، کتاب النکاح، باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجہ قبلہ، ج: ۲، ص: ۳۳۲

۱۰۰ ان کا مشہور نام ”الخاتم“ ہے اور اس نام سے اس کی وجہ شہرت رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

”لقد سمعت نحمدہ فی الجنۃ“ (i) ”میں نے جنت میں ان کے نکاح کرنے کی آواز سنی“

(ii) ابن ہشام ذکر من اسلم من الصحابہ بدعوة ابی بکرؓ، ۱/۹۲۵

”یا ابا طلحہ! ألسنت تعلم ان“ ”اے ابوطولحہ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ الہک الذی تعبد نبت من تمہارا معبود زمین سے اگا ہے؟ انہوں نے الارض، قال: بلی، قالت: افلا جواب دیا: ہاں، فرمایا: پھر تم کو درخت کی پوجا تستحی ان تعبد شجرة؟“ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟“

بالآخر حضرت ام سلیمؓ کی ترغیب اور تبلیغ کے نتیجہ میں ابوطولحہؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔ (8)

حضرت عدیؓ بن حاتم اپنے قبیلہ کے بادشاہ اور مذہباً عیسائی تھے۔ جب اسلامی فوجوں نے ان کے قبیلہ پر حملہ کیا تو یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ قیدیوں میں ان کی بہن سفانہؓ بنت حاتم بھی قیدی ہو کر آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے خاندان میں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ شام اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس آ گئیں اور ان کو اسلام کی طرف بلایا چنانچہ ان کی ترغیب سے عدیؓ اپنی بہن کے ہمراہ مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی۔ (9)

اجتماعی سطح پر دعوت / اعلانیہ دعوت

کئی دور کے ابتدائی سالوں میں خفیہ دعوت کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں صرف انفرادی سطح پر ہی دعوت ممکن تھی نتیجہً کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بالآخر جب تبلیغ عام کا یہ حکم نازل ہوا:

فَاصْذَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاعْرِضْ ”آپؐ کو جو حکم ملا ہے آپؐ وہ لوگوں کو سنا دیں عَنِ الْمُشْرِكِينَ“ (10) اور مشرکوں کی بالکل پروا نہ کریں“

تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی عوامی اجتماعات، مجالس، بازاروں، میلوں اور دیگر تفریبات میں اجتماعی سطح پر لوگوں کو دعوت پیش کی اور اس راہ میں بے پناہ مشکلات کا بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے یہ اعزاز بھی

(8) الاسابہ، تذکرہ ام سلیمؓ بنت ملحان، ۳/۶۱۱، اسد الغابہ، تذکرہ زید بن سہل، ۲/۲۳۲

(9) ابن ہشام، ۱۳/۷۱ (10) الحج، ۱۵: ۹۳



نے اس سے کوئی بدسلوکی کرنا چاہی تو اس کے اہل خاندان حفاظت کر سکیں۔ ابن مسعودؓ نے کہا: مجھے چھوڑ دو اللہ تعالیٰ خود میری حفاظت فرمائے گا۔ دوسرے دن حضرت ابن مسعودؓ مقام ابراہیم کے پاس ایسے وقت آئے جب قریش اپنی مجلسوں میں تھے۔ پھر بلند آواز سے سورۃ الرحمن کی تلاوت شروع کی۔

قریش نے اسے غور سے سنا اور بولے: ابن ام عبد نے کیا کہا؟ پھر خود ہی کہنے لگے یہ تو وہی پڑھتا ہے جو محمد ﷺ لایا ہے۔ وہ سب کے سب ان کی جانب اٹھ کھڑے ہوئے اور ابن مسعود کے منہ پر مارنے لگے۔ وہ برابر پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ اس سورۃ کے اس حصے تک پہنچ گئے، جس تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی جانب لوٹ آئے کہ ان کے چہرے پر قریش نے نشانات ڈال دیئے تھے۔ ابن مسعودؓ سے دوسرے صحابہؓ نے کہا: اسی چیز کا ہمیں ڈر تھا، انہوں نے جواب دیا: آج دشمنانِ خدا میری نظر میں جتنے ذلیل ہیں، اتنے ذلیل کبھی نہ تھے۔ اگر تم چاہو تو اسی طرح ان کے پاس کل سویرے بھی پہنچو۔ انہوں نے کہا: نہیں تمہارے لئے یہی کافی ہے۔ تم نے انہیں وہ باتیں سنا دیں، جنہیں وہ ناپسند کرتے تھے۔“ (12)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کی طویل روایت بیان کی ہے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس اپنی قوم میں جانے اور تبلیغِ دین کا حکم دیا۔ لیکن حضرت ابوذرؓ نے بڑے جوش اور جذبہٴ جان نثاری کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

”والذی نفسی بیدہ“ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس کلمہ توحید کا اعلان کافروں میں پورے زور سے کروں گا۔“ (13)

چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ بیت اللہ میں آئے اور لوگوں کو اللہ و رسول ﷺ کی

”جب رسول اللہ ﷺ کے مرد صحابہ کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اصرار کیا کہ اب کھل کر اسلام کی دعوت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! ابھی ہم لوگ تھوڑے ہیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ اصرار کرتے رہے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمان مسجد حرام کے مختلف حصوں میں بکھر گئے اور ہر آدمی اپنے قبیلہ میں جا کر بیٹھ گیا اور حضرت ابوبکرؓ لوگوں میں بیان کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرماتھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اسلام میں سب سے پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوگوں کو اعلانیہ دعوت دی۔ مشرکین مکہ ابوبکرؓ اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور مسجد حرام کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو خوب مارا جبکہ حضرت ابوبکرؓ کو خوب مارا بھی گیا اور پاؤں تلے بھی روند اگیا۔“ (۱۶)

ابن ہشام ابن اسحاق کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

”پہلا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کے بعد مکہ میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کی وہ عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز میں پڑھتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ ایسا کون ہے جو انہیں قرآن سنائے؟ عبد اللہ بن مسعود نے کہا: میں (یہ کام انجام دیتا ہوں) سب نے کہا: ہمیں ان سے تمہارے لئے خوف ہے۔ ہم تو ایسا شخص جانتے ہیں جو نندان والا ہو کہ اگر ان لوگوں

(12) ابن هشام، اول من جهر بالقرآن، ۱/۳۵۱، ۳۵۲ اسد الغابہ، تذکرہ عبداللہ بن مسعود، ۲/۳۵۶، ۳۵۷

(13) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب قصة اسلام ابي ذر الغفاري، ج: ٣، ص: ٥٩٢.

(11) الهداية، ۳۰، ۲۹/۳. الاماميه، تذكره مصنفين، ج ۱، ص ۲۵۷.

اسد الغابہ، تذکرہ ام الخیر بنت حمر، ۵۸۰/۵



طرف دعوت دی۔ مشرکین کھڑے ہوئے اور ان کو اتنا مارا کہ ان کو لٹا دیا اتنے میں حضرت عباسؓ آگئے اور وہ ان کو بچانے کیلئے ان پر لیٹ گئے اور ان کو کافروں سے چھڑایا۔ اگلے دن حضرت ابوذر غفاریؓ نے پھر ان کو ویسے ہی سرعام اور اعلانیہ دعوت اسلام دی۔ اس روز بھی کافروں نے ان کو خوب مارا چنانچہ حضرت عباسؓ کی مداخلت ہی سے ان کی جان بچی۔ (14)

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ بن مظعون قریش کی ایک ایسی مجلس میں تشریف لے گئے جس میں لبید بن ربیعہؓ شعر کہہ رہا تھا جب اس نے یہ شعر پڑھا:

”الا کل شئیء ما خلا اللہ“ ”خبردار! اللہ کے سوا سب چیزیں باطل ہیں“

باطل

تو آپؐ نے اس کو خوب داد دی اور فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔ لیکن جب اس نے دوسرا مصرع پڑھا

”وکل نعیم لامحالة زائل“ ”اور ہر نعمت کو بالآخر زوال ہے“

تو حضرت عثمانؓ بن مظعون نے اس کی بھرپور تردید کی اور فرمایا: تم جھوٹے ہو اس لئے کہ جنت کی نعمتوں کو کبھی زوال نہیں ہے اور وہ ہمیشہ رہیں گی۔

مشرکین نے گھور کر حضرت عثمانؓ بن مظعون کی طرف دیکھا اور لبید سے کہا تم یہ شعر پھر پڑھو۔ لبید نے پھر پڑھا۔ آپؐ نے پھر اسی طرح پہلے مصرع کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کی۔ اہل مجلس میں سے ایک احمق شخص اٹھا اور ان پر حملہ کر دیا، ان کو مارا یہاں تک کہ ان کی ایک آنکھ نیلی ہو گئی۔ لیکن وہ اپنا فریضہ تبلیغ پورا کر چکے تھے۔ (15)

کئی دور میں تو صحابیات کے حوالے سے کوئی ایسی روایت معلوم نہیں ہو سکی جس

(14) ایضاً کتاب مناقب الانصار، باب اسلام ابی ذر الغفاری، ج: ۳۸، ص: ۶۲۸

لبید بن ربیعہؓ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ قبول اسلام کے بعد انہوں نے شعر کہنا ترک کر دیا۔ ایک روز حضرت عمر فاروقؓ نے لبید بن ربیعہؓ سے کہا: مجھے اپنے اشعار سناؤ تو انہوں نے کہا کہ میں کوئی شعر نہ کہوں گا اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی تعلیم کر دی ہے۔ حضرت لبید بن ربیعہؓ نے ایک سو چالیس سال کی عمر میں امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں انتقال فرمایا۔ (i)

(ii) اسد الغابہ، تذکرہ لبید بن ربیعہ، ج: ۲، ص: ۲۶۲/۳

(15) اسد الغابہ، تذکرہ عثمان بن مظعون، ج: ۳

سے معلوم ہو کہ انہوں نے اجتماعی سطح پر دعوت کا کام کیا ہو، تاہم مدنی دور میں صحابیات نے بھی اجتماعی سطح پر دعوت دین کی خدمات انجام دیں۔ اس کی ایک مثال صحیح بخاری کی اس روایت میں ملتی ہے کہ ایک غزوہ میں صحابہ کرامؓ پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت سے ملاقات ہو گئی جو ایک اونٹ پر سوار تھی اور اس کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ صحابہؓ نے اس سے پانی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ پانی یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے پانی استعمال کیا معجزانہ طور پر پانی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اس عورت نے جب رسول اللہ ﷺ کے اس معجزہ کو دیکھا تو اس کو اسی وقت آپ ﷺ کی حقانیت کا یقین ہو گیا۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے اس کو پانی کی قیمت دلوادی جس سے وہ عورت آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوئی چنانچہ جب یہ عورت واپس اپنے قبیلے میں گئی تو اس نے نہ صرف اپنے اسلام کا اعلان کیا بلکہ تمام قبیلہ والوں کو بھی اسلام کی دعوت دی چنانچہ تمام لوگوں نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔ (16)

ہجرت حبشہ اور دعوت دین کافروں

جب رسول اللہ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ خود آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے خالص تعلق اور اپنے چچا ابو طالب کی بدولت آفتوں سے محفوظ ہیں جبکہ آپ ﷺ کے اصحاب

(16) صحیح البخاری، کتاب التیم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم، ج: ۳۴، ص: ۵۹

☆ حبش عرب کے جنوب میں واقع ہے جس عربی نام ہے۔ یونانی میں اسے ایتھوپیا (Ethiopia) کہتے ہیں۔ دنیا کے موجودہ نقشے میں یہ اے۔ بی سینا کے نام سے موسوم ہے۔ حبشی زبان میں بادشاہ کو نجوس (negus) کہتے ہیں۔ نجاشی اسی لفظ نجوس سے معرب ہے۔ (i) بعثت نبوی ﷺ کے زمانے میں حبشہ کے تخت پر احمہ نامی بادشاہ متمکن تھا۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جب نجاشی کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (ii) نجاشی کا خاندان چوتھی صدی عیسوی سے حبشہ پر حکمران تھا۔ یہ خاندان پہلے بت پرست تھارومی شہنشاہیت سے مصر کے ذریعہ یہاں عیسائیت کی بنیاد رکھی۔ اسکندریہ کے ایک ہش نے یہاں اپنے مشن کا ایک مرکز قائم کیا اور پھر رفتہ رفتہ پورے ملک میں عیسائیت پھیل گئی۔ (iii)

(i) سیرۃ النبی ﷺ، ج: ۱، ص: ۱۵۵ (ii) صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشی، ج: ۳۸، ص: ۶۵۱

(iii) ڈبلیو، پی، ہیرس، پادری، ”تواریخ مسیحی کلیسا“، کرچین ناچ سوسائٹی، لاہور، ص: ۲۶۸، ۱۹۲۵ء



مصائب و آلام کا نشانہ بن رہے ہیں نیز آپ ﷺ کفار مکہ سے اپنے اصحاب کی حفاظت کرنے سے بھی قاصر ہیں تو ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”لوخر جتم الی ارض“ اگر تم لوگ سرزمین حبشہ ہجرت کر جاؤ (تو الحبشة فان بها ملکاً لا یظلم تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ) وہاں کے عندہ احد، وہی ارض صدق بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ حتیٰ یجعل اللہ لکم فرجاً سچائی والی سرزمین ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان آفتوں سے، جن میں تم مما انتم فیہ“ (17) مبتلا ہو، کوئی کشائش پیدا فرمادے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے اہل ایمان نے ماہ رجب 5 نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ (18) اول اول گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے شرف ہجرت حاصل کیا۔ حضرت عثمانؓ، بن عفانؓ، زبیر بن العوامؓ، مصعبؓ بن عمیرؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، ابوسلمہؓ بن عبدالاسدؓ، عثمانؓ بن مظعونؓ، عامرؓ بن ربیعہؓ، ابوسبرہؓ بن ابی رہمؓ یا ابو حاطبؓ بن عمروؓ، سہیلؓ بن بیضاءؓ، عبداللہؓ بن مسعودؓ، ابوذرؓ عقیلؓ بن عتبہؓ، اور چار خواتین یہ ہیں۔ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ عثمانؓ غنیؓ، سہلہ بنت سہیلؓ زوجہ ابوذرؓ عقیلؓ، سلمہ بنت ابی امیہ زوجہ ابوسلمہؓ اور لیلیٰ بنت شمسہ زوجہ عامرؓ بن ربیعہ۔ (19)

یہ حضرات حبشہ میں بڑی پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے چنانچہ یہ لوگ مکہ واپس آ گئے۔ یہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ قریش تو پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کے دشمن بن چکے ہیں۔ اس لئے کچھ لوگ حبشہ واپس چلے گئے اور کچھ مکہ ہی میں ٹھہر گئے۔ اب یہ حضرات پہلے سے بھی زیادہ قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ اس بار تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی۔ (20)

مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والوں کے علاوہ پچاس مہاجرین کا ایک جتھہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی معیت میں یمن سے حبشہ پہنچا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے:

(17) ابن هشام، ذكر الحجرة الأولى إلى أرض الحبشة، ٣٥٨/١ (18) زاد المعاد، ٣/٢٣

(19) سيرة النبي صلى الله عليه وآله ١، ١٣٩، ١٥٠. (20) زاد المعاد ٣، ٢٣.

”ہم یمن میں تھے ہمیں اطلاع ملی کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں۔ ہم وہاں سے کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شرفِ باریابی حاصل کریں۔ لیکن راستہ میں ہمیں سمندری طوفان نے آلیا اور ہماری کشتیاں حبشہ کے ساحل پر جا لگیں۔ وہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب سے ہوئی چنانچہ ہم نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور کئی سال وہاں قیام کیا۔ ہم اس وقت حضرت جعفر کی معیت میں مدینہ واپس آئے جب کہ خیبر میں سارے قلعے فتح ہو چکے تھے اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لکم انتم یا اهل السفینة“ اے کشتی والو! تمہیں دو ہجرتوں کا ثواب  
 ہجرتان“ (21) ملے گا۔

یعنی پہلی ہجرت اپنے وطن سے حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت حبشہ سے مدینہ کی طرف۔  
 ابن قیم کا بیان ہے کہ جب مہاجرین حبشہ کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کی  
 اطلاع ملی تو ان میں سے تینتیس آدمی واپس آ گئے۔ جن میں سے سات کو راستہ ہی میں کفار  
 مکہ نے گرفتار کر لیا اور باقی بخیریت مدینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اس کے  
 بعد باقی مہاجرین فتح خیبر کے سال 7ھ میں واپس آئے۔ (22)

ابن ہشام نے بڑی تفصیل سے مہاجرین حبشہ کا ذکر کیا ہے اور قبائل کے اعتبار سے مہاجرین حبشہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ نجاشی کی بدولت مسلمان حبشہ میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ قریش کو جھلاکھ گوارا تھا کہ مسلمان سکھ اور چین کی زندگی بسر کرنے لگیں، چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے بھروسوں کو اپنے ملک سے نکال دو اور ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ چنانچہ کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس مقصد کیلئے منتخب کیا۔ جنہوں نے نجاشی سے قبل اس کے

(21) مع البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب خزيمة الحسبي، ج: ٢، ص: ٣٨٤، ص: ٦٥١.

(22) ابن قیم الجوزي، ابو عبد الله محمد بن يزيد، "نزاد المعاد"، ٢٠١٣، دس رسالہ، بیروت، 1979،



در بار یوں سے ملاقات کی اور ان کو قیمتی تحائف دے کر اپنی حمایت پر آمادہ کیا اور ان سے کہا کہ وہ کل دربار میں ہماری تائید کریں۔ دوسرے دن سفرائے قریش نجاشی کے دربار میں گئے اور اس سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کئے جائیں، دربار یوں نے بھی بھرپور تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم لوگوں نے کون سا دین ایجاد کر لیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے۔ معاملہ چونکہ بڑا نازک اور تشویش ناک تھا اسلئے تمام صحابہؓ نے باہم مشورہ کیا کہ نجاشی سے کس انداز سے بات کی جائے۔ بالآخر تمام صحابہؓ نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا۔

”واللہ ما علمنا، و ما“ اللہ کی قسم! ہم وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہمیں امرنا بہ نبینا کائنات فی تعلیم دی ہے اور جن باتوں کا آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ذالک ماہو کائن“ (23) ہے۔ اس معاملہ میں جو ہوتا ہے ہو جائے۔

چنانچہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کیلئے حضرت جعفر بن ابی طالب کا انتخاب کیا۔ جنہوں نے نجاشی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”ایہا الملک! کنا قوم اہل اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم جاہلیہ، نعبد الاصنام، و نأکل المیتة، و نأسی الفواحش، و نقطع الارحام، و نسئ ستاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو الجوار، و یأکل القوی منا تھا، قوی لوگ کمزور کو کھاتے تھے، اسی الضعیف، فکنا علی ذالک اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس حتی بعث اللہ الینا رسولاً منا کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم نعرف نسبہ و صدقہ و امانتہ لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے وعفافہ، فدعانا الی اللہ لنوحده ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا نعبدہ، و نخلع ما کنا نعبد کہ ہم پتھروں کو پوجنا

لحن و آباؤنا من دونہ من ’ چھوڑ دیں، سچ بولیں، خون ریزی سے الحجارۃ والاوثان و امرنا بصدق باز آجائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، الحدیث، و اداء ’ الامانة، و صلة ہمسائیوں کو آرام دیں، عقیف عورتوں الرحم، و حسن الجوار، و الکف پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں عن المحارم و الدماء، و نہاناعن روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، پس ہم نے الفواحش، و قول الزور، و اکل مال اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے الیتیم قذف و المحصنات، و امرنا آئے۔“

ان نعبد اللہ وحده لانشرک بہ شینا، و امرنا بالصلوة و الزکوٰۃ

و الصیام، فصدقناہ و امانا بہ“ (24)

اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں پھر واپس آجائیں۔ نجاشی نے کہا! جو کلام الہی تمہارے رسول پر اترا ہے، کہیں سے پڑھو۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیات تلاوت کیں، نجاشی پر رقت طاری ہو گئی یہاں تک کہ اس کی داڑھی تریتر ہو گئی۔ جب نجاشی کے پاس موجود علماء نے یہ کلام سنا تو وہ بھی ابتار ہوئے کہ ان کے صحیفے بھیگ گئے۔ پھر کہا اللہ کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا: تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ دوں گا۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا: جناب والا! آپ کو یہ بھی معلوم ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے ایک بار پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ مسلمانوں کو اب حقیقی فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے، وہ ناراض ہوگا۔ تاہم صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا:

”نقول واللہ ما قال“ قسم خدا کی! ہم وہی کہیں گے جو اللہ کا حکم اور اللہ، و ما جاءنا بہ نبینا“ (25) رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے۔“

(24) ابن ہشام، ارسال الی الحبشہ فی طلب المہاجرین الیہا، ۳۷۳/۱، المسند، حدیث جعفر بن ابی طالب، ج ۴۲، ۱۷۷

(25) ۳۳۲-۳۳۳ ابن ہشام، ارسال الی الحبشہ فی طلب المہاجرین الیہا، ۳۷۳/۱، المسند، حدیث

جعفر بن ابی طالب، ۳۳۳/۱، ۱۷۷

(23) ابن ہشام، ارسال الی الحبشہ فی طلب المہاجرین الیہا، ۳۷۳/۱۔

المسند، حدیث جعفر بن ابی طالب، ج ۴۲، ۳۳۳/۱، ۱۷۷



جب یہ لوگ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے تو نجاشی نے کہا: تم لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے فرمایا: ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے:

”هو عبد الله ورسوله“ عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول، اس کی روح وروحہ وکلمتہ القاہا الی اور کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کنواری اور مریم العذراء البتول“ پاکہ از مریم کی طرف ڈال دیا۔“

نجاشی نے زمین سے ایک ٹکا اٹھایا اور کہا: واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس ایک تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہے۔ دربار میں موجود عیسائی علماء نجاشی کے طرز عمل سے سخت برہم ہوئے ☆ تاہم نجاشی نے ان کے غصہ کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ قریش کے سفیر بالکل ناکام واپس آئے۔ (26)

حبشہ میں صحابہ کرامؓ نے دعوت دین کے لئے جو اسلوب اختیار کیا اس کی ایک ہلکی سی جھلک حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اس معرکہ الآراء تقریر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے اپنے مخاطب نجاشی اور دیگر امراء کے مقام و مرتبہ کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوئے اتنے مدلل، خوبصورت اور دلنشین پیرائے میں اپنی دعوت کو پیش کیا کہ نہ صرف

(26) یہ تمام واقعات، سیرت ابن ہشام اور مسند احمد میں موجود ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلہ سند بھی ایک ہے۔ محمد بن اسحاق، ذہری، ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحرث بن ہشام مخزومی، ام سلمہؓ۔ یہ سب ثقہ راوی ہیں اور سب سے آخری راوی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ ہیں جو خود اس واقعہ میں شریک تھیں اور اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں نہیں آئیں تھیں بلکہ اپنے پہلے شوہر ابوسلمہ بن عبدالاسد کے ساتھ حبشہ ہجرت کر کے گئی تھیں۔ (ii) ☆ حضرت عیسیٰ کے متعلق نجاشی نے اسلامی نقطہ نظر کو جو پرانی بخشی ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے: ”نجاشی فرقہ طبیعت واحد کا (یعنی مانو فرانت) عیسائی تھا۔ اور ان دنوں اس فرقے اور یونان کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے، آخر الذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰؑ میں بوقت واحد دو طبیعتیں تھیں، انسانی اور خدا کی بھی۔ ابراہیم جو (بین میں) نجاشی کا نائب تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا بلکہ صرف مسیح اللہ۔ غالباً نجاشی کے بھی یہی عقائد ہوں گے۔ اور یہ مسلمانوں کے عقائد کے بہت مماثل ہیں۔“ (ii)

(i) ابن ہشام، ارسال قریش الی الحبشہ فی طلب المہاجرین، ۳۷۵-۳۷۳/۱

المسند، حدیث جعفر بن ابی طالب، ج: ۱، ۳۳۲-۳۳۳/۱

(ii) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، ”رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی“ دارالاشاعت کراچی، 1987ء، ص 127

قریشی سفیر اپنے مشن میں مکمل طور پر ناکام ہوئے بلکہ سرزمین حبشہ میں مسلمانوں کے لئے حالات مزید سازگار ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ کی حق و صداقت پر مبنی گفتگو سے نجاشی اور اس کے درباری اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

حضرت جعفرؓ کی اس تقریر سے اس وقت تک کے نصاب دعوت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً حبشہ میں مسلمان تو حید و رسالت کے علاوہ ان ہی اخلاقی تعلیمات کی تبلیغ کرتے ہوں گے۔ جن کا ذکر حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ حبشہ میں مسلمانوں کے اسلوب دعوت کا یہ پہلو بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ مشکل ترین لمحات میں انہوں نے بنیادی عقائد پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا اور اس معاملہ میں بڑا واضح اور دو ٹوک موقف اختیار کیا۔ مسلمانوں کے اسی اسلوب دعوت کی بنا پر نہ صرف نجاشی بلکہ کئی دیگر لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ مہاجرین حبشہ کی بدولت دعوت اسلام حبشہ میں اس قدر عام ہوئی کہ اس سے نہ صرف بادشاہ بلکہ اس کے درباری بھی متاثر ہوئے۔ ملک حبشہ کے عیسائیوں نے بھی اسلام کی تعلیمات سے آگاہی کی، ہشیشیں شروع کر دیں۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ وہاں سے بیس عیسائیوں کا ایک وفد مکہ آ کر رسول اللہ ﷺ سے ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت کیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ایمان لے آئے۔ (27)

حبشہ میں مسلمانوں کی دیگر دعوتی سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے تاہم یہ طے شدہ بات ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حبشہ کی پرامن فضا اور سازگار ماحول سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں:

”اب چونکہ تبلیغ کی آزادی تھی، اس لئے یہ مسلمان (کے کے

نومسلم مہاجر) حبشہ میں تبلیغ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں

میں وہاں کافی تعداد میں یعنی کم از کم چالیس پچاس حبشی مسلمان



ہو گئے۔“ (28)

نجاشی کا قبول اسلام اس حقیقت کی سب سے بڑی گواہی ہے کہ حبشہ میں مسلمانوں نے دعوت حق کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہوگا۔ جب نجاشی کے انتقال کی خبر مدینہ پہنچی تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ (29)

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مہاجرین حبشہ میں سے کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے جبکہ جو لوگ وہاں رہ گئے تھے ان کو واپس لانے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو ایک خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کے خط کے جواب میں نجاشی نے لکھا:

”اما بعد! فقد ارسلت اليك“ اے اللہ کے رسول ﷺ! مہاجرین یا رسول اللہ ﷺ من كان عندی مکہ میں سے جو لوگ میرے پاس آئے من اصحابک المهاجرین من تھے انہیں میں آپ ﷺ کی طرف بھیج مکة الى بلادی، وہاں انا ارسلت رہا ہوں اور میں آپ ﷺ کی طرف الیک ابنی اریحافی ستین اہل حبشہ میں سے بھی ساتھ افراد کو اپنے رجلاً من اهل الحبشة“ (30) بیٹے اریحافیت بھیج رہا ہوں۔

حبشہ میں مسلمانوں کی دعوتی سرگرمیوں کے حوالے سے یہاں پر ایک روایت کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس سے واضح طور پر یہ اشارات ملتے ہیں کہ صرف مہاجرین حبشہ ہی نہیں بلکہ دیگر حبشی مسلمان بھی قبول اسلام کے بعد دعوت کا کام کسی نہ کسی سطح پر کرتے رہے ہیں۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو مہاجرین حبشہ کو لانے کے لئے نجاشی کے پاس بھیجا تو اتفاق سے عمرو بن العاص، جو حبشہ آئے ہوئے تھے، نے عمرو بن امیہ کو نجاشی کے دربار سے نکلنے ہوئے دیکھ لیا تو عمرو بن العاص فوراً نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: جو شخص ابھی ابھی آپ کے دربار

(28) خطبات بہاد پور ص: ۴۰۳

(29) ابن ہشام، خروج الحبشة علی النجاشی، ۳۷۹/۱۱، اسد الغابہ، تذکرہ احمد، ۱۳۲/۱۱، صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشی، ج: ۳، ص: ۶۵۱

(30) محمد حمید اللہ، ذاکر، ”الوثائق السياسية فی العهد النبوی والخلافة الراشدة“، ص: ۴۹، قاہرہ، 1941.

سے نکل کر گیا ہے یہ ہمارے دشمن کا قاصد ہے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کر دوں۔ نجاشی یہ سن کر انتہائی غضبناک ہوا اور کہا:

”اتسألنی ان أعطیک رسول“ کیا تم مجھ سے قتل کرنے کیلئے ایسے انسان رجل یأتیہ الناموس الاکبر کے قاصد کو حوالے کرنے کی درخواست الذی کان یاتی موسیٰ لتقله! کرتے ہو جس کے پاس وہی ناموس اکبر قال: قلت! ایہا الملک، آتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آتا اکذاک ہو؟ قال: ویحک تھا؟ اس پر عمرو بن العاص نے عرض کیا: اے یا عمرو! اطعنی واتبعہ، فانہ بادشاہ! کیا یہ معاملہ ہے؟ نجاشی نے کہا: اے واللہ لعلی الحق، ویظہرن عمرو تیرا برا ہوا میری مان اور جا کر ان کی علی من خالفہ، کما ظہر اتباع کرلو۔ خدا کی قسم! وہ بالکل حق پر موسیٰ علی فرعون و جنودہ، ہیں، جس طرح موسیٰ فرعون اور اس کی قال، قلت: افتبا یعنی لہ علی افواج پر غالب آئے تھے ٹھیک اسی طرح یہ الاسلام؟ قال: نعم، فبسط یدہ، بھی ان تمام لوگوں پر غالب آئیں گے جو فبايعته علی الاسلام. (31) انکے مخالف ہیں۔ (ابن حق عمرو بن عاص پر واضح ہو چکا تھا) کہنے لگے! کیا آپ ان کی جانب سے اسلام پر میری بیعت لیں گے؟ چنانچہ نجاشی نے ہاتھ آگے بڑھایا تو انہوں نے اس کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی۔

چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور واپس مکہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا، تاہم فتح مکہ سے قبل بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان فرمایا۔ (32)

(31) ابن ہشام، اسلام عمرو بن العاص و خالد بن الولید، ۳۰۴/۳، اسد الغابہ، تذکرہ عمرو بن العاص، ۱۱۶/۲

(32) ابن ہشام، اسلام عمرو بن العاص و خالد بن الولید، ۳۰۴/۳، اسد الغابہ، تذکرہ عمرو بن العاص، ۱۱۶/۲



اس روایت سے یہ بات بہر حال واضح ہو جاتی ہے کہ حبشہ میں فروغ اسلام میں مہاجرین کی کوشش کے علاوہ نجاشی اور دیگر حبشی مسلمانوں کے اثر و رسوخ نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہوگا۔ اس لئے یہ کہنا بجاطور پر درست ہے کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کل تعداد صرف وہی نہ تھی جو حضرت جعفرؓ کی معیت میں مدینہ حاضر ہوئے بلکہ یہ تعداد یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہوگی اور کہتے ہی نو مسلم وہ ہوں گے جو اپنی مجبور یوں کے باعث مدینہ حاضری سے قاصر رہے۔

چنانچہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ 7ھ فتح خیبر کے موقع پر باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس وفد میں وہ حبشی مسلمان بھی شامل تھے جو مہاجرین حبشہ کی دعوت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر چکے تھے اور اب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوئے تھے۔ ان حبشی مسلمانوں میں سے بعض کے نام کتب رجال اور سیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

حبشی مسلمانوں میں نجاشی کے بیٹے اریحا کے علاوہ اس کے دو بھتیجوں ذودجن اور ذومخر کے نام بھی ملتے ہیں۔ (33) ابن اشیر نے حضرت ابرہہؓ کے تذکرہ میں بھی آٹھ حبشی مسلمانوں کے نام گنوائے ہیں جو یہ ہیں بکیرؓ، ابرہہؓ، اشرفؓ، ادریسؓ، امینؓ، نافعؓ اور تمیمؓ (34) اس کے علاوہ حضرت تمامؓ، درید الرابؓ، ذومہدؓ، ذومناحبؓ اور عامر الشامیؓ کے نام بھی ملتے ہیں (35)

قبائل عرب کے لئے مبلغین کا تقرر

ابتداء میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تبلیغی و دعوتی سرگرمیوں کا مرکز زیادہ تر مکہ اور اس کی نواحی بستیوں ہی تھیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- (33) اسد الغابہ، تذکرہ ذوی مجرب، ۱۳۴/۲

- (34) اسد الغابہ، تذکرہ ابرہہؓ ۴۴/۱

- (35) یہ تمام نام اور ان کے حالات زندگی اسد الغابہ اور الاصابہ میں ان صحابہ کے تذکروں میں موجود ہیں۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ لَا يُرِيبُ فِيهِ۔ (36)

اور اس طرح ہم نے وحی کے ذریعے عربی زبان میں قرآن اتارا تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والوں کو ڈرائیں اور انہیں قیامت کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

لیکن جب قریش مکہ کی طرف سے اسلام کی مخالفت میں مسلسل تیزی اور شدت آنے لگی تو آپ ﷺ نے دیگر قبائل عرب کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ دیگر قبائل میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی بھرپور معاونت کی چنانچہ رسول اللہ ﷺ جس قبیلہ میں بھی دعوت و تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ بالخصوص حضرت صدیق اکبرؓ، زید بن حارثہ اور علی المرتضیٰؓ آپ ﷺ کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود قبول اسلام سے قبل اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے دودھ طلب کیا۔ میں نے عرض کیا: مجھے امانت دار بنایا گیا ہے (یعنی مجھے دینے کا اختیار نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو ابھی تک حاملہ نہ ہوئی ہو؟ میں نے ایک ایسی ہی بکری آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو دودھ اتر آیا، آپ ﷺ نے خود دودھ دوبا، خود پیا اور ابو بکرؓ کو بھی پلایا، پھر دوبارہ ہاتھ پھیرا تو دودھ خشک ہو گیا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھی یہ چیز سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

”اللہ تمہیں اپنی برکتوں سے نوازے۔ تم

یرحمک اللہ فانک علیم

تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔“

معلم (37)

- (36) الشورى، ٤: ٣٢ (37)

- المسند، مسند عبد الله بن مسعود، ج: ٣٥٨٤، ١/٦٢٦



اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے باہر کسی دور دراز مقام سے واپس لوٹ رہے تھے، جہاں آپ ﷺ یقیناً دعوت و تبلیغ کے سلسلہ ہی میں تشریف لے گئے ہوں گے، اور ابو بکرؓ اس دعوتی مشن میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ سفر کی طوالت کے باعث ہی آپ ﷺ نے پیاس کی شدت کے ہاتھوں مجبور ہو کر عبداللہ بن مسعود سے دودھ طلب فرمایا ہوگا۔

بعض روایات میں مزید وضاحت ملتی ہے کہ اس نوعیت کی مہمات میں نہ صرف صدیق اکبرؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوتے تھے بلکہ لوگوں سے آپ ﷺ کا تعارف بھی کرواتے تھے۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو قبائل عرب کو دعوت دینے کا حکم دیا تو رسول اللہ ﷺ دعوت و تبلیغ کے لئے نکل پڑے اور ابو بکر صدیقؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مختلف قبائل کی قیام گاہوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک مجلس میں پہنچے جس پر سکون اور وقار کے آثار نمایاں تھے۔ ابو بکر صدیقؓ آگے بڑھے اور انہیں سلام کیا اور ابو بکرؓ نیکی کے ہر کام میں سبقت کرنے والے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ نے ان سے پوچھا: آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم بنی شیبان بن ثعلبہ میں سے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: غالباً آپ لوگ سن چکے ہوں گے کہ یہاں اللہ کے رسول مبعوث ہوئے ہیں۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ یہی ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ (38)

عبداللہ بن الوصبہ العنسی اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: ہم حجرۃ الاولیٰ کے سامنے منیٰ میں خیمہ زن تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے اور زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دعوت اسلام دی۔ (39)

(38) ابن کثیر، "البدایہ"، ۱۳۲/۳، ایضاً، "السیرۃ النبویہ"، ۱۶۹/۲

الہندی، علاء الدین علی التتبی بن حسام الدین "کنز العمال"، فضائل ابی بکر

الصدیقؓ، ۳۱۹/۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت

(39) ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل ابن عمر "السیرۃ النبویہ"، ۱۷۱/۲، دار المعارف، بیروت، 1976ء

اسی طرح جس وقت رسول اللہ ﷺ اہل طائف کو دعوت اسلام دینے کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت بھی حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (40)

ان چند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جہاں کہیں بھی دعوتی و تبلیغی مشن پر جاتے تو صدیق اکبرؓ اور زید بن حارثہؓ کے علاوہ حضرت علیؓ باوجود اپنی طفولیت کے آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

کئی دور میں بعض قبائل کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کیلئے صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری دعوتی زندگی کا یہ اصول رہا ہے کہ جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا، آپ ﷺ اسے اس کے قبیلے، خاندان اور افراد خانہ کے لئے مبلغ مقرر فرمادیتے تھے۔ خصوصاً کئی دور میں اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی اس میں انفرادی دعوت کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔

ذیل کی سطور میں ان صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل اپنے اپنے قبائل میں دعوت و تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا۔

### ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبول اسلام اور دعوت اسلام

ابن الاثیر کا بیان ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ قدیم الاسلام صحابی تھے جنہوں نے مکہ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ (41)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قوم کے کثیر لوگوں نے ان کے زیر اثر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب ہمیں یمن میں اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں تو میں اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوا تا کہ ہم بارگاہ رسالت میں شرف بازیابی حاصل کریں لیکن سمندری طوفان ہمیں حبشہ لے گیا جہاں سے ہم حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہمراہ واپس آئے اور اس وقت خیبر کے سارے قلعے فتح ہو چکے تھے۔ (42)

(40) ابن کثیر "البدایہ"، ۱۳۳/۳

(41) اسد الغابہ، عبداللہ بن قیس ابوموسیٰ اشعریؓ، ۲۳۵/۳

(42) صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حجرۃ الحبشہ، ج: ۲، ص: ۳۸۷، ص: ۶۵۱

المسند رک، مناقب ابی موسیٰ اشعریؓ، ۳۶۳/۳، اسد الغابہ، تذکرہ ابوموسیٰ اشعریؓ، ۳۸۱/۵



اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر قبول اسلام کے بعد حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ واپس اپنے قبیلے میں جا کر مسلسل دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے ہوں گے اور آپؐ کی کوششوں سے اسلام قبول کرنے والوں کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف پچاس افراد تو وہ تھے جو مدینہ کے ارادہ سے آپؐ کے ساتھ آئے۔

ضماؤ زدی کا قبولِ اسلام اور دعوتِ اسلام

از دشمنوۃ عرب کے نامور قبیلوں میں سے ایک مشہور قبیلہ تھا اس کے ایک رئیس  
ضماؤ ازدی مکہ مکرمہ آئے وہ ان مریضوں کو دم کرتے تھے جنہیں آسیب یا جنات کی تکلیف  
ہوتی تھی۔ اسے یہاں کے چند احمقوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا کہ انہیں  
آسیب کی شکایت ہے، وہ ہبکی ہبکی باتیں کرتے ہیں، انہیں غشی کے دورے پڑتے  
ہیں۔ علاوہ ازیں ایک نئے مذہب کا پروپیگنڈا بھی بڑے زور و شور سے کرتے ہیں۔ جس کی  
وجہ سے سارے شہر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ ایسے بیماروں کے لئے تیرا دم  
بڑا کسیر ہے۔ اگر تم ان کو دم کر دو تو تیرے دم سے وہ صحت یاب ہو جائیں گے، اس طرح  
تمام قوم تیری شکر گزار ہوگی۔ انہوں نے دل میں طے کیا کہ اگر میری اس شخص سے ملاقات  
ہوئی تو میں ضرور اسے دم کروں گا، شاید اللہ تعالیٰ اسے میرے ذریعہ شفا یاب  
کر دے۔ چنانچہ اس نے ایک روز رسول اللہ ﷺ کو حرم کے صحن میں بیٹھ دیکھا۔ وہ حضور  
ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے میرے پاس آسیب کا بڑا مجرب دم ہے اللہ تعالیٰ  
جس کو چاہتا ہے میرے دم سے صحت بخش دیتا ہے۔ کیا آپ ﷺ کی مرضی ہے کہ میں  
آپ ﷺ کو دم کروں؟ اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ یوں گویا ہوئے:

"ان الحمد لله، نحمده ونستعينه من يهدي الله فلا مضل له ومن

يُضِلُّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ

محمد ا عبده ورسوله“

ضمادؑ یہ کلمات سن کر بے خود ہو گئے اور عرض کی ایک بار پھر دہرائیے۔ رسول اللہ

انہوں نے تین بار ان کلمات کو دہرایا۔ انہیں سننے کے بعد ضاد کہنے لگے:

لقد سمعت قول الكهنة، وقول السحرة، وقول الشعراء، فما سمعت مثل كلماتك هؤلاء، هات يدك ابا يعك على الاسلام

”میں نے کانٹوں اور جادوگروں کے اقوال سنے ہیں، شعراء کے اشعار سنے ہیں لیکن میں نے آپ ﷺ کے ان کلمات کی مثل کوئی کلام نہیں سنا۔ ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔“

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ اقدس بڑھایا ان سے بیعت لی اور پھر فرمایا: یہ بیعت صرف تمہاری طرف سے نہیں بلکہ تمہاری قوم کی طرف سے بھی ہے۔ انہوں نے کہا بیشک یہ بیعت میری قوم کی طرف سے بھی قبول فرمائیں۔ (43)

بعد کے دور میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کا گزرقوم ضاد پر ہوا۔ امیر لشکر نے پوچھا: کیا تم میں کسی نے اس قوم سے کچھ لیا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: ہاں، میں نے ایک لون لیا ہے۔ امیر لشکر نے کہا: واپس کر دو، یہ حضرت ضاد کی قوم ہے۔ (44)

اس روایت سے بالجمہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ضادؒ کی قوم ان کے زیر اثر اسلام قبول کر چکی تھی اور یہ چیز صحابہ کرامؓ کے علم میں تھی۔ اس لئے امیر لشکر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ چونکہ یہ حضرت ضادؒ کی قوم ہے جو مسلمان ہو چکی ہے اور مسلمان کا مال لوٹنا جائز نہیں اس لئے ان کا مال واپس کر دیا جائے۔

طفیل بن عمرو کی دعوتِ اسلام

حضرت طفیلؓ بن عمرو والدوسی ہجرت سے قبل بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو دل پہلے ہی نور ایمان سے لبریز ہو چکا تھا۔ قبول اسلام کے بعد خود ہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں میری قوم میں میری چلتی ہے میں ان کے پاس جا کر ان کو اسلام کی دعوت

(43) اسد الغابہ، تذکرہ ضیاء بن شعلہ الازدی ۴۱/۳-۴۲

الاصابه، تذکرہ ضیاء بن شعلبہ الازدی ۲۱۰/۲

(44) اسد الغابہ، تذکرہ ضماؤ بن ثعلبہ الازدی ۳۱/۳-۲۴



دوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی قوم کی طرف مبلغ بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ:

فلما هاجر النبي ﷺ الى المدينة هاجر اليه الطفيل فرمائی تو حضرت طفیلؓ بن عمرو نے بھی اپنی قوم بن عمرو، وہاں جہاں معہ رجل کے ایک مہاجر کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت من قومہ (45) کی

اس روایت سے فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اثر سے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن ابن ہشام اور ابن الاثیر کی روایت ہے کہ حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسری خدمت اقدس سے پلٹ کر مسلسل اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے ساتھ شرف ہجرت حاصل کیا اور یہ تمام لوگ ان ہی کے زیر اثر مسلمان ہوئے تھے۔ (46) دوس کا وفد بارگاہ رسالت میں 7 ھ میں حاضر ہوا۔ (47)

ابوذر غفاریؓ کی قبیلہ غفار کو دعوت

حضرت ابوذر غفاریؓ فطرتاً نیک سیرت انسان تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

فهل انت مبلغ عني قومك "کیا تم میری طرف سے اپنی قوم کو اسلام کا پیغام عسی اللہ ان ینفعهم بک پہنچا سکتے ہو؟ شاید تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو ویأجرک فیہم (48) نفع دے اور تمہیں اجر و ثواب عطا فرمائے۔"

(45) المسند، مسند جابر بن عبد اللہ، ج: ۳۳۹/۳۱، ۶۵۴

(46) ابن ہشام، قصۃ اسلام الطفیلؓ بن عمرو دوس، 423/1

اسد الغابہ، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو الدوسی، ۵۴/۱۳

(47) ابن سعد، وفد دوس، ۳۵۳/۱۱

(48) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ابی ذرؓ، ج: ۶۳۵۹، ص: ۱۰۸۸، ۱۰۸۶

چنانچہ واپسی پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے سب سے پہلے اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ماں کو مائل بہ اسلام کیا وہ بھی بخوشی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ پھر آپؓ نے تمام قوم کو اسلام کی طرف بلایا۔ نصف لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور باقی نے بھی ہجرت کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوذرؓ کی دعوتی سرگرمیوں نے دوسرے قبائل کو بھی متاثر کیا چنانچہ قبیلہ غفار کے متصل ہی بنو اسلم کا قبیلہ آباد تھا۔ وہ لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جس چیز پر ہمارے بھائی اسلام لائے ہیں اس پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

غفار غفر اللہ لہا و "اللہ تعالیٰ غفار کی مغفرت کرے اور اسلم کو سلامت اسلم سلم لہا اللہ (49) رکھے"

مصعب بن عمیر کا اہل مدینہ کے لئے بطور مبلغ تقرر

11۔ نبویؐ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اہل مدینہ نے ایک تربیت یافتہ معلم کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

ابعث الینا رجلاً یفقهنا فی "یا رسول اللہ ﷺ (ہمارے ساتھ کسی ایسے آدمی الدین و یقرئنا کو بھیجیں جو ہمیں دین سکھائے اور قرآن القرآن (50) پڑھائے"

چنانچہ ابن اسحاق کی روایت ہے:

فلما انصرف عنہ القوم، بعث "جب انصار بیعت کے بعد واپس پلٹے رسول اللہ ﷺ معہم مصعب بن تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ عمیر و أمرہ ان یقرئہم القرآن، مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا اور ان کو حکم و یعلمہم الاسلام، و یفقهہم فی دیا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین کی بصیرت اور صحیح سمجھ پیدا کریں۔"

(49) ایضاً (50) الوفاق السیاسیہ، ص: ۱۰

(51) ابن ہشام، العقیدۃ الاولیٰ و مصعب بن عمیر، ۱۲-۳۸



سرزمین مدینہ کو دارالہجرت کا شرف حاصل ہونے والا تھا اور یہ ایسی سرزمین تھی جسے جلد ہی مرکز اسلام بننا تھا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ مدینہ کی سرزمین میں دعوت کا کام منظم انداز میں کیا جائے تاکہ ہجرت عامہ سے سرزمین مدینہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کیلئے ایک محفوظ اور مضبوط پناہ گاہ کا کام دے سکے۔ چنانچہ جب انصار مدینہ نے ایک معلم ہمراہ بھیجنے کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ کی نگاہ انتخاب حضرت مصعب بن عمیر پر پڑی جو ہجرت حبشہ کے کٹھن مراحل سے گزر کر کندن بن چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ان جانثاروں میں سے تھے جو اسلام کی خاطر ہر مصیبت کا سامنا بڑی خندہ پیشانی سے کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ نیز رسول اکرم ﷺ کو ان کے متعلق یہ اعتماد بھی تھا کہ وہ دعوت کے ہر اسلوب سے واقفیت رکھنے والوں میں سے ہیں اور مخاطب کو متاثر کرنے کا ہر ڈھنگ جانتے ہیں۔

پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ لکھتے ہیں:

”یہ نوجوان مومنین اولین میں سے تھے اور ابھی ابھی حبشہ سے واپس آئے تھے، اس وجہ سے ان کو بہت کچھ تجربہ حاصل تھا۔ انہوں نے اعدائے دین کے ہاتھوں جو ظلم و ستم برداشت کئے تھے، اس سے ان میں نہ صرف متانت اور بنجیدگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ انہوں نے یہ بھی سیکھ لیا تھا کہ ظلم و تعدی کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیئے اور ان لوگوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیئے جو اسلام کی تعلیم کو سمجھے بغیر اسے مطعون کرتے ہیں۔ لہذا رسول اکرم ﷺ نے کامل بھروسے کے ساتھ نو مسلموں کی تعلیم و تربیت اور یثرب کی سرزمین میں نخل اسلام کی آبیاری کا مشکل کام مصعب بن عمیر کے سپرد فرمادیا۔“ (52)

پروفیسر یسین مظہر صدیقی حضرت مصعب بن عمیر کے تقرر کی حکمت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کبار صحابہ اور سابقین اولین میں سے حضرت مصعب بن عمیر عبدہری کا انتخاب ظاہر ہے کہ ان کی سبقت اسلام اور شخصی وجاہت کے سبب نہیں ہوا تھا۔ وہ یقیناً سابق صحابی تھے اور انہوں نے اسلام کیلئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ سبقت اور قربانی کا شرف رکھنے والے صحابہ موجود تھے۔ ان کا انتخاب محض اس بناء پر کیا گیا تھا کہ وہ جمہوری اعتبار سے اس منصب گرامی کیلئے موزوں ترین تھے۔ وہ پاسداران کعبہ کے خاندان کے ایک متمول خاندان عبدالدار کے فرد ہونے کے علاوہ اسلام کے وفادار و جانثار، ثابت قدم اور ٹھنڈے مزاج کے شخص تھے۔ جو اسلام کا پیکر و دنواز ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ ان کی یہی مجموعی صفات حمیدہ تھیں جنہوں نے ایک مختصر عرصہ میں اسلام کے قدم مدینہ منورہ میں مضبوطی سے جما کر ہجرت کی راہ ہموار کر دی“ (53)

مصعب بن عمیر کی دعوتی سرگرمیاں / اسلوب دعوت

حضرت مصعب بن عمیر مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان پر فروکش ہو گئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن اور اشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گولوگوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز اور تلاوت قرآن کیلئے ان کو کبھی حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے ہاں جمع کیا کرتے۔ ایک روز مصعب بن عمیر حسب معمول بنی ظفر کے ہاں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے سردار اسعد بن معاذ نے اپنے رفیق اسید بن خضیر سے کہا کہ اس داعی اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہاں آ کر ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اگر اسعد بن زرارہ سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا (اسعد بن معاذ حضرت اسعد بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی تھے) تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔ یہ سن کر اسید بن خضیر نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ کے پاس آ کر ان کو خوب گالیاں دیں اور پھر انتہائی درشت لہجہ میں کہا:

”تمہیں یہاں آنے کی کیسے جرات ہوئی؟ تم ہمارے کمزور

(53) یسین مظہر صدیقی، پروفیسر، ”عہد نبوی کا نظام حکومت“، ص: ۹۴، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو



اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرتے ہو اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔“

اس قدر ناروا اور درشت گفتگو کے باوجود حضرت مصعب بن عمیر نے بڑی نرمی سے فرمایا: ”آپ تشریف تو رکھیں اور ہماری بات سنیں۔ اگر کوئی بات معقول اور آپ کی مرضی کے مطابق ہو تو قبول کر لیجئے گا اور اگر ہماری بات آپ کو پسند نہ آئے تو ہم خود یہاں سے چلے جائیں گے۔“

اسید بن خضیر نے کہا: تم نے انصاف کی بات کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور ان کی بات کو غور سے سننے لگے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں اور پھر اسلام کے عقائد و محاسن کو اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا کہ تھوڑی ہی دیر میں اسید بن خضیر کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا اور بے تاب ہو کر کہنے لگے! کیسا اچھا مذہب ہے اور کیسی بہتر ہدایت ہے۔ اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت مصعب نے فرمایا:

”غسل کیجئے، پاک صاف ہو جائیے، کپڑے بھی پاک صاف کر لیجئے اور اس کے بعد حق کی گواہی دیجئے اور نماز ادا کیجئے۔“

چنانچہ اسید کھڑے ہو گئے غسل کیا، کپڑے پاک کئے، کلمہ توحید پڑھا اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر کہنے لگے میرے پیچھے ایک شخص ہے اگر اس نے بھی تمہاری پیروی کر لی تو اس کے بعد اس کی قوم سے کوئی فرد اسلام سے باہر نہ رہے گا۔ میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، وہ سعد بن معاذ ہے۔ پھر اپنا نیزہ لیا اور سعد اور ان کی قوم کی جانب واپس گئے۔ وہ لوگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب سعد بن معاذ نے انہیں آتے دیکھا تو کہا! میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اسید جس حالت میں گیا تھا اس سے بالکل جدا حالت میں واپس آ رہا ہے، جب وہ آ کر مجلس میں کھڑے ہو گئے تو سعد نے پوچھا: تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: ان دونوں سے گفتگو کی۔ واللہ مجھے ان دونوں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا اور میں نے انہیں منع بھی کر دیا ہے اور دونوں نے اقرار کیا ہے کہ جیسا تم پسند کرو ہم ویسا ہی کریں گے۔ البتہ مجھے خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کر کے تمہیں ذلیل کرنا

چاہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے۔ چنانچہ سعد بن معاذ غصے سے بھرے ہوئے بڑی تیزی سے اٹھے کہ کہیں بنی حارثہ ان کو واقعاً قتل ہی نہ کر دیں پھر ان کے ہاتھ سے نیزہ لیا اور تیزی سے ان دونوں کی طرف گئے۔ سعد بن معاذ نے دیکھا کہ وہاں حالات بالکل ٹھیک ہیں تو وہ سمجھ گئے کہ اسید نے یہ حیلہ فقط اس لئے کیا ہے تاکہ مجھے ان لوگوں کی باتیں سنوائی جائیں۔ چنانچہ انہوں نے جاتے ہی ان کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور اسعد بن زرارہ سے کہا:

”اے ابوامامہ! سنو! اگر تمہارے اور میرے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی تو تمہیں یہ جرأت قطعاً نہ ہوتی کہ تم ہمارے محلہ میں آ کر ایسی باتیں کرتے جنہیں ہم ناپسند کرتے ہیں۔“

حضرت مصعب بن عمیر نے ان کی گفتگو اور گالی گلوچ کو بڑے تحمل کے ساتھ سنا اور بڑی نرمی سے کہا: کیا آپ تشریف رکھ کر ہماری کچھ بات بھی سنیں گے؟ اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے مطابق ہو اور آپ کو پسند آئے تو اسے قبول کر لیجئے گا اور اگر اسے ناپسند کریں تو ناپسندیدہ بات کو آپ سے دور کر دیا جائے گا۔ سعد بن معاذ نے کہا: تم نے انصاف کی بات کہی۔ اس کے بعد اپنا نیزہ گاڑ کر ان کے پاس بیٹھ گئے پھر حضرت مصعب بن عمیر نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اور اسلام کا نقشہ کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ وہ فوراً ہی مسلمان ہو گئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ اور قوم کی طرف آئے۔ حضرت اسید بن خضیر بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

جب ان کی قوم بنی عبد الاشہل نے انہیں آتے دیکھا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم سعد بن معاذ بالکل مختلف انداز میں تمہاری طرف لوٹ رہے ہیں۔ جب وہ قوم کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تو کہا: اے بنی عبد الاشہل! تم اپنے درمیان مجھے کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا! آپ ہمارے سردار، ہم سب سے زیادہ خویش پرور، بہترین رائے والے اور بڑی عقل والے ہیں، انہوں نے کہا! تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاؤ اور پھر شام ہونے سے پہلے پہلے قبیلہ بنی عبد الاشہل نے حضرت سعد بن معاذ کے زیر اثر اسلام قبول کر لیا۔ (54)



حضرت مصعبؓ بن عمیر کا رسول اللہ ﷺ سے مسلسل رابطہ تھا اور آپؐ نبوی ہدایت کے مطابق ہی تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ان کو رسول اللہ ﷺ کا خط موصول ہوا کہ وہ یہود کے ہفتہ وار اجتماع کے مقابلے میں جمعہ کے دن زوال کے بعد مسلمانوں کو جمع کریں اور ان کو دو رکعت نماز پڑھائیں۔

امابعد! فانظر اليوم الذي تجهر فيه اليهود بالزبور  
لسبتهم، فاجمعوا نساءكم، وابناءكم فاذا مال النهار  
عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة فتقربوا الى الله  
بركعتين (55)

حضرت مصعبؓ بن عمیر کو رسول اللہ ﷺ نے 11 نبوی میں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اہل مدینہ کے ہمراہ دعوت و تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ میں کم و بیش ایک سال تک مقیم رہے اور اگلے سال 12 نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر بہتر انصار صحابہ کے ہمراہ مکہ واپس لوٹ آئے۔ اس دوران آپؓ نے مدینہ میں دعوت و تبلیغ کا کام اتنے احسن انداز میں کیا کہ اوس و خزرج کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہر طرف اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔ مختصر وقت میں دعوت کے میدان میں اتنی بڑی اور اہم کامیابی کی بڑی وجہ وہ اسلوب دعوت ہے جس کی بناء پر آپؓ نے اہل مدینہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ذیل کی سطور میں آپؓ کے اسلوب دعوت کے اہم نکات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔

- 1- حضرت مصعبؓ بن عمیر اسلام کی دعوت لے کر خود کو چوکوچہ اور گلی گلی گئے اور یہ انتظار نہیں فرمایا کہ لوگ خود چل کر ان کے پاس آئیں۔ بلکہ آپؓ مختلف محلوں میں تشریف لے جاتے اور لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے۔
- 2- آپؓ نے دعوت و تبلیغ کا کام محض اللہ و رسول ﷺ کی رضا کی خاطر کیا۔ آپؓ کے اس خلوص اور للہیت کی بنا پر بھی لوگ متاثر ہو کر حلقہ گوش اسلام ہوتے۔
- 3- حضرت مصعبؓ بن عمیر کے طریق دعوت کی ایک اہم خصوصیت دعوت بالقرآن

(55) السبیلی، ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ، "الروض الانف"، فصل فی تہجیح اصحاب رسول اللہ ﷺ

بھی ہے۔ جیسا کہ آپؓ نے اسیدؓ بن خضیر اور سعدؓ بن معاذ، کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی تو دونوں حضرات قرآن کی تعلیمات اور اس کے اسلوب بیان سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے۔ اسیدؓ بن خضیر نے قرآن سنا تو بول اٹھے! کیسا اچھا مذہب ہے اور کیسی بہتر ہدایت ہے۔

4- اگر مخاطب سے ایسے انداز میں بات کی جائے جو براہ راست دل اور عقل کو متاثر کرنے والی ہو تو داعی کے لئے اپنا کام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اسیدؓ بن خضیر اور سعدؓ بن معاذ کی دھمکیوں اور گالیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی معقول اور متاثر کرنے والی بات کہی، یعنی ان سے فرمایا: آپ تشریف رکھیں اور ہماری بات سنیں اگر کوئی بات معقول اور آپ کی پسند کے مطابق ہو تو قبول کر لیجئے گا اور اگر ہماری بات آپ کو پسند نہ آئے تو ہم خود یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپؓ نے اس انداز سے درحقیقت اپنے مخاطبین کی عقل اور دل کو متاثر کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی عملی زندگی میں قوت محرکہ اس کا دل اور عقل ہی ہے۔ لہذا اگر داعی دل اور عقل کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ یقینی طور پر اپنے مخاطب کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت مصعبؓ بن عمیر نے یہ بات کہی تو دونوں سرداروں کا ایک ہی جواب تھا! "تم نے انصاف کی بات کہی ہے۔" چنانچہ اس کے بعد دونوں وہاں سے اسلام قبول کر کے ہی اٹھے۔

5- حضرت مصعبؓ بن عمیر نے دعوت و تبلیغ میں نرمی اور تحمل مزاجی کے اسلوب کو اختیار فرمایا۔ جس کی بناء پر اسیدؓ بن خضیر اور سعدؓ بن معاذ جیسے درشت مزاج لوگوں کو بھی حلقہ گوش اسلام کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اور اس کے نتیجہ میں بالآخر سعدؓ بن معاذ نے اپنے پورے قبیلے کو بھی مسلمان بنالیا۔

قبل از ہجرت مدینہ میں نقباء اور انصار صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیاں دعوت و تبلیغ کے حوالے سے مکی اور مدنی دور ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ مکی دور کے آخری ایام میں کفار مکہ کی طرف سے مخالفت اور عداوت اس قدر بڑھ گئی











رسول اللہ ﷺ نے ان تمام پر حضرت اسعد بن زرارہ کو جو قبیلہ خزرج کی شاخ بنو نجار سے تھے، "نقیب النقباء" ☆ مقرر فرمایا۔ (64)

جہاں تک ان نقباء کے فرائض کا تعلق ہے، رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر نقیبوں کو ان کے فرائض سے اس طرح آگاہ فرمایا:

انتم علی قومکم بما فیہم "تم اپنی قوم کے معاملات کے اس طرح ذمہ کفلاء ککفالة الحواریین دار ہو جس طرح عیسیٰ بن مریم کے حواری ذمہ لعیسیٰ بن مریم، وانا کفیل دار تھے۔ اور میں بھی اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں علی قومی، قالوا! نعم (65) لوگوں نے اقرار کیا کہ ٹھیک ہے۔"

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے معاشرتی اور سیاسی معاملات کی ذمہ داریاں ان نقیبوں کو سونپی گئی تھیں۔ لیکن سب سے اہم فریضہ جو یہ نقباء انجام دیتے تھے، وہ تربیت اور تہذیب نفس کا فریضہ تھا۔ یہ لوگ اپنے حلقہ اثر میں لوگوں کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ نفس کے لئے بھرپور جدوجہد کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ، جو ان بارہ نقیبوں میں سے ہی ایک تھے، کی تربیتی مجلس مؤرخین کے ہاں مجالس ایمان کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کے انداز تربیت کو کبھی نہیں بھول سکتا، وہ جب مجھے ملتے تو بہت شفقت کے ساتھ میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرماتے: یا عویمر! اجلس فلنؤمن "میرے عزیز عویمر! آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ساعة فنذكر الله ماشاء ثم ایمان تازہ کریں، پس ہم اللہ کا ذکر کرتے يقول: یا عویمر! هذه مجالس پھر وہ فرماتے: اے عویمر! یہ ایمان کی مجالس الایمان (66) ہیں۔"

حضرت اسعد بن زرارہ نے اپنے آپ کو دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کر دیا انہوں نے مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام اور دعوت و ارشاد کا کام بڑی جدوجہد، انتہائی خلوص اور جذبہ کے ساتھ کیا، انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ میں اسلام بہت تیزی

(65) البدایہ ۱۶۲/۳ ابن سعد، ذکر العقبة الاخرة، ۲۳۳/۱ (66) اسد الغابہ، تذکرہ عبداللہ بن

رواحہ، ۱۵۷/۳ (67) ابن ہشام، اول جماعت بالمدینہ، ۲۸/۲

کے ساتھ پھیل گیا۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ مدینہ میں جمعہ کا اہتمام بھی انہیں کے زیر نگرانی تھا اور وہی اس کے بانیوں میں سے تھے۔ (67)

رافع بن مالک بن عجلان بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں شامل تھے۔ یہ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ ہی میں رہتے تھے یہ پہلے شخص تھے جو مدینہ میں سورہ یوسف لے کر آئے جب سورہ طہ نازل ہوئی تو انہوں نے اس سورت کو لکھا اور مدینہ لے آئے اور پھر بنی زریق کو اس کی تعلیم دی (68)

ابن اثیر انصار کی ہمہ گیر اور بھرپور دعوتی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فلما قدموا المدينة ذکرُوا "جب وہ واپس مدینہ پلٹے تو اپنی قوم سے لقومهم الاسلام و دعوهم اليه اسلام کا تذکرہ کیا اور ان کو اسلام کی طرف ففشافهم فلم تبق دار من بلایا پس ان میں اسلام اس طرح پھیل گیا کہ دور الانصار الا وفيها ذکر من انصار کے گھرانوں میں سے کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو۔" (69)

بیعت عقبہ سے پلٹنے والے انصار مدینہ نے دعوت کے کام کو بڑی عمدگی سے انجام دیا چنانچہ ان کی ہمہ گیر کوششوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ بہت جلد مدینہ کے ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر ہونے لگا نقباء انصار اور دیگر مسلمانوں نے بھی فروغ دعوت میں بھرپور حصہ لیا۔ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے حالات کے مطابق مختلف اسالیب دعوت اختیار کئے۔

ابن ہشام نے حضرت معاذ بن عمرو، جو کہ خود بیعت عقبہ میں شامل تھے، کی دعوتی سرگرمیوں کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا ہے، حضرت معاذ بن عمرو کے والد عمرو بن الجوع بنو سلمہ کے سردار تھے اور بت پرستی کے مرض میں مبتلا تھے۔ عرب میں چونکہ شرک کا اصلی مظہر بت ہی تھے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ نے قبول اسلام کے بعد سب سے پہلے راو تو حید سے اسی سنگ گراں کو دور کیا۔

عرب میں دستور تھا کہ سرداران قبائل خاص اپنے لئے بت بناتے تھے اور ان کو گھروں میں رکھتے تھے چنانچہ اسی روایت کے مطابق عمرو بن الجوع نے لکڑی کا ایک بت بنا کر

(68) اسد الغابہ، تذکرہ رافع "ابن مالک بن عجلان، ۱۵۷/۲

(69) اسد الغابہ، تذکرہ رافع "ابن مالک بن عجلان، ۱۵۷/۲ زاد المعاد، ۳۵/۳



گھر میں رکھا ہوا تھا۔ جب نو جوان بن ہو سکہ یعنی حضرت معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو بن الجموح نے اسلام قبول کیا تو ان دونوں حضرات نے فیصلہ کیا کہ ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ نہ صرف عمرو بن الجموح بلکہ تمام لوگوں پر بتوں کی بے بسی اور کمزوری عیاں ہو جائے۔

چنانچہ یہ لوگ رات کے وقت خفیہ طور پر آئے اور اس بت کو اٹھا کر بنی سلمہ کے ایسے گڑھے میں پھینک آئے جس میں لوگ گندگی وغیرہ پھینکتے تھے۔ عمرو بن الجموح صبح اٹھے، بت کو وہاں نہ پایا اس کی تلاش میں نکلے۔ اسے گندگی کے ایک ڈھیر پر پایا تو دھو کر اور پاک و صاف کر کے خوشبو لگا کر یہ کہتے ہوئے اس کو اسی جگہ پر رکھ دیا کہ واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کس نے تجھ سے ایسا کیا ہے تو میں اسے ضرور ذلیل کروں گا۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو ان پر جوش نو جوانوں نے بت کے ساتھ وہی سلوک دوبارہ کیا۔ اسی طرح جب یہ واقعہ پے در پے ہوا تو ایک دن عمرو بن الجموح نے بت کے گلے میں تلوار لٹکا دی اور کہا: واللہ! میں نہیں جانتا کہ کون تجھ سے یہ معاملہ کر رہا ہے اور تو بھی اسے دیکھ رہا ہے، اگر تجھ میں طاقت ہے تو خود اپنی حفاظت کر لے یہ تلوار بھی تیرے ساتھ ہے۔

رات کو یہ لوگ حسب معمول آئے اور بت کو تلوار سمیت ایک مردہ کتے کے ساتھ باندھ کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ صبح عمرو بن الجموح نے بت کو اس بری حالت میں دیکھا، اور ان کی قوم کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے بھی ان کو سمجھایا، ان پر حقیقت آشکارا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب انہوں نے اسلام قبول کر لیا (70) پھر بت کی بے بسی پر اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار تشکر کے طور پر چند اشعار کہے جن کو ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔

(70) ابن ہشام، قصہ عمرو بن الجموح، ۶۵/۲ - ۶۶

واللہ لو کنت الہا لم تکن	انت و کلب وسط بشر فی قرن
اف لملفاک الہا مستدن	الآن فتشناک عن سوء الغبن
الحمد للہ العلی ذی المنن	الواہب الرزاق دیان الدین
هو الذی انقذنی من قبل ان	اکون فی ظلمة قبر مرتھن (i)

اللہ کی قسم تو معبود ہوتا تو ایک گڑھے میں کتے کے ساتھ نہ پڑا ہوتا جو معبود ہونے کے تیرے اس طرح پڑے رہنے پر ترف ہے اب تیرے متعلق رائے کی بدترین غلطی آشکارا ہو گئی ہے۔ ساری تعریف تو اللہ کے لئے ہے جو احسانات والا، صاحب عطا، روزی دینے والا اور دین داروں کو جزا دینے والا ہے۔

وہی ذات ہے جس نے قبر کے اندر میرے میں پھنسنے سے پہلے ہی مجھے (کفر و شرک سے) بچالیا۔

(i) ابن ہشام، قصہ عمرو بن الجموح، ۶۶/۲ - ۶۷

## فصل دوم

مکی دور کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز

1- قبل از ہجرت مکہ کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز

قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کیلئے کوئی متعین تبلیغی و دعوتی مرکز نہ تھا۔ جہاں رہ کر وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ درحقیقت مکی دور میں خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی متحرک درس گاہ تھی، سفر و حضر، دن اور رات ہر حال اور ہر مقام میں آپ ﷺ ہی کی ذات دعوت و تبلیغ کا منبع تھی۔ صحابہ کرامؓ عام طور پر چھپ کر ہی قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تاہم کفار مکہ کی ستم رانیوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، خبابؓ، ابن الارت، مصعبؓ بن عمیر اور دیگر صحابہ کرامؓ قرآن مجید کی تعلیم اور اشاعت میں مصروف رہے۔ مکی دور کے ایسے مقامات اور حلقہ جات کو دعوت و تبلیغ کے مراکز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی یا قرآن کی تلاوت کی جاتی تھی۔ ذیل کی سطور میں مکی دور کے چند دعوتی و تبلیغی مراکز کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، جہاں پر صحابہ کرامؓ نے کسی نہ کسی حیثیت میں فریضہ دعوت انجام دیا۔

مسجد ابی بکرؓ

مکی دور میں دعوت و تبلیغ کا اولین مرکز حضرت صدیق اکبرؓ کی وہ مسجد تھی جو آپؓ نے اپنے گھر کے صحن میں بنا رکھی تھی۔ ابتداء میں یہ ایک کھلی جگہ تھی جس میں آپؓ قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھا کرتے تھے۔ عام طور پر آپؓ بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو کفار و مشرکین مکہ کے بچے اور عورتیں ان کے گرد جمع ہو کر قرآن سنتے، جس سے ان کا دل خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتا۔ یہ صورت حال مشرکین مکہ کو بھلا کب گوارا تھی، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو سخت اذیت میں مبتلا کیا جس کی وجہ سے آپؓ نے مکہ سے ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ مگر راستے میں قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنه سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا اے ابوبکرؓ کدھر کا ارادہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میری قوم نے مجھے



ہجرت پر مجبور کر دیا ہے اب دنیا کی سیر کروں گا اور کسی گوشہ میں اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کروں گا، مگر ابن الدغنه یہ کہہ کر آپ کو واپس لے آیا کہ آپ جیسے باکردار شخص کو ہجرت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور پھر حضرت صدیق اکبرؓ کیلئے اپنی پناہ کا اعلان کیا۔ ابو بکرؓ واپس تشریف لے آئے اور گھر کے صحن میں باقاعدہ مسجد بنائی صحیح بخاری میں ہے:

ثم بدأ لابی بکرؓ فابتنى مسجداً ”پھر ابو بکرؓ نے اپنے مکان کے باہر صحن بفساء دارہ وبرز فکان یصلیٰ میں ایک مسجد بنائی، اور اس میں نماز اور فیہ ویقرء القرآن (1)

مسجد ابی بکرؓ میں نہ کوئی مستقل معلم مقرر تھا اور نہ کوئی باقاعدہ طالب علم تھا۔ البتہ یہ مسجد تلاوت قرآن اور اشاعت قرآن کیلئے مکی دور کی اولین درس گاہ اور تبلیغی مرکز قرار دی جاسکتی ہے جہاں پر کفار مکہ کے بچے بچیاں اور عورتیں قرآن کے آفاقی پیغام کو کھن صدیقی میں سنتے تھے اور مائل بہ اسلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق حضرت عائشہؓ کی سند سے روایت کرتے ہیں:

وکان رجلاً رقیقاً، اذا قرأ القرآن ”حضرت ابو بکرؓ رقیق القلب انسان استبکی، فیقف علیہ الصبيان تھے، جب قرآن پڑھتے تو روتے، اس والعبيد والنساء، یعجبون لما یرون وجہ سے آپؓ کے پاس لڑکے، غلام اور من ہیئتہ، فمشی رجال من قریش عورتیں کھڑی ہو جاتیں، اور آپؓ کی اس الی ابن الدغنه، فقالوا: یا ابن بیت کو پسند کرتے، قریش کے چند لوگ الدغنه! انک لم تجر هذا الرجل ابن الدغنه کے پاس گئے اور اس سے کہا:

لیؤذینا! انه رجل اذا صلی ابن الدغنه! تو نے اس شخص کو اس لئے تو پناہ نہیں دی وقرأما جاء به محمدؐ تھی کہ وہ ہمیں تکلیف پہنچائے وہ ایسا شخص ہے کہ جب یرق ویسکی، وکانت لہ نماز میں وہ کلام پڑھتا ہے جو محمدؐ لایا ہے تو اس کا دل ہیئتہ و نحو، فحن نتخوف بھرتا ہے اور وہ روتا ہے۔ اس کی ایک خاص ہیئت اور علی صبياننا ونسائنا و طریقہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں بچوں، عورتوں اور دیگر ضعفنا ان یفتنہم، فأنه، فمرہ لوگوں کے متعلق خوف ہے کہ کہیں یہ انہیں فتنے میں نہ ان یدخل بیتہ فلیصنع فیہ ڈال دے اس لئے تو اس کے پاس جا اور حکم دے کہ وہ ماشاء اپنے گھر کے اندر رہے اور اس میں جو چاہے کرے۔

(1) صحیح بخاری، کتاب الکفایۃ، باب جوار ابی بکر صدیقؓ فی عہد النبیؐ، مقدمہ ج ۲۲۹، ص ۳۶۷، ایضاً کتاب اصولہ، باب المسجد فی طریق ج ۲، ص ۴۷۶، ایضاً کتاب مناقب الانصار، باب ہجرة النبی واصحابہ الی المدینہ، ج ۲، ص ۳۹۰۵۔

چنانچہ ابن الدغنه حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا تو آپؓ اس طریقے سے باز آ جائیں یا پھر میری پناہ مجھے واپس لوٹا دیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: میں نے تیری پناہ تجھے واپس کر دی۔ میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔ (2)

بیت فاطمہ بنت خطابؓ

حضرت فاطمہ بنت خطابؓ، حضرت عمر بن خطابؓ کی بہن ہیں جنہوں نے ابتدائی دور میں ہی اپنے خاوند سعید بن زید، سمیت اسلام قبول کر لیا۔ یہ دونوں میاں بیوی اپنے گھر میں ہی حضرت خبابؓ بن الارت سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ ایک دن اسلام لانے سے پہلے گلے میں تلوار حمل کئے رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادے سے نکلے، لیکن راستے میں اپنی بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو انتہائی غصے کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر ان کے مکان پر پہنچے تو ان کو قرآن کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول پایا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے:

وعندہما خباب بن الارت ”ان دونوں کے پاس خبابؓ بن الارت تھے جن الارت معہ صحیفۃ فیہا: کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی ”طہ“ یقرء ہما ایاہا (3) تھی جو وہ ان دونوں کو پڑھا رہے تھے۔

سیرت حلبیہ میں حضرت عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بہنوئی کے یہاں دو مسلمانوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا، ایک خباب بن الارتؓ اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں، خباب بن الارتؓ میری بہن اور بہنوئی کے پاس آتے جاتے تھے اور ان کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (4)

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا یہ بیان ہے:

وکان القوم جلوسا یقرء ”اور ایک جماعت بیٹھ کر صحیفہ پڑھ رہی تھی ون صحیفۃ معہم (5) جو ان کے پاس موجود تھا۔

(2) ابن ہشام، دخول ابی بکرؓ جوار ابن الدغنه ورد جوارہ علیہ، ص ۱۱۱۔

(3) ابن ہشام، اسلام عمر بن الخطابؓ، ص ۳۸۲، (4) السیرۃ الخلیفہ، ص ۱۳/۲، الارباح،

(5) السیرۃ الخلیفہ، ص ۱۳/۲، دار النفا، الارباح،



بیت فاطمہ بنت خطابؓ کو کی دور میں قرآن مجید کی تعلیم اور اشاعت کا مرکز کہا جاسکتا ہے جہاں کم از کم دو طالب علم اور ایک معلم تھا۔ اور اگر حضرت عمرؓ کے بیان میں لفظ ”قوم“ کا اعتبار کیا جائے تو یقینی طور پر یہاں قرآن پڑھنے والی ایک پوری جماعت کا پتہ چلتا ہے۔

دارِ ارقم

حضرت ارقم بن ابی الارقم سابقون اولون اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ آپؓ کے بیٹے عثمان بن ارقم، جو ثقہ محدث ہیں، کہا کرتے تھے:

انا ابن سبع الاسلام، ”میں (عثمان) ایک ایسی ہستی کا فرزند ہوں جنہیں اسلم ابی سابع سبعة (6) اسلام میں ساتواں درجہ حاصل ہے، میرے والد اسلام قبول کرنے والے ساتویں آدمی ہیں۔“

حافظ ابن حجر نے بھی الاصابہ میں ابن سعد کے قول کو ہی اختیار کیا ہے تاہم ابن الاثیر کے مطابق حضرت ارقم کا قبول اسلام میں دسواں یا بارہواں نمبر ہے۔ (7)

البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ارقمؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔

وكانت داره على الصفاء ”مکہ میں ان کا مکان کوہ صفا کے اوپر تھا۔“

(8)

(6) المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۵۰۲/۳

(7) اسد الغابہ، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۶۰/۱ (8) المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۵۰۲/۳ حضرت ارقم کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا۔ کنیت ابو عبد اللہ اور سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ارقم بن (ابی الارقم) عبد مناف بن (ابی جندب) اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم (i)، حضرت ارقم کی والدہ کا نام تماضر بنت خدیج تھا جو قبیلہ بنو سہم بن عمرو بن ہشیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ (ii) حضرت ارقم کا قبیلہ بنو مخزوم قریش مکہ کے سرکردہ اور با اثر قبائل میں سر فرست تھا اس قبیلے کے جد امجد مخزوم بن یثمد کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔ یثمد مرہ بن کعب کا بیٹا تھا اور سر تاج قریش قصی (جو ہاشم بن عبد مناف کا باپ تھا) کا باپ کلاب بن مرہ بن کعب کا بیٹا تھا۔ (iii) رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی عبد اللہ بن عبد المطلب کی والدہ ماجدہ فاطمہ (بنت عمرو بن عائد بن عمران بن مخزوم بن یثمد مرہ بن مرہ) کا تعلق بھی بنو مخزوم ہی سے تھا۔ (iv) حضرت ارقم امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں 55ھ اور ایک روایت کے مطابق 53ھ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دارِ ارقمؓ کے نام سے شہرت حاصل کرنے والے اس مکان کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مکان ”دار الاسلام“ کے متبرک لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (9)

مشرکین مکہ جب اسلام کے پھیلاؤ کو کسی طرح بھی نہ روک سکے تو انہوں نے کمزورضعفاء اسلام پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں آزادانہ نماز ادا کرنے سے روکتے، ذکر الہی اور تلاوت قرآن میں خلل انداز ہوتے، دست درازی کرتے اور اکثر ان کا رویہ انتہائی گستاخانہ ہوتا تھا۔ حالات اس قدر نازک ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کے لئے گوشوں اور گھاٹیوں تک میں محفوظ اور آزادانہ طور پر عبادت اور نماز کا ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے:

”ایک دفعہ مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ

اپنے خانیق حقیقی سے جا ملے اس وقت ان کی عمر تراسی (83) یا پچاسی (85) برس تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق سعد بن ابی وقاص نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (v) امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری کا قول ہے: مکان الارقم من آخر اہل بدر وفاء (vi) ”حضرت ارقمؓ بدری صحابہ میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے۔“ حضرت ارقم نے وقف علی الاولاد کے طور پر اپنے گھر کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ حضرت ارقم نے اپنے گھر کو وقف فی سبیل قرار دینے سے متعلق جو شیعہ تحریر کیا تھا امام حاکم نے وہ عبارت نقل کی ہے وہ عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما قضی الارقم فی ربعة ما حاز الصفا انها صدقة

بمسکنها من الحرم لا تباع ، ولا تورث شهيد هشام بن العاص ومولى هشام بن

العاص. (vii)

یہ وہ فیصلہ ہے جو ارقمؓ نے اپنی حویلی کے متعلق دیا جو کوہ صفا کے ساتھ واقع ہے۔ حرم پاک کے قریب ہونے کے باعث یہ حویلی مشحون حرم محترم قرار دی جاتی ہے۔ نہ یہ فروخت ہوگی نہ وراثت میں دی جائے گی۔ اس پر ہشام بن عاص اور مولى ہشام بن عاص گواہ ہیں۔

(i) الاستیعاب، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۱۳۱/۱ (ii) ایضاً، اسد الغابہ، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۶۰/۱، المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۵۰۲/۳

(iii) ابن حزم، ابو محمد علی احمد بن سعید، ”تہذیب انساب العرب“، ۱۳۱: دار المعارف، قاہرہ

الانساب، ۱۳۱: ۷۵ (v) اسد الغابہ، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۶۰/۱ (vi) المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۵۰۲/۳

(vii) المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۵۰۲/۳

(9) ابن سعد، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ۲۳۳/۳



مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو سخت ست کہنا شروع کیا۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا یہ پہلا خون تھا جو اسلام کے بارے میں بہایا گیا۔ (10)

یہ وہ سنگین حالات تھے جن میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر دار ارقم میں پناہ گزین ہو گئے تاکہ مسلمان پورے انہماک سے اپنے رب کے حضور اپنی جبین نیاز کو جھکا سکیں، چنانچہ جلد ہی دار ارقم اسلام اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا جہاں پر نہ صرف لوگوں کو دائرۃ اسلام میں داخل کیا جاتا تھا بلکہ ان کی مناسب تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس بھی کیا جاتا تھا ابن سعد کی روایت ہے:

كان النبي ﷺ يسكن فيها "رسول اللہ ﷺ ابتداءً اسلام میں ہی اس فی اول الاسلام وفيها مكان (دار ارقم) میں رہتے تھے، لوگوں کو اسلام يدعو الناس الى الاسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگوں نے فاسلم فيها قوم كثير (11) یہاں اسلام قبول کیا۔"

ابن جریر طبری بھی اسی عہد نبوت میں دار ارقم کو دعوتی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیتے ہیں جہاں پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا چنانچہ حضرت ارقم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(10) ابن هشام، مباداة رسول اللہ ﷺ قومہ، وما كان منهم، ۲۶۳/۱ ☆ لفظ "دار" عموماً بڑے گھروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "بيت" یا "منزل" بھی اگرچہ عربی الفاظ ہیں مگر ان کی حیثیت "دار" کے سم تر ہے۔ دار سے مراد ایسا مکان یا رہائش گاہ ہے جس کی چار دیواری بالکل محفوظ ہو۔ جس میں خواب گاہیں، صحن اور کمرے ہوں۔ (i) ابن منظور نے "لسان العرب" میں ابن جنی کا قول نقل کیا ہے کہ جہاں لوگ محفوظ اور آزادانہ گزر بسر کر سکتے ہوں، اسے "دار" کہتے ہیں۔ (ii)

(i) تاج العروس، فصل الباء من باب التاء، ۵۲۹/۱

(ii) ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، "لسان العرب"، دار، ۲۹۸/۴، نشر ادب الحوزہ قم،

ایران، ۱۴۰۵ھ

(11) ابن سعد، تذکرہ ارقم بن ابی ارقم، ۲۳۲/۳، تذکرہ ارقم بن ابی ارقم، ۵۰۲/۳

وكان داره على الصفا، وهي "حضرت ارقمؓ کا گھر کوہ صفا پر واقع تھا اور یہی الدار البتی كان النبي ﷺ وہ گھر ہے جہاں آغاز اسلام میں رسول یكون فيها فی اول الاسلام اللہ ﷺ رہا کرتے تھے۔ یہیں پر آپ ﷺ وفيها دعا الناس الى لوگوں کو دعوت اسلام دیا کرتے تھے اور یہاں پر الاسلام فاسلم فيها قوم بہت سے لوگ حلقہ گوش اسلام ہوئے"

کثیر (12)

ابن عبد البر اپنی شہرہ آفاق کتاب "الاستيعاب فی معرفة الاصحاب" میں حضرت ارقمؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

وفي دار الارقم بن ابی الارقم "یہ ارقم بن ابی ارقمؓ وہی ہیں جن کے گھر هذا كان النبي ﷺ مستخفيا میں رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں قریش من قریش بمكة يدعو الناس سے پوشیدہ مقیم رہتے تھے۔ کھل کر سامنے فيها الى الاسلام فی اول آنے سے قبل اسلام میں آپ ﷺ یہاں الاسلام حتى خرج پر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت عنها، وكانت داره بمكة على دیتے تھے۔ حضرت ارقمؓ کا یہ مکان مکہ میں الصفا فاسلم فيها جماعة کوہ صفا پر واقع تھا، چنانچہ یہاں پر بہت کثیر (13) بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔"

دار ارقم کے مرکز اسلام بننے کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام اب قدرے اطمینان کے ساتھ مشرکین کی نظروں سے اوجھل انجام پانے لگا۔ دعوت اسلام کا یہ وہ مرحلہ ہے جس میں مکہ مکرمہ کے بے کس، زیر دست

اور غلام اس نئی تحریک میں اپنی دنیا و آخرت کی نجات تصور کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ ابن الاثیر نے حضرت عمار بن یاسرؓ اور صہیب رضیؓ کے قبول اسلام کے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے۔

(12) الطبری، محمد بن جریر، "تاریخ الامم والملوک"، ۲۳۰/۳، المطبعة الحسینیة،

(13) ابن عبد البر، "الاستيعاب فی معرفة الاصحاب"، تذکرہ ارقم بن ابی ارقم، ۱۳۱/۱، دار الجلیل، بیروت



ایک دن یہ دونوں حضرات چھپتے چھپاتے اور دبے پاؤں دار ارقم کے دروازہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں، حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر گفتگو کا راز دارانہ انداز شروع ہو جاتا ہے۔ عمار بن یاسرؓ خود بیان کرتے ہیں:

”میں نے صہیبؓ سے پوچھا تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ صہیبؓ نے کہا! تم کیوں کھڑے ہو؟ میں نے کہا! میں چاہتا ہوں کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤں اور ان کی باتیں سنوں، صہیبؓ نے کہا! میں بھی تو یہی چاہتا ہوں“

چنانچہ یہ دونوں حضرات اکٹھے ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان بزرگوں کا اسلام تمیز سے کچھ زائد آدمیوں کے بعد ہوا۔ (14)

دار ارقم نہ صرف ضعفاء اسلام کی جائے پناہ تھی بلکہ یہاں صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ اجتماعی طور پر عبادات، ذکر اللہ اور دعاؤں کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہتا تھا۔ اس میں وہ دعا خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطابؓ اور (ابو جہل) عمرو بن ہشامؓ میں سے کسی ایک کے قبول اسلام کیلئے مانگی تھی۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے، راستہ میں اپنی بہن فاطمہ بنت خطابؓ کے گھر سورہ طہ کی تلاوت سنی تو کایا ہی پلٹ گئی، ان کو مائل بہ اسلام دیکھ کر حضرت خبابؓ بن الارت نے انہیں خوشخبری کے انداز میں بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دار ارقم میں یہ دعا کرتے سنا ہے:

اللهم اید الاسلام بابی الحکم بن اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن ہشام او بعمر بن الخطاب (15) خطابؓ سے اسلام کی تائید فرما۔

چنانچہ حضرت عمرؓ یہاں سے سیدھے دار ارقم پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ دار ارقم ”دار الاسلام“ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے ”دار الشوری“ بھی تھا۔ پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ جیسے اہم معاملات بھی اسی جگہ باہمی مشاورت ہی سے انجام پائے۔ ابن ہشام کے الفاظ اس مجلس مشاورت کی صاف غمازی

کر رہے ہیں:

قال لهم لو خرجتم الى ارض رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا! اگر الحبشة فان بهاملكا لا يظلم تم سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک عندہ احد، وہی ارض بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا صدق، حتی يجعل الله لكم جنتہا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ فرجا مما انتم فيه (16) تمہیں اس مشکل سے نجات دلا دے جس میں تم گرفتار ہو“

ان الفاظ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ خطاب صحابہ کرامؓ کے کسی اجتماع سے ہی ہوگا جو دار ارقم میں انعقاد پذیر ہوگا۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جمع ہوئے اور باہمی مشاورت سے طے کیا کہ قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کبھی نہیں سنا لہذا کوئی ایسا شخص ہو جو یہ فریضہ انجام دے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ ذمہ داری قبول کی اور قریش کو ان کی مجلس میں جا کر قرآن کی طرف دعوت دی۔ (17)

اگرچہ یہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی کہ صحابہ کرامؓ کی یہ مجلس مشاورت کہاں پر منعقد ہوئی تاہم گمان یہی ہے کہ یہ مجلس مشاورت دار ارقم ہی میں قائم ہوئی ہوگی، کیونکہ اس کے علاوہ صحابہ کا اجتماع کسی اور جگہ پر مشکل تھا۔

ابتدائی دور کے تذکرہ نگار اور مؤرخین رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں فروکش ہونے کو اتنا اہم اور انقلابی واقعہ تصور کرتے ہیں کہ واقعات سیرت و تذکرہ صحابہ میں یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ یہ واقعہ دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل کا ہے اور یہ اس کے بعد کا ہے۔ گویا جس طرح عام افیل اور حلف الفضول جیسے واقعات کے حوالے سے اہل مکہ اپنی معاصر تاریخ کے واقعات کا تعین کرتے تھے مسلمان مؤرخین بھی مکی عہد نبوت میں سیرت و تاریخ اسلام کے واقعات کا تذکرہ اور اندراج بھی ہادی اسلام ﷺ کے دار ارقم میں فروکش ہونے کے حوالے سے کرتے ہیں۔ مثلاً مؤرخ ابن الاثیر نے مسعود بن ربیعہ،

(16) ابن ہشام، ذکر الحجۃ الاولى الى ارض الحبشہ، ۳۵۸/۱

(17) ایضاً، اول من جہر بالقرآن، ۳۵۱/۱

(14) اسد الغابہ، تذکرہ عمار بن یاسرؓ، ۴۳/۳

(15) ابن ہشام، اسلام عمر بن الخطابؓ، ۳۸۳/۱ اکال فی التاریخ، ۵۸۱/۲



عامر بن فہیرہ، معمر بن حارث وغیرہ کے تراجم (تذکروں) میں تصریح کی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں منتقل ہونے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ اسی طرح مصعب بن عمیر، صہیب بن سنان، طلیب بن عمیر، عمار بن یاسر، عمر فاروق وغیرہ کے تذکروں میں ابن الاثیر نے تصریح کی ہے کہ یہ لوگ دار ارقم میں جا کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تھے۔ (18)

ابن سعد نے مہاجرین مکہ میں سے اولین و سابقین اسلام کے قبول دین حق کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ حضرات کون کون تھے جو دار ارقم کو دعوت دین کا مرکز بنانے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ابن سعد نے مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ کے تذکروں میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں تشریف فرما ہونے سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، زید بن حارثہ، عبیدہ بن حارث، ابو حذیفہ بن عتبہ، عبداللہ بن جحش، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، خطاب بن الارت، مسعود بن ربیع، واقد بن عبداللہ، عامر بن فہیرہ، ابوسلمہ بن اسد، سعید بن زید، عامر بن ربیعہ، خنیس بن حذافہ، عبداللہ بن مظعون اور حاطب بن عمرو۔ اسی طرح ابن سعد نے ان بزرگوں کی بھی نشاندہی ضروری سمجھی ہے جو دار ارقم کے اندر آ کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت صہیبؓ، عمار بن یاسرؓ، مصعب بن عمیرؓ، عمر بن خطابؓ، عاقل بن ابی بکر، عامر بن ابی بکر، ایاس بن ابی بکر اور خالد بن ابی بکر شامل ہیں۔ (19)

ابن سعد کے اس طرز ترتیب سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک دار ارقم کو دین حق کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنانے کا واقعہ ایک ایسا نقطہ تغیر ہے جس نے دنیا کی بے مثال اور انقلابی اسلامی تحریک کو ایک نیارخ عطا کرنے میں ایک محفوظ پناہ گاہ اور بے مثال تربیت گاہ کا کام دیا۔ اس بات پر تمام مؤرخین اور محققین کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام تک دار ارقم میں ہی مقیم رہے۔ جبکہ بعض روایات کے مطابق حضرت عمرؓ نے نبوت کے چھٹے سال میں اسلام قبول کیا تھا۔ البتہ

(18) تفصیل کے لئے "اسد الغابہ" میں ان صحابہ کرامؓ کے تراجم ملاحظہ کیجئے۔

(19) ابن سعد، ۲۲۵، ۲۲۳، ۱۱۵/۳

مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں کب فروکش ہوئے اور کتنا عرصہ دار ارقم مسلمانوں کی پناہ گاہ کا کام دیتا رہا۔ اگرچہ بعض مؤرخین نے دار ارقم میں قیام کی مدت کے حوالے سے چھ ماہ اور ایک ماہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں (20) لیکن اگر ماخذ کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کا قیام کافی مدت تک رہا۔ اگرچہ اس مدت کا تعین تو مشکل ہے اور یہ بتانا بھی ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کب دار ارقم میں پناہ گزین ہوئے تاہم مؤرخین کے بعض نامکمل اشارات سے ہم اس مدت کا اندازہ ضرور کر سکتے ہیں مثلاً ابن الاثیر حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”عمر بن خطاب تلوار لٹکائے گھر سے نکلے ان کا ارادہ (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا تھا۔ مسلمان بھی آپ ﷺ کے ساتھ دار ارقم میں جمع تھے، جو کوہ صفا کے پاس تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ان مسلمانوں میں سے تقریباً چالیس مردوزن کے ساتھ وہاں پناہ گزین تھے جو ہجرت حبشہ کے لئے نہیں نکلے تھے۔ (21)

ابن الاثیر کے اس قول سے واضح ہوتا ہے:

- 1- حضرت عمرؓ نے ہجرت حبشہ کے بعد اسلام قبول کیا جبکہ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ پہلی ہجرت حبشہ ماہ رجب 5ؓ نبوی میں پیش آئی۔ (22)
- 2- دار ارقم میں صرف وہ مسلمان پناہ گزین ہوئے تھے جو کسی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے۔ لہذا ان باقی ماندہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس تھی نہ کہ اس وقت تک اسلام قبول کرنے والوں کی کل تعداد ہی چالیس تھی۔

پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ کا فیصلہ دار ارقم ہی میں باہمی مشاورت سے ہوا تھا۔ اس لحاظ سے اگر حضرت عمرؓ کے قبول اسلام اور ہجرت حبشہ کے درمیانی عرصہ کو شمار کیا جائے تو وہ بھی ایک سال سے زائد ہی بنتا ہے۔ جبکہ یہ بدیہی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت حبشہ

(20) حلیۃ الاولیاء، ۱۹۲/۱-۱۹۵ (21) اکال فی التاريخ، ۵۸/۲

(22) زاد المعاد، ۱۰۰/۲ تاریخ الامم والملوک، ۹۵/۱



سے کافی پہلے دار ارقم میں پناہ گزیں ہو چکے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی ایک دو سالوں میں ہی رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں مقیم ہو گئے تھے۔ مثلاً ابن الاثیر حضرت عمار بن یاسرؓ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے اسلام لانے کے بعد) دیکھا تو آپ ﷺ کے ساتھ صرف پانچ غلام، عورتیں اور ابو بکر صدیقؓ تھے۔“ (23)

مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ ابتداء میں اسلام قبول کرنے والے سات آدمیوں میں سے ایک تھے۔ (24) جبکہ اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دار ارقم میں جا کر اسلام قبول کیا (25) اس صورت میں تو رسول اللہ ﷺ کا ابتداء اسلام ہی میں دار ارقم میں قیام پذیر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت حمزہؓ نے کب اسلام قبول کیا؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اعلان نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے اعلان نبوت کے چھٹے سال۔ لیکن علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آپؐ اعلان نبوت کے دوسرے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر جوہرؒ نے رجال کے امام ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

واسلم فی السنة الثانية ”آپؐ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے اور من البعثة ولازم نصر ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کرتے رہے اور آپ رسول اللہ ﷺ وهاجر ﷺ کے ساتھ ہی ہجرت کی“

معہ (26)

اگرچہ ابن حجر نے 6 نبوی کا قول بھی نقل کیا ہے لیکن ”قیل“ کے ساتھ جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں:

اسلم فی السنة الثانية ”آپؐ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے“ ☆ من المبعث (27)

(23) اسد الغابہ، تذکرہ عمار بن یاسرؓ، ۴۴/۴ (24) ایضاً (25) ایضاً

(26) الاصابہ، تذکرہ حمزہؓ بن عبد المطلب، ۳۵۴/۱

(27) اسد الغابہ، تذکرہ حمزہؓ بن عبد المطلب، ۳۶۱/۲

حضرت عمرؓ نے حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام قبول کیا اور علماء محققین کی یہ رائے بھی بیان کی گئی ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہؓ نبوت کے دوسرے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمرؓ نے نبوت کے دوسرے سال حضرت حمزہؓ کے تین دن بعد رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ اس قول کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ آپؐ سے پہلے انتالیس مرد مسلمان ہو چکے تھے۔ آپؐ کے مسلمان ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے:

لقد رايتني وما اسلم مع رسول ”میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اللہ ﷺ الا تسعة وثلاثون ساتھ صرف انتالیس آدمی اسلام لائے چکے ہیں اور میں نے ایمان لا کر چالیس کا عدد وکملتہم اربعین (28) مکمل کیا“

حاصل بحث یہ ہے کہ اگر محققین کے اس قول کا اعتبار کیا جائے کہ حضرت حمزہؓ اور عمرؓ نے نبوت کے دوسرے سال ہی اسلام قبول کر لیا تھا تو یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت ابتداء ہی میں دار ارقم کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا چکے تھے۔ کیونکہ اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں حضرات نے دار ارقم میں ہی جا کر اسلام قبول کیا تھا۔

مؤرخین اسلام اور سیرت نگاروں کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے:

1- رسول اللہ ﷺ یہاں آنے والے طالبان حق کو دعوت اسلام دیتے تھے اور جو یہاں آیا فیض ہدایت پا کر ہی نکلا۔

2- دار ارقم اہل اسلام کے لئے اطمینان قلب اور سکون کا مرکز تھا، بالخصوص

(28) ابن حجر، ابوالحسن، احمد بن علی ”فتح الباری“ کتاب فضائل الصحابہ، مناقب عمر بن الخطابؓ،

۴۸۱/۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۰۱ھ محمد کرم شاہ الازہری نے بڑے مشہور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت حمزہؓ

نبوت کے دوسرے ہی سال مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، (i)

(i) محمد کرم شاہ الازہری، ”ضیاء النبی“، ۲۵۶/۳-۲۵۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2000ء



نادار، ستائے ہوئے اور مجبور و مقہور اور غلام یہاں آ کر پناہ لیتے تھے۔

3- یہاں پر ذکر اللہ اور وعظ و تذکیر کا فریضہ بھی مسلسل انجام پاتا تھا، رسول اللہ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ اجتماعی دعائیں بھی فرماتے تھے۔ حضرت خبابؓ کے بیان سے تو یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حسن انسانیت یہاں راتوں کو بھی بندگانِ خدا کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں فرماتے تھے۔

4- اس مکان میں مبلغین اسلام کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا تھا، تبلیغ کے آئندہ منصوبے بنتے تھے اور خود مبلغین کی تربیت کا کھن کام بھی انجام پاتا تھا۔ دار ارقم کے تربیت یافتہ معلمین میں سے حضرت ابو بکرؓ، خبابؓ، بن الارت، عبد اللہ بن مسعود اور مصعب بن عمیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

5- دار ارقم مسلمانوں کے لئے دار الاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ ”دار الشوری“ بھی تھا۔ جس میں باہمی مشاورت سے آئندہ تبلیغ کے منصوبے بنتے تھے۔ ہجرت حبشہ کا فیصلہ بھی باہمی مشورہ سے یہیں پر طے ہوا، اور اس جگہ کو تاریخ اسلام میں وہی مقام حاصل تھا جو قریش کے ہاں دار الندوہ کو حاصل تھا۔

6- دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کا پناہ گزین ہونا ایک تاریخ ساز مرحلہ تھا اور یہ بھی حلف الفضول، حرب الفجار اور عام الفیل جیسا مہم بالشان واقعہ تھا جس طرح کفار مکہ اپنی معاصر تاریخ کا تعین ان واقعات سے کرتے تھے اسی طرح مسلمان مؤرخین بھی مکی عہد نبوت میں پیش آنے والے واقعات کا تعین دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کے داخل ہونے سے قبل اور بعد کے حوالے سے کرتے ہیں۔

7- حضرت ارقمؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بہت ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ انہوں نے بہت ابتداء ہی میں اپنے مکان کو تبلیغی سرگرمیوں کے لئے وقف کر دیا ہو اور آپ ﷺ ابتدائی سالوں میں ہی دار ارقم کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا چکے ہوں۔

8- مؤرخین کے مختلف بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کی مدت ایک سال سے بہر حال زائد تھی۔

9- کفار مکہ مسلمانوں کے دار ارقم میں پناہ گزین ہونے سے پوری طرح واقف تھے۔ (29) تاہم دار ارقم کی اندرونی سرگرمیوں اور منصوبہ بندیوں سے وہ قطعاً ناواقف تھے۔

### شعب ابی طالب

کفار مکہ کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی اس تحریک کو موت کی نیند سلا دیں گے، لیکن جب ان کی تمام مساعی اور تدبیروں کے باوجود اسلام کا دائرہ پھیلتا ہی چلا گیا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ اور عمرؓ جیسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور نجاشی کے دربار میں بھی ان کے سفیروں کو ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس چوٹ نے کفار مکہ کو مزید حواس باختہ کر دیا، چنانچہ ان لوگوں نے طویل غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے، چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے قربت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا اور نہ ہی ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبۃ اللہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔ (30)

حضرت ابوطالب مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ اور تمام خاندان بنی ہاشم سمیت شعب ابی طالب میں محرم 7ء نبوی میں محصور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان سمیت اس حصار میں تین سال بسر کئے۔ ایام حج میں چونکہ تمام لوگوں کو امن تھا اس لئے حج

(29) تمام رؤساء قریش رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی جائے پناہ سے واقف تھے۔ اسی لئے جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ ارادہ قتل سے نکلے تو وہ سیدھے دار ارقم کی طرف ہی جا رہے تھے۔ البتہ بعد میں رخ تبدیل کر کے اپنی بہن کے ہاں چلے گئے۔ (i) اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ابو جہل کے ساتھ مذہبیڑ کا مشہور واقعہ، جس کے نتیجے میں حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا، بھی کوہ صنایعین دار ارقم کے بالکل قریب ہی پیش آیا تھا۔ یقیناً ابو جہل آپ ﷺ کی قیام گاہ سے بھی واقف ہو گا۔ (ii) ویسے بھی مکہ جیسے کم آبادی والے شہر میں تیس چالیس افراد کا کسی جگہ آتے جاتے رہنا ایسی بات تھی جو اہل مکہ سے پوشیدہ رہ سکتی۔

(i) ابن حشام، اسلام عمر بن الخطابؓ، ۳۸۱/۱

(ii) ایضاً، اسلام حمزہؓ، ۳۲۸/۱

(30) ابن حشام، خبر الصحیفہ، ۳۸۸/۱



کے موسم میں رسول اللہ ﷺ شعب ابی طالب سے باہر نکل کر مختلف قبائل عرب کو دعوت دیتے جبکہ باقی اوقات میں آپ ﷺ اسی گھاٹی میں مسلمانوں کی تربیت فرماتے۔ شعب ابی طالب میں خاندان بنی ہاشم کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی کے اشارات بھی ملتے ہیں۔ امام سہیلؒ نے سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان نقل کیا ہے، سعد بن ابی وقاصؓ خود بھی محصورین میں شامل تھے وہ فرماتے ہیں:

لقد جعت حتی انی وطئت ”میں ایک دن از حد بھوکا تھارات کو اندھیرے ذات لیلۃ علی شیء رطب میں میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آ گیا میں نے اسے ووضعتہ فی فمی وبلعته وما اٹھا کر منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے اتنی ہوش بھی ادری ماہوالی الان (31) نہ تھی کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔“

اسی طرح حضرت عتبہ بن غزوہؓ نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

فلقد رأیتنی سابع سبعة مع ”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتواں رسول اللہ ﷺ مالنا طعام مسلمان تھا اور ہمارے پاس کھانے کے لئے ناکلہ الا ورق الشجر، حتی درختوں کے پتوں کے سوا کچھ نہ تھا، حتی کہ قرحت أشد اقنا (32)

یہ اور اسی نوعیت کی وہ تمام حدیثیں جن میں صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم گھاس اور پتیاں کھا کر گزر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے۔ اس نوع کی احادیث سے جہاں محصوری کے اس دور میں صحابہ کرامؓ کی مشکلات کا پتہ چلتا ہے وہاں شعب ابی طالب میں صحابہ کرامؓ کی موجودگی کا بھی واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔ محصوری کے اس دور میں جس قدر وحی نازل ہوئی یقیناً شعب ابی طالب میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس کی تعلیم دی ہوگی اور یہاں صحابہ کرامؓ بھی دینی امور پر تبادلہ خیال کرتے ہوں گے۔ اس لحاظ سے شعب ابی طالب کو بھی مکی عہد نبوت کا ایک دعوتی مرکز قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں

(31) الروض الالف، حدیث نقض الصغیر، ۲۳۲/۱، حلیۃ الاولیاء، تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ، ۱۳۶/۱-۱۳۷/۱

(32) المسند، حدیث عتبہ بن غزوہؓ، ج: ۲، ۵۲/۶، ۲۰۰۸، الاستیعاب، تذکرہ عتبہ بن غزوہؓ، ۱۰۲/۳

حلیۃ الاولیاء، تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ، ۱۳۶/۱

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہر صرہ تین سال تک تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔

## 2- قبل از ہجرت مدینہ کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز

بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام انتہائی سرعت کے ساتھ پھیلا۔ بالخصوص حضرت مصعبؓ بن عمیر کے خوبصورت اور دلکش اسلوب دعوت کی بدولت انصار کے دونوں قبائل اوس و خزرج کے عوام اور اعیان و اشراف جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور ہجرت عامہ سے دو سال قبل ہی وہاں مساجد کی تعمیر اور قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے:

لقد لبثنا بالمدينة قبل أن يقدم ”ہمارے یہاں رسول اللہ ﷺ کی تشریف علینا رسول اللہ ﷺ سنتین، آوری سے دو سال پہلے ہی ہم لوگ مدینہ نعمر المساجد ونقیم میں مساجد کی تعمیر اور نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے۔“

## الصلوة (33)

اس دو سالہ درمیانی مدت میں تعمیر شدہ مساجد میں نماز کی امامت کروانے والے صحابہ کرامؓ ہی معلم کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ اسی دوران مدینہ منورہ میں تین مستقل درس گاہیں قائم ہو چکی تھیں اور ان میں باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چونکہ اس وقت تک صرف نماز ہی فرض ہوئی تھی اس لئے قرآن مجید کے ساتھ عموماً نماز کے احکام و مسائل اور مکارم اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ تینوں درس گاہیں اس طرح اہل مدینہ کی دینی ضروریات کو اس انداز میں پورا کر رہیں تھیں کہ شہر مدینہ اور اس کے انتہائی کناروں اور آس پاس کے مسلمان آسانی سے وہاں تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔

پہلی درس گاہ قلب شہر میں مسجد بنی زریق تھی۔ دوسری درس گاہ مدینہ کے جنوب میں تھوڑے فاصلے پر قبا میں تھی اور تیسری درس گاہ مدینہ کے شمال میں کچھ فاصلے پر ”نقیع الخصاصات“ نامی علاقے میں تھی ان تین مستقل تعلیمی مراکز کے علاوہ انصار کے مختلف قبائل اور آبادیوں میں قرآن اور دینی احکام کی تعلیم جاری تھی۔ اور ان کے معلم و منتظم انصار کے رؤسا اور با اثر حضرات تھے۔ مکہ مکرمہ میں ضعفاء و مساکین نے سب سے پہلے دعوت اسلام



پر لپیک کہا اور سردارانِ قریش کے مظالم اور جبر و تشدد کا نشانہ بنے۔ جبکہ مدینہ منورہ کے مسلمانوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ یہاں سب سے پہلے سردارانِ قبائل نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا اور دعوتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ بالخصوص قرآن مجید کی اشاعت اور تعلیم کا معقول انتظام کیا۔ قبل از ہجرت مدینہ میں جو درس گاہیں تعلیم قرآن کا مرکز تھیں ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

### درس گاہ مسجد بن زریق

مدینہ منورہ میں تعلیم قرآن کا اولین مرکز اور درس گاہ مسجد بن زریق تھی۔ ابن قیم

لکھتے ہیں:

فاول مسجد قرئ فیہ القرآن ”مدینہ میں سب سے پہلے جس مسجد میں بالمدینہ مسجد بنی قرآن پڑھا گیا وہ مسجد بنی زریق ہے۔“

### زریق (34)

اس درس گاہ کے معلم حضرت رافعؓ بن مالک زرقی قبیلہ خزرج کی شاخ بنی زریق سے تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور دس سال کی مدت میں جس قدر قرآن نازل ہوا تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا جس میں سورہ یوسف بھی تھی۔ اپنے قبیلہ کے نقیب اور رئیس تھے۔ انہوں نے مدینہ واپس آنے کے بعد ہی اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم پر آمادہ کیا۔ اور آبادی میں ایک بلند جگہ (چبوترے) پر تعلیم دینی شروع کی۔ مدینہ میں سب سے پہلے سورہ یوسف کی تعلیم حضرت رافعؓ ہی نے دی تھی۔ جب مکہ میں سورہ طہ نازل ہوئی تو انہوں نے اسے لکھا اور مدینہ لے آئے اور بنی زریق کو اس کی تعلیم دی اور یہاں کے پہلے معلم و مقری یہی تھے۔ بعد میں اسی چبوترہ پر مسجد بنی زریق کی تعمیر ہوئی جو قلب شہر میں مصلیٰ (مسجد غمامہ) کے قریب جنوب میں واقع تھی۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت رافعؓ کی تعلیمی و دینی خدمات اور ان کی سلامتی طبع کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ (35)

(34) زاد المعاد، ۱۰۰/۱

(35) اسد الغابہ، تذکرہ رافعؓ بن مالک، ۱۵۷/۲ فتوح البلدان، ص: ۳۵۹

اس درس گاہ کے استاد اور اکثر شاگرد قبیلہ خزرج کی شاخ بنی زریق کے مسلمان تھے۔

### قبا کی درس گاہ

دوسری درس گاہ مدینہ کے جنوب میں تھوڑے فاصلے پر مقام قبا میں تھی، جہاں بعد میں مسجد کی تعمیر ہوئی۔ بیعت عقبہ کے بعد بہت سے صحابہ کرامؓ جن میں ضعیفاء اسلام کی اکثریت تھی۔ مکہ سے ہجرت کر کے مقام قبا میں آنے لگے اور قلیل مدت میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی۔ ان میں حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے، وہی ان حضرات کو تعلیم دیتے تھے۔ اور امامت بھی کرواتے تھے۔ یہ تعلیمی سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک جاری تھا۔ عبدالرحمن بن غنم کا بیان ہے:

حدثني عشرة من اصحاب رسول ”رسول اللہ ﷺ کے کئی صحابہ نے مجھ سے اللہ ﷺ قالوا: کنا نتدارس العلم بیان کیا کہ ہم لوگ مسجد قبا میں علم دین پڑھتے فی مسجد قبا اذ خرج علينا پڑھاتے تھے۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ رسول اللہ ﷺ فقال: تعلموا علموا ہمارے پاس آئے اور فرمایا تم لوگ جو ماشتم ان تعلموا فلن یاجرکم اللہ چاہو پڑھو، جب تک عمل نہیں کرو گے اللہ حتی تعملوا (36)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبا کے نہا جرین میں متعدد حضرات قرآن کے عالم و معلم تھے۔ ان میں حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ سب سے زیادہ علم رکھتے تھے اور وہی امامت کے ساتھ تدریسی خدمت میں بھی نمایاں تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے:

لما قدم المهاجرون الاولون ”رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے العصبۃ، موضع بقاء، قبل مقدم مهاجرین اولین کی جماعت جب عصبہ رسول اللہ ﷺ کان سالم مولیٰ آئی، جو قبا کی ایک جگہ ہے، مسجد قبا میں ان ابی حذیفہؓ یوم المهاجرین لوگوں کی امامت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ الاولین فی مسجد قباء وکان کرتے تھے، وہ ان میں قرآن کے سب اکثر ہم قرآنا (37)

(36) جامع بیان العلم، باب جامع القول فی العمل بالعلم، ۶/۲

(37) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الامتہ العبد والمولی، ج: ۶، ص: ۶۹۲، ج: ۱۱۳

ایضاً کتاب الاحکام، باب استفتاء المولیٰ واستئذانہ، ج: ۵، ص: ۱۷۵، ج: ۱۱۳، ص: ۶۹۲، ج: ۱۱۳، ص: ۷۱۲



حضرت سالمؓ جنگ یمامہ میں مہاجرین کے علمبردار تھے، بعض لوگوں کو ان کی قیادت میں کلام ہوا تو انہوں نے کہا:

بئس حامل القرآن انا (یعنی ان اگر میں جنگ سے فرار ہوا تو برا حامل فررت)

اور غزوہ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور وہ بھی زخمی ہو گیا تو بغل میں لے لیا اور جب زخمی ہو کر گر گئے تو اپنے آقا حضرت ابو حذیفہؓ کا حال دریافت کیا۔ جب معلوم ہوا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو کہا کہ مجھے ان ہی کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے سالمؓ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ (38)

ان تصریحات سے حضرت سالمؓ کے علم و فضل اور قرآن میں ان کے امتیاز کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے اور یہ کہ وہی قبائلی تعلیمی اور تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو قرآن کے جن چار علماء اور قاریوں سے قرآن پڑھنے کی تاکید فرمائی ان میں سے ایک حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ بھی تھے۔

یہاں حضرت ابو خثیمہ سعد بن خثیمہ اویسیؓ کا مکان گویا مدرسہ قبا کے طلبہ کے لئے دارالاقامہ تھا۔ وہ اپنے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے نقیب و رئیس تھے، بیعت عقبہ کے موقع پر اسلام لائے، مجرد تھے اور ان کا مکان خالی تھا، اس لئے اس میں ایسے مہاجرین قیام کرتے جو اپنے بال بچوں کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر آئے تھے یا جن کے آل اولاد نہیں تھی۔ اس وجہ سے ان کے مکان کو "بیت الاعزاب" یعنی کنواروں کا گھر کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت قبا میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مکان میں فروکش تھے۔ اسی کے قریب حضرت سعد بن خثیمہؓ کا گھر تھا، رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً وہاں تشریف لے جاتے اور مہاجرین کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ یہ مکان مسجد قبا

(38) الاصابہ، تذکرہ سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، ۱/۲۷۱، تذکرہ سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، ۲/۲۶۱

سے متصل جنوبی سمت میں تھا اور یہیں دار کلثوم بن ہدمؓ بھی تھا۔ (39) گویا اس درس گاہ کے استاد اور شاگرد دونوں مہاجرین اولین تھے۔ تاہم مقامی مسلمان بھی اس میں شامل ہوتے تھے۔

### درس گاہ نقیب الخصمات

تیسری درس گاہ مدینہ کے شمال میں تقریباً ایک میل دور حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان میں تھی۔ جو حورہ بنی بیاضہ میں واقع تھا۔ یہ آبادی بنو سلمہ کی بستی کے بعد "نقیب الخصمات" نامی علاقے میں تھی۔ یہ درس گاہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے پرکشش ہونے کے ساتھ اپنی جامعیت اور اپنی افادیت میں دونوں مذکورہ درس گاہوں سے مختلف اور ممتاز تھی۔ بیعت عقبہ میں انصار کے دونوں قبائل اوس اور خزرج کے رؤساء نے قبول اسلام کے بعد بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ مدینہ میں قرآن اور دین کی تعلیم کیلئے کوئی معلم بھیجا جائے تو ان کے اصرار پر آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو روانہ فرمایا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو انصار کے ساتھ مدینہ روانہ فرمایا:

فلما انصرف عنه القوم بعث رسول اللہ ﷺ معهم مصعب بن عمیرؓ وأمره ان يقرئهم القرآن ويعلمهم الاسلام، ويفقههم في الدين فكان يسمي المقرئ بالمدينة معصب، وكان منزله على اسعد بن زرارہ بن عدس ابی امامة (40)

(39) ابن هشام، حجرة الرسول ﷺ، ۱۰۷/۲، ۱۰۷/۲

عن عبد اللہ بن عمرو قال سمعت النبی ﷺ يقول:

"استقرؤ القرآن من اربعة من ابن مسعود و سالم مولیٰ ابی حذیفہ و ابی و معاذ بن جبل" (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، مناقب سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، ج: ۲، ص: ۲۷۸، ۲۷۹

ایضاً، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل، ج: ۲، ص: ۳۸۰، ۳۸۱

المسند، مسند عبد اللہ بن عمرو، ج: ۲، ص: ۶۳۸، ۶۳۹

(40) ابن هشام، العقبۃ الاولیٰ و مصعب بن عمیرؓ، ۲/۲۷۱، ۲۷۲



”جب انصار بیعت کر کے لوٹے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہاں لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی بصیرت اور صحیح سمجھ پیدا کریں۔ چنانچہ حضرت مصعب مدینہ میں ”معلم مدینہ“ کے لقب سے مشہور تھے اور ان کا قیام حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کے مکان پر تھا۔“

حضرت مصعب بن عمیر ابتدائی دور میں اسلام لائے۔ ناز و نعمت میں پلے ہوئے تھے۔ جب ان کے مسلمان ہونے کی خبر خاندان والوں کو ہوئی تو انہوں نے سخت سزا دے کر مکان کے اندر بند کر دیا مگر حضرت مصعب بن عمیر کئی طرح نکل کر مہاجرین جہنہ میں شامل ہو گئے۔ (41) بعد میں جب قریش کے اسلام قبول کرنے کی افوہ پھیلی تو آپ مکہ واپس آئے اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ (42)

حضرت اسعد بن زرارہ خزرجی بنجار بنیعت عقبہ اولیٰ میں اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اپنے قبیلے کے نقیب تھے، ایک روایت کے مطابق وہ ”نقیب النقباء“ بھی تھے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کا انتقال 1ھ میں اس وقت ہوا جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر جاری تھی۔ قبیلہ بنونجار کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے لئے کسی نقیب کو مقرر فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انتم اخوالی وانا بما  
فیکم وانا نقیبکم (43)  
”تم لوگ رشتے میں میرے ماموں ہو میں ان امور کی اصلاح کے لئے موجود ہوں، جو تمہارے درمیان رونما ہوں اور میں تمہارا نقیب ہوں۔“

ایک قول کے مطابق حضرت اسعد بن زرارہ بیعت عقبہ اولیٰ سے قبل ہی مکہ جا کر مسلمان ہو گئے تھے، گویا وہ انصار مدینہ میں پہلے مسلمان تھے۔ (44) یہ دونوں حضرات

(41) ایضاً ذکر الحجۃ الاولیٰ الی ارض الحبشہ، ۳۶۲/۱

(42) ایضاً ذکر من عاد من ارض الحبشہ لما یلقہم اسلام اهل مکہ، ۴۰۳/۱

(43) ابن ہشام، الموآخاة بین المهاجرین والانصار، ۱۲۱/۲

(44) اسد الغابہ، تذکرہ اسعد بن زرارہ، ۷۱/۱

قرآن کی تعلیم اور اسلام کی اشاعت میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر قرآن کی تعلیم کے ساتھ اوس اور خزرج دونوں قبائل کی امامت بھی کرتے تھے اور جب ایک سال کے بعد بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اہل مدینہ کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان کا لقب ”مقرئ المدینہ“، یعنی معلم مدینہ مشہور ہو چکا تھا۔ (45)

حضرت اسعد بن زرارہ نے جمعہ کی فرضیت سے پہلے ہی مدینہ میں نماز جمعہ کا اہتمام فرمایا۔ نماز جمعہ کا اجتماع بنی پیاضہ کی جگہ ”نقیع الخصمات“ میں ہوتا تھا۔ (46) گویا نقیع الخصمات کی یہ درس گاہ صرف قرآنی مکتب اور مدرسہ ہی نہیں تھی بلکہ ہجرت سے پہلے مدینہ میں اسلامی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت مصعب بن عمیر اوس و خزرج کے اس مشترکہ اجتماع کی امامت کیا کرتے تھے۔ (47) اسی لئے نماز جمعہ کے قیام کی نسبت بعض روایتوں میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ (48)

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کے ہمراہ ابن ام مکتوم کو بھی مدینہ روانہ فرمایا تھا لیکن چونکہ حضرت مصعب بن عمیر کو خاص طور پر تعلیم کیلئے بھیجا تھا اسلئے اس درس گاہ کی تعلیمی سرگرمیوں میں ابن ام مکتوم کا تذکرہ نہیں آتا۔ ویسے بھی ابن ام مکتوم ناپید ہونے کی وجہ سے محدود پیمانے پر ہی تبلیغی و دعوتی خدمات سرانجام دے سکتے تھے۔

”نقیع الخصمات“ کی اس درس گاہ اور اسلامی مرکز کی وجہ سے مدینہ کے یہودیوں کے دینی و علمی مرکز ”بیت المدارس“ کی حیثیت کم ہو گئی جہاں جمع ہو کر یہود مدینہ درس و تدریس، تعلیم و تربیت اور دعا خوانی کے ذریعہ اپنی مذہبی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے۔

اوس و خزرج یہودیوں سے بے نیاز ہو کر اپنے علمی و دینی مرکز سے وابستہ ہو گئے۔ اسلام سے قبل اوس و خزرج میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا اور اس معاملہ میں وہ یہودیوں کے محتاج تھے۔ البتہ چند لوگ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں رافع بن مالک زرقی، زید بن ثابت، اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ، ابی بن کعب وغیرہ تھے۔ ان میں سے

(45) ابن ہشام، العقبۃ الاولیٰ و مصعب بن عمیر ۴۸/۲ (46) کنز العمال، فضائل ابوامامہ، ۶۱۰/۱۳

(47) ابن ہشام، العقبۃ الاولیٰ و مصعب بن عمیر، ۴۸/۲

(48) ابن ہشام، اول جمعۃ اقیمت بالمدينة، ۴۸/۲



اکثر نے ہجرت سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا اور وہ اب بڑی سرگرمی سے مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہے تھے۔ ”تفہیم الخصال“ کے مرکز سے ان کا خصوصی رابطہ تھا۔ اس زمانے میں مدینہ منورہ کے مختلف علاقوں اور قبائل میں تدریسی و تعلیمی مجالس برپا رہتی تھیں۔ خاص طور پر بنو نجار، بنو عبد الاشبل، بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، بنو سالم وغیرہ کی مساجد میں علمی مجالس کا انتظام تھا اور عبادہ بن صامت، عقبہ بن مالک، معاذ بن جبل، عمر بن سلمہ، اسید بن خضیر اور مالک بن موریت ان کے امام و معلم تھے۔ (49)

### نصاب تعلیم

ان درس گاہوں کے نصاب تعلیم کے حوالے سے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تک عبادات میں صرف نماز فرض ہوئی تھی۔ لہذا یہاں پر زیادہ تر نماز کے احکام و مسائل، قرآن اور اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی اور اسی طرح وہ اخلاقیات جن پر بیعت عقبہ میں رسول اللہ ﷺ نے انصار کے مرد و خواتین سب کو بیعت کیا تھا، کی تعلیم دی جاتی تھی۔ عبادہ بن صامت اس بیعت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

بایعنا رسول اللہ ﷺ لیلۃ ”ہم نے بیت عقبہ اولیٰ کے موقع پر رسول العقبۃ الاولیٰ علیٰ ان لا اللہ ﷻ کی بیعت اس چیز پر کی کہ ہم اللہ نہ شرک باللہ شیئاً، ولا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، نہ نسرق، ولا نزنی، ولا نقتل چوری کریں گے، نہ زنا کریں گے، نہ اپنی اولاد دنا، ولا ناتی ببہتان نفتریہ اولاد کو قتل کریں گے، نہ کسی پر بہتان من بین ایدینا وارجلنا، ولا لگائیں گے اور نہ ہی رسول اللہ ﷻ کی نعصیہ فی معروف (50) معروف میں نافرمانی کریں گے۔“

(49) یہ معلومات سیرور جال کی مختلف کتب مثلاً طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، سیرت حلبیہ، وقاء

الوقا اور روض الانف وغیرہ میں موجود ہیں۔

(50) ابن ہشام، العقبۃ الاولیٰ ومصعب بن عمیر، ۲/۴۷

المسند، حدیث عبادہ بن صامت، ج ۶، ۲۲۲۳۸، ۴۳۱/۶

چنانچہ ان درس گاہوں میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ان ہی اخلاقی امور کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جس وقت حضرت مصعب بن عمیر کو اہل مدینہ کے ساتھ روانہ فرمایا تو ان کو یہ حکم دیا تھا۔

ان یقرء ہم القرآن، ویعلمہم ”ان کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم الاسلام، ویفقهہم فی الدین (51) دیں، اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں“

اس مدت میں جس قدر قرآن نازل ہو چکا تھا ان درس گاہوں میں اس کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ اور عام طور پر آیات و سوز بانی یاد کرائی جاتی تھیں۔ انصار نے بہت عقبہ میں جن باتوں کا اقرار کیا تھا ان پر عمل کی تلقین و تاکید کی جاتی تھی۔ چنانچہ اس درس گاہ کے ایک طالب علم حضرت براء بن عازب کا بیان ہے:

فما قدم حتی قرأت ”سبح“ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے اسم ربک الاعلیٰ فی سورہ پہلے ہی میں نے ”طوال مفصل“ کی کئی من المفصل (52) سورتیں یاد کر لی تھیں۔“

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو انصار نے حضرت زید بن ثابت کو بڑے فخر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! هذا غلام من ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اس لڑکے کا تعلق بنو النجار سے ہے۔ جو کلام آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کو اس علیک بضع عشرة سورة، میں سے دس سے زائد سورتیں یاد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔“

یادرس گاہیں دن رات صبح و شام کی قید سے آزاد تھیں اور ہر شخص ہر وقت ان سے استفادہ کر سکتا تھا۔

(51) ابن ہشام، العقبۃ الاولیٰ ومصعب بن عمیر، ۲/۴۷

(52) صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مقدم النبی واصحابہ المدینہ، ج ۳، ۳۹۲۵،

المسند، حدیث البراء بن عازب، ج ۱، ۱۸۰۳۱، ۳۶۰۷۵

(53) المسند، حدیث زید بن ثابت، ج ۱، ۲۱۱۰۸، ۲۳۸۰۶

قرآن مجید کی ساتویں منزل یعنی سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تک کی سورتوں کو ”مفصل“ کہتے ہیں



## خلاصہ بحث

مکی عہد نبوت میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیاں

مکی دور میں صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں تاہم بعض منتشر معلومات سے اس قدر ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ کار نبوت کی انجام دہی میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی بھرپور معاونت کی اور حق کی تبلیغ میں انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح ہر تکلیف اور مصیبت کا بڑی خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔

مکی دور کے ابتدائی سالوں میں اشاعت اسلام کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ نبوی ہدایت کے مطابق صحابہ کرامؓ اپنے اپنے خاندان اور اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دیتے تھے جس کے نتیجے میں کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ حضرت عمارؓ بن یاسر اسلام لائے تو تمام گھر والوں کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی۔ جس کے نتیجے میں ان کے تمام اہل خانہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ بن عمیر کی دعوت پر ان کی والدہ ارویٰ بنت عبدالمطلب نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابو بکرؓ کی والدہ ام الخیرؓ بھی ان کی کوششوں سے ہی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کو اپنے ذاتی کردار اور محاسن سے متاثر کر کے اسلام کی طرف بلایا جائے۔ جیسا کہ ابو بکرؓ کی شخصی خوبیوں کی وجہ سے لوگ ان کی مجلس میں آتے تو آپ ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور جب ایک دفعہ آپؐ کو ہجرت پر مجبور کیا گیا تو انہیں دغمنہ یہ کہہ کر آپؐ کو واپس لے آیا:

ان مثلک لا یخرج ولا یمخرج، فانک تکسب المعدوم وتصل الرحم، وتحمل الكل، وتقرى الضیف وتعين على نواب الحق فانالک جارا، وارجع واعبد ربک ببلدک (54)

(54)

صحیح البخاری، کتاب اللغاة، باب جواری بکری عہد رسول اللہ و عہدہ، ج ۲۲۷

ایضاً کتاب مناقب الانصار، باب حجرة النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینہ، ج ۳۹۰۵

”اے ابو بکر! تیرے جیسے آدمی کو نہیں نکالا جانا چاہئے آپؐ کو مفلس اور نادار کے لئے مال کماتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں ان کی مدد کرتے ہیں میں آپؐ کو پناہ دیتا ہوں۔ آپؐ اپنے شہر لوٹ جائیے اور آزادی سے اپنے رب کی عبادت کیجئے۔“

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ واپس لوٹ آئے اور آپؐ کی دعوت پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ابن ہشام نے پچاس سے زائد صحابہ کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے ابو بکرؓ کی دعوت اور تحریک پر اسلام قبول کیا۔ (55)

مکی عہد نبوت میں تبلیغ اسلام کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام سرزمین مکہ تک محدود نہ رہا بلکہ بہت جلد جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں اسلام کی گونج سنائی دینے لگی۔ صحابہ کرامؓ کی کوششوں سے قبیلہ غفار، قبیلہ ازدشنو، قبیلہ دوس اور یثرب قبائل اوس و خزرج کے علاوہ کئی دیگر قبائل میں بھی اسلام پھیل گیا، بلکہ ہجرت حبشہ کی بدولت اب اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اہل حبشہ کے لئے بھی کسی تعارف کی محتاج نہ رہی تھی۔ ہجرت مدینہ کے وقت مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد یثرب اور دیگر کئی قبائل میں موجود تھی۔

اسلام کی اس عالمگیر اشاعت میں یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ان مبلغ صحابہ کرامؓ کی کوششیں بھی قابل ذکر ہیں جنہوں نے دعوت اسلام کے پھیلاؤ میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوذر غفاریؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، طفیلؓ بن عمرو دوسی، ضہادؓ بن ثعلبہ ازدی، جبکہ قریشی صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، ابوعبیدہؓ، زبیرؓ، جعفرؓ، سعیدؓ بن زید، طلحہؓ اور مصعبؓ بن عمیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابی داعی اور مبلغ تھا۔

مکی دور میں اسلام کے فروغ میں ان مراکز کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے جہاں صحابہ کرامؓ تعلیم قرآن اور عبادت و ریاضت کے لئے جمع ہوتے تھے۔ ہجرت سے قبل مکہ میں دارالقرآن، بیت فاطمہ بنت خطابؓ اور شعب ابی طالب وغیرہ کو مسلمانوں کی تعلیمی اور علمی

(55) ابن ہشام، ذکر من اسلم من الصحابة بدعوة ابی بکرؓ، ۲۸۷-۲۹۷



سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا جاسکتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے دعوتی و تبلیغی مراکز میں دارالقرآن کو اس وجہ سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ یہ جگہ نہ صرف کمزور مسلمانوں کی جائے پناہ تھی بلکہ یہاں ان کا تزکیہ نفس بھی کیا جاتا تھا۔

مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ میں بھی ہجرت سے قبل چند دعوتی و تبلیغی مراکز کا سراغ ملتا ہے۔ قبا، مسجد بنی زریق اور نقیع الخصمات کی درس گاہیں قبل از ہجرت مدینہ کے اہم دعوتی و تبلیغی مراکز تھے، جہاں پر سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور مصعب بن عمیر جیسے معلمین انصار کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

ہجرت سے قبل مدینہ میں اسلام کی ہمہ گیر اشاعت اور فروغ میں ان انصار صحابہ کرام کا کردار بھی بڑا اہم ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے بیت عقبہ ثانیہ کے بعد اپنے قبیلے اور خاندان کا لقب مقرر فرمایا تھا، چنانچہ ان صحابہ میں سے حضرت اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک، اسید بن حضیر، عبادہ بن صامت اور سعد بن معاذ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے اسلام کے فروغ میں اپنے علم اور اثر و رسوخ کو پوری طرح استعمال کیا

## باب چہارم: مدنی عہد نبوت میں صحابہ کرام کی دعوتی سرگرمیاں

### فصل اول: مدنی عہد نبوت میں مبلغین کی تیاری کا باقاعدہ انتظام

مدینہ منورہ آمد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی، مسجد نبوی کے ایک گوشے میں ایک سائبان اور چبوترہ (صفہ) بنایا گیا۔ جس پر وہ مہاجرین صحابہ کرام مدینہ منورہ آ کر رہنے لگے تھے جو نہ تو کچھ کاروبار کرتے تھے اور نہ ان کے پاس رہنے کو گھر تھا۔ مکہ مکرمہ اور دیگر علاقوں سے دین متین کی تعلیمات حاصل کرنے کیلئے آنے والے صحابہ کرام بھی یہاں قیام کرتے تھے۔ گویا صفہ ان غریب اور نادار صحابہ کرام کی جائے پناہ تھی جنہوں نے اپنی زندگی تعلیم دین، تبلیغ اسلام، جہاد اور دوسری اسلامی خدمات کیلئے وقف کر رکھی تھی۔

مدنی عہد نبوت میں مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے تھے۔ ایک غیر مستقل، جس میں مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آ کر چند دن قیام کرتے اور ضروری مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے اور اپنے قبائل کو جا کر تعلیم دیتے، ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد رسول اللہ ﷺ انہیں ان کے قبائل میں واپس بھیج دیتے، چنانچہ مالک بن الحویرث کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا:

ارجعوا الی اہلیکم فعلموہم ”تم اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہو و مروہم وصلو اکما رأیتونی کر ان کو امور شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح تم اصلی، واذا حضرت نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح پڑھانا الصلوۃ فلیؤذن لکم احدکم ثم اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی لیؤمکم اکبرکم“ (1) اذان دے، پھر تم میں سے سب سے زیادہ پڑھا لکھا امامت کرائے۔“

(1) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبعائم، ج: ۶، ص: ۶۰۸، ۱۰۵۱

ایضاً، کتاب الاذان، باب الاذان للساقرین، ج: ۶، ص: ۶۳۱، ۱۰۴

صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من اہق بالامامۃ؟ ج: ۱۵۳۵، ص: ۲۷۲

سنن نسائی، کتاب الاذان، باب اجزاء المرء باذان غیرہ فی الخضر، ج: ۶، ص: ۶۳۶، ۸۸



اسی طرح وفد عبدالقیس نے رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس پر اسلام کی بیعت کی تو آپ ﷺ نے ان کو دائے شمس، نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کی تعلیمات دیں اور پھر فرمایا:

### احفظوه واخبروه من وراءکم (2)

دوسرا طریقہ مستقل تعلیم و تربیت کا تھا اور اس کیلئے صفہ کی درس گاہ مخصوص تھی۔ اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے جو علاقائی دنیوی سے بے نیاز تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو دینی تعلیم و تربیت اور عبادت و ریاضت کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ مسجد نبوی کی اس درس گاہ کے دو حلقے تھے، ایک درس و تعلیم کا حلقہ اور دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

خرج رسول الله ﷺ ذات "ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے کا شانہ اقدس یوم من بعض حجره، فدخل سے باہر تشریف لائے تو مسجد میں دو حلقے المسجد، فاذا هو بحلقتين دیکھے۔ ایک حلقہ کے لوگ تلاوت و دعا میں احد هما يقرءون القرآن مصروف تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ تعلیم و يدعون الله، والاخرى تعلم میں، آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین يتعلمون ويعلمون، فقال فرمائی، اور فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں۔ یہ لوگ النبى ﷺ كل على قرآن پڑھتے ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں خیر، هو لاء يقرءون القرآن، اگر چاہے تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو ويدعون الله، فان شاء روک لے، اور یہ لوگ سیکھتے ہیں اور سکھاتے اعطاهم وان شاء منعهم ہیں۔ (پھر آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے کہ) "میں معلم، و هو لاء يتعلمون و يعلمون بنا کر بھیجا گیا ہوں" حلقہ و درس و تعلیم میں جا کر، وانما بعثت معلما، فجلس بیٹھ گئے۔"

### معهم (3)

(2) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تحریس النبی ﷺ وفد عبدالقیس علی ان یحفظوا الایمان ج: ۸۷، ص: ۲۰

ایضاً، کتاب الایمان، باب اداء شمس من الایمان، ج: ۵۳، ص: ۱۳

(3) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فضل العلماء و الخلف الی طلب العلم، ج: ۲۲۹، ص: ۳۵

سنن الدارمی، المقدمة، باب فی فضل العلم و العالم، ج: ۳۵۵، ص: ۱۵/۱

### اصحاب صفہ کیلئے اساتذہ کا تقرر

اصحاب صفہ کے معلم اول تو خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

اقبل ابو طلحة یوما فاذا "ایک دن حضرت ابو طلحہ آئے تو دیکھا کہ رسول النبى ﷺ قائم یقرئ" اصحاب صفہ کو کھڑے قرآن پڑھا رہے اصحاب الصفہ علی بطنہ ہیں، آپ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر کا کھڑا فصیل من حجر یقیم بہ باندھا ہوا تھا تا کہ کمر سیدھی ہو جائے۔"

### صلبه من الجوع (4)

رسول اللہ ﷺ جب تعلیم و نصیحت سے فارغ ہو کر تشریف لے جاتے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ حلقہ میں بیٹھ کر تعلیم کے سلسلہ کو اسی طرح جاری رکھتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ دوبارہ تشریف لاتے تو لوگ خاموش ہو جاتے آپ ﷺ تشریف فرما ہونے کے بعد فرماتے کہ اسی عمل میں مشغول رہیں اور اس کو جاری رکھیں، کبھی کبھار حضرت معاذ بن جبل بھی تعلیمی حلقہ سنبھال لیتے تھے۔ (5)

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کئی مستقل معلمین بھی اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت پر متعین تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے:

"علّمت ناسا من أهل الصفة" میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں القرآن و الكتاب فاهدی الی کو قرآن مجید پڑھایا اور لکھنے کی تعلیم دی تو رجل منهم قوبسا" (6) ان میں سے ایک شخص نے مجھے ہدیہ میں ایک کمان دئی۔"

(4) ابو نعیم الاصبغانی، "حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء"، ذکر اہل الصفۃ، ۱، ۴۱۹، دار الکتب

العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷، (5) کتابی، عبدالحی، علامہ، "انظام الحکومت النبویۃ"، (مترجم، مولانا معظم

الحق) ص: ۳۲۷، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ، کراچی، ۱۹۹۱

(6) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب کسب العلم، ج: ۳۴۱، ص: ۳۹۵ المسند، حدیث عبادہ بن

صامت ج: ۲۲۱، ص: ۲۲۹/۶ (7) اسد الغابہ، تذکرہ عبداللہ بن سعید بن العاص، ۱۱۷۵/۳، الاستیعاب،

تذکرہ عبداللہ بن العاص، ۳۹۰/۳



اسی طرح حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص جو خوشخط تھے اور زمانہ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے اصحاب صفہ کو لکھنا سکھاتے تھے۔ (7)

اوقاتِ تعلیم

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر ادا فرمالتے تو ہم لوگ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی آپ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا، کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا تھا۔ (8)

سماک بن حرب نے حضرت جابر بن سرہ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، میں بہت زیادہ آپ ﷺ کی مجلس میں شریک رہا کرتا تھا، جب تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا تھا آپ ﷺ مصلیٰ پر رہتے تھے، اور طلوع آفتاب کے بعد اٹھ کر مجلس میں تشریف لاتے تھے، اور مجلس کے درمیان صحابہ زمانہ جاہلیت کے واقعات بیان کر کے ہنستے تھے اور آپ ﷺ مسکرا دیتے تھے۔

اصحاب صفہ انتہائی نادار اور مفلس تھے اس لئے ان میں سے بعض لوگ دن میں شیریں پانی بھر لاتے، جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس سے اپنے مصارف پورے کرتے تھے۔ (9)

اس مصروفیت کی وجہ سے ان میں سے بعض حضرات کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اس بنا پر ان کی تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ستر کے قریب اصحاب صفہ رات کے وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔

فكانوا اذا جنهم الليل انطلقوا الى "جب رات ہو جاتی تھی تو یہ لوگ معلم لهم بالمدينة، فيدرسون الليل" مدینہ میں ایک معلم کے پاس جاتے حتیٰ یصبحوا (10)

(8) جمع الفوائد، کتاب العلم، ۳۸/۱

(9) المسند، حدیث جابر بن سرہ، ج: ۲، ۲۰۲۳۳۳، ۹۵-۹۶

(10) المسند، مسند انس بن مالک، ج: ۱۱، ۱۹۹۳، ۵۹۸/۳

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ مسجد نبوی سے ہٹ کر کوئی اور جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کے وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ گویا اصحاب صفہ کا سارا وقت درس و تدریس ہی میں بسر ہوتا تھا۔ ابن المسیبؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے: "يقولون: ان ابا هريرة قد اكثر،" "لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کثرت سے حدیثیں واللہ الموعود ويقولون مابال بیان کرتا ہے اللہ ہی ہمارا اور تمہارا محاسبہ کرنے والا المهاجرين والانصار لا يتحدثون ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کیا وجہ ہے کہ انصار مثل احادیثہ؟ وسأخبركم عن وہاب جریں ابو ہریرہؓ کی طرح کثرت سے حدیثیں ذالک: ان اخوانی من الانصار بیان نہیں کرتے؟ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ اس کان يشغلهم عمل ارضهم، واما کی کیا وجہ ہے؟ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اخوانی من المهاجرين کان يشغلهم اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور انصاری ہم الصفي بالاسواق، وکنت الزم بھائی اپنی زمین کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے رسول اللہ ﷺ علی ملیء تھے۔ میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت رسول اللہ بطنی، فاشهد اذا غابوا، واحفظ اذا عليہ کی خدمت میں گزرتا تھا، پس جس وقت یہ موجود نہ ہوتے تھے میں موجود رہتا تھا اور جن نسوا، (11)

چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے میں محفوظ کر لیتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ جو خود بھی اصحاب صفہ میں سے تھے ان کا یہ بیان گویا اصحاب صفہ کا ترجمان ہے۔ یہ سب لوگ درس گاہ نبوت میں سب سے زیادہ حاضر رہنے والے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس بیان کی تصدیق خود حضرت عمرؓ کے اس بیان سے ہوتی ہے: "كنت انا و جاري من الانصار" "میں اور عوالی مدینہ میں قبیلہ امیہ بن زید کا فی بنی امیہ بن زید، وہی من ایک انصاری پڑوسی ہم دونوں باری باری عوالی المدینة، وکنا نتناوب رسول اللہ ﷺ کے یہاں جاتے تھے، النزول علی رسول اللہ ایک دن وہ جاتے اور ایک دن میں جاتا، عليہ، ينزل يوما وانزل يوما، جب میں جاتا تو اس دن کی وحی وغیرہ کی خبر

(11) صحیح مسلم، کتاب فضائل اصحابہ، باب فضائل ابی ہریرہ، ج: ۲، ۲۳۹۱، ۱۰۹۷

صحیح البخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، ج: ۱۱، ۲۵



فاذا نزلت جثته بخبر ذالك لاتا اور جس دن وہ جاتے وہ بھی اسی طرح  
اليوم من الوحي وغيره، و اذا کرتے۔  
نزل فعل مثل ذالك (12)  
طريقة تعليم

ابتداء میں مجلس میں طلبہ کے بیٹھنے کا کوئی خاص انتظام اور طریقہ نہ تھا، جگہ جگہ  
چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر بیٹھ جاتے تھے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے باقاعدہ ایک حلقہ  
بنوایا اور سب لوگ ایک ساتھ بیٹھنے لگے، جابر بن سرہ کا بیان ہے:

”دخل رسول الله ﷺ مسجد وهم حلق صحابه كرام کے جدا جدا حلقے تھے، آپ ﷺ نے  
فقال ﷺ: مالي اراكم فرمایا کہ کیا بات ہے تم لوگ جدا جدا ہو (یعنی ایک  
عزین“ (13) ساتھ بیٹھو۔

رسول اللہ ﷺ اپنے تمام حاضرین مجلس کو اس طرح تعلیم دیتے تھے کہ  
عالم، جاہل، شہری، بدوی، عربی، عجمی بوڑھے، بچے، جوان پوری طرح فیض اٹھاتے تھے اور  
آپ ﷺ کی ہر بات سامعین کے دل میں اتر جاتی تھی۔ حضرت انس کا بیان ہے:  
انه كان اذا تكلم بكلمة ”رسول اللہ ﷺ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو  
اعادها ثلاثا حتى تفهم عنه، اس کو تین بار کہتے تھے تاکہ سمجھ لی جائے اور جب  
واذا أتى على قوم فسلم کسی جماعت کے پاس جاتے تو ان کو تین بار  
عليهم ثلاثا (14) سلام کرتے تھے“

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ، جو مسجد نبوی کی اس درس گاہ کے معلم تھے، حضرت  
عائشہؓ کے حجرہ کے قریب اہل مجلس کے سامنے جلدی جلدی حدیثیں بیان کرنے لگے اس  
وقت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نماز میں مصروف تھیں۔ جب آپؓ نماز سے فارغ ہوئیں تو  
ابو ہریرہؓ مجلس ختم کر کے جا چکے تھے۔ چنانچہ آپؓ نے عروہ بن زبیرؓ سے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ

(12) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ج: ۸۹، ص: ۲۱۰

(13) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التخلق، ج: ۲۸۲، ص: ۲۸۲

(14) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من اعاده الحديث ثلاثا لم يسمع، ج: ۹۵، ص: ۲۲۰

مل جاتے تو میں ان کے جلدی جلدی حدیث بیان کرنے پر تکبر کرتی، اس کے بعد فرمایا:  
ان رسول الله ﷺ لم يكن ”رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح حدیث  
يسرد الحديث جلد جلد اور مسلسل بیان نہیں فرماتے تھے۔“  
سرد کم (15)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان رسول الله ﷺ ليحدث ”رسول اللہ ﷺ اس طرح حدیث بیان  
الحديث لو شاء العاد ان کرتے تھے کہ اگر شمار کرنے والا چاہتا تو  
يحصيه أحصاه (16) شمار کر لیتا“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ آپ ﷺ بات  
مٹھ مٹھ کر اس انداز میں کہتے کہ سننے والوں کے دل میں بیٹھ جائے، یاد کرنے والے یاد  
کر لیں اور لکھنے والے لکھ لیں۔ نرم کلامی، شیریں بیانی اور اندازِ تعلیم کے اسی اسلوب کی  
بدولت بدوی لوگ بھی آپ ﷺ پر فدا ہو جاتے تھے۔ حضرت معاویہ بن حکیم کہتے ہیں کہ  
ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھ رہا تھا، مجھ سے خلاف نماز کوئی حرکت  
سرزد ہوگئی، جس کی وجہ سے تمام نمازی مجھ سے بگڑ گئے اور گھور گھور کر میری طرف دیکھنے  
لگے، لیکن خود معلم انسانیت کا رویہ اور طریقہ تعلیم کیا تھا راوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

فأبى هو وامي، مارأيت معلما قبله ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان  
ولا بعده احسن تعلیما منه، فوالله ہوں، میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ  
ما کھرنی ولا ضر بنی، ولا ﷺ کے بعد آپ ﷺ سے بہتر معلم نہیں  
شتمنی، قال ﷺ: ان هذه دیکھا، خدا کی قسم نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ہی  
الصلوة لا يصلح فيها شيء من سخت ست کہا، بلکہ فرمایا نماز میں انسانی کلام  
كلام الناس، انما هو التسييح اچھا نہیں ہے۔ اس میں صرف تسبیح، تکبیر اور  
هو التكبير وقرأ القرآن (17) قرآن پڑھنا ہے۔“

(15) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی سرد الحديث، ج: ۲۵۵، ص: ۵۲۳

(16) ایضا (17) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحريم الكلام فی الصلوة، ج: ۱۱۹۹، ص: ۲۱۸



اصحاب صفہ میں درس و تدریس کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں ضعیف، لہا جریں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ عریانیت کے خوف سے ایک دوسرے سے مل کر بیٹھے تھے اور ایک قاری ہم لوگوں کو قرآن پڑھا رہا تھا۔ اس حال میں رسول اللہ ﷺ آ کر ہمارے پاس کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ کو دیکھ کر قاری خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے سلام کر کے پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک قاری قرآن پڑھ رہا ہے اور ہم سن رہے ہیں۔ ہمارا جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الحمد لله الذي جعل من امتي“ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگوں من امرت ان أصبر نفسی معهم“ کو پیدا کیا ہے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم ہے۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ آپ ﷺ ہم لوگوں کے سامنے رہیں، پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس طرح بیٹھو، اور حاضرین مجلس اس طرح حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ سب کا چہرہ آپ ﷺ کی طرف ہو گیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے فقراء مہاجرین تم کو بشارت ہو قیامت کے دن نور تام کی، تم لوگ مالداروں سے آدھ دن پہلے جنت میں داخل ہو گے، اور یہ (دنیوی حساب سے) پانچ سو سال ہے۔ (18)

اصحاب صفہ کی دعوتی سرگرمیاں:

ویسے تو ہر مسلمان ہی داعی اور مبلغ ہے اور دعوت و تبلیغ ہی اس امت کا وہ خصوصی وصف ہے جس کی بدولت اس کو ”خیر الامم“ کے لقب سے ملقب کیا گیا (19)

اسلامی معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت دین کیلئے ایک ایسی جماعت تیار کرے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ لَوْ كُنْ مِنْكُمْ لَفِئَةٌ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (20)

چنانچہ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک باقاعدہ

(18) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، ج: ۳، ص: ۳۶۶، ۵۲۶

(19) آل عمران، ۱۱۰: ۳ (20) آل عمران، ۱۰۳: ۳

درس گاہ قائم فرمائی، تاکہ مبلغین کی ایک تربیت یافتہ جماعت تیار کی جائے۔ اصحاب صفہ کی صورت میں جب یہ جماعت تیار ہو گئی تو آپ ﷺ نے ان اصحاب کو، جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے ”قراء“ کہلاتے تھے، (21) مختلف دعوتی و تبلیغی مہمات پر روانہ فرمایا۔

رجیع کی مہم

صفر ۳ھ میں قبائل عضل و قارہ کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارگاہ رسالت میں درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنے رفقاء میں سے کچھ آدمیوں کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیجئے تاکہ وہ لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا کریں، قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ میں سے مندرجہ ذیل چھ افراد منتخب کئے، مرثد بن ابی مرثد غنوی، خالد بن کبیر لثی، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن دھنہ، عبد اللہ بن طارق اور مبلغین کی اس جماعت کا امیر مرثد بن ابی مرثد کو مقرر فرمایا۔

جب یہ لوگ رجیع، جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک جگہ ہے، پہنچے تو قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور قبیلہ ہذیل کو مدد کیلئے پکارا، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت خبیب بن عدی اور زید بن دھنہ کو پناہ کا دھوکہ دے کر گرفتار کر لیا، جبکہ باقی صحابہ کو شہید کر دیا گیا۔ زید بن دھنہ اور خبیب بن عدی کو بھی ان لوگوں نے بعد میں مکہ لے جا کر فروخت کر دیا، چنانچہ زید بن دھنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے عوض قتل کرنے کیلئے خرید لیا، جبکہ خبیب کو جحیر بن ابواہاب تمیمی نے خرید کر قتل کر دیا۔ (22)

بر معونہ کی مہم

صفر ۴ھ میں نجد کے ایک قبیلہ عامر بن صعصعہ کے ایک رئیس ابوالبراء عامر بن مالک کو آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی، وہ نہ اسلام لایا اور نہ اس نے تردید کی بلکہ کہنے لگا: اے محمد! اگر آپ ﷺ اپنے رفقاء میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے ہاں بھیج دیں اور وہ وہاں آپ ﷺ کا پیغام پہنچا کر انہیں اسلام کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ اہل نجد

(21) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الحجۃ للشمس، ج: ۴، ص: ۸۵۱

المسند، مسند انس بن مالک، ج: ۳، ص: ۱۱۹۹

(22) ابن ہشام، ذکر یوم الرجیع، ۱۸۷-۳۰۳، تاریخ الامم والملوک، ۲۹۱-۳۱۱ (واقعات ۳ھ)



آپ ﷺ کے پیغام پر ضرور لبیک کہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: مجھے اپنے آدمیوں کے متعلق اہل نجد سے خوف ہے۔ ابو براء نے کہا: میں اس کا ضامن ہوں اس لئے آپ ﷺ ان کو روانہ فرما دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے منذر بن عمرو کی قیادت میں ستر صحابہ، جو سب کے سب درس گاہ صفہ کے تربیت یافتہ تھے، اس کے ساتھ بھیج دیئے۔ (23)

ابن ہشام اور ابن اثیر کی روایت کے مطابق یہ جماعت چالیس صحابہ پر مشتمل تھی۔ یہ سب لوگ بزمِ معونہ پہنچ گئے، جو بنو سلیم کے قریب ایک جگہ تھی۔ وہاں سے اپنی جماعت کے ایک آدمی حرام بن ملحان کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل کی طرف بھیجا، لیکن اس نے خط پڑھنے سے قبل ہی قاصد کو قتل کر دیا اور بنو سلیم کے ہمراہ بزمِ معونہ روانہ ہوا اور باقی مسلمانوں کو بھی قتل کر دیا۔ (24)

تاہم سطور بالا کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوتی و تبلیغی مقاصد کے لئے ایک ایسی جماعت کی تیاری کو ضروری خیال کیا جس کو دعوتی مشن اپنی جان سے بھی عزیز تھا، رجیع اور بزمِ معونہ کی دعوتی مہمات میں انتہائی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کو ان واقعات کا انتہائی رنج ہوا۔ اس لئے بعد کے دور میں خالصتاً تبلیغی مہمات بھی حفاظتی نقطہ نظر سے مسلح کر کے بھیجی گئیں۔

درس گاہ صفہ کے تربیت یافتہ معلمین و مبلغین کی دعوتی سرگرمیاں اس کے بعد بھی جاری رہیں۔ آپ ﷺ ان لوگوں کو مختلف جہادی مہمات میں افواج کے ہمراہ بطور مبلغ روانہ فرماتے، اس کے علاوہ قبائل عرب کی طرف سے آنے والے وفود کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی آپ ﷺ اصحاب صفہ سے مدد لیتے تھے۔

(23) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجوزۃ للشیخ، ج: ۴، ص: ۸۵۱

☆ امام بخاری نے ان اصحاب کی تعداد دس بیان کی ہے۔ (i) امام سہلی نے بھی دس کے قول کو ہی ترجیح دی ہے جن میں سے چھ مہاجر اور چار انصار صحابہ تھے۔ (ii) جب کہ ابن اثیر نے ان مبلغین کی تعداد چھ بیان کی ہے۔ (iii)

(i) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الریح، ج: ۴، ص: ۸۶، (ii) الروض الاف، ذکر یوم الریح

(iii) اسد الغابہ، تذکرہ عبداللہ بن طارق، ۵/ ۲۵۸

(24) ابن ہشام، حدیث بزمِ معونہ، ۲۰۳/۳-۱۲۱۰ اسد الغابہ، تذکرہ منذر بن عمرو، ۴/ ۲۱۸

## فصل دوم

عرب قبائل کے لئے مبلغین کا تقرر و قبائلی روساء کا دعوتی کردار قریش مکہ کو چونکہ مذہبی سیادت حاصل تھی اس لئے عرب میں ان کا ادب و احترام کیا جاتا تھا اور تمام عرب مذہبی معاملات میں ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے تھے۔ کفر و اسلام اور حق و باطل کی جو آویزش جاری تھی اس میں قبائل عرب قریش کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بالآخر جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش سب کے سب مسلمان ہو گئے تو اب قبائل عرب کے لئے بھی اسلام کے حق میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔

ابن حجر لکھتے ہیں:

”ان مکة لما فتحت بادر ت فتح مکة کے بعد تمام عرب نے اسلام کی العرب باسلامهم فکان کل طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا۔ ہر قبیلہ قبیلہ ترسل کبراہا یسلموا اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام ویتعلمو ویرجعوا الی قومهم لائیں اور دین کی تعلیم حاصل کریں، واپس فیدعوهم الی الاسلام“ (1) آئیں تو اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دیں۔

فتح مکہ کے بعد تقریباً ایک سال کے عرصہ میں تمام قبائل عرب نے اپنے منتخب افراد کو وفود کی صورت میں مدینہ طیبہ بھیجنا تاکہ وہ پوری قوم اور قبیلہ کی طرف سے اسلام کی بیعت کریں۔ فتح مکہ سے قبل رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ جو قبیلہ اور قوم بھی اسلام قبول کرے اسے مدینہ آ کر مستقل رہنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس کی بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو لوگ دارالہجرت آ کر دین کی تعلیم حاصل کریں اور مزید یہ کہ دفاعی نقطہ نظر سے بھی مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو۔

چنانچہ فتح مکہ سے قبل رسول اللہ ﷺ جو دعوتی مہمات روانہ فرماتے تھے ان کو یہی نصیحت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو دین کی دعوت دیں اگر وہ قبول کر لیں تو ان کو مدینہ کی طرف ہجرت کی دعوت دیں۔ حضرت بریدہ کا بیان ہے:



”کان رسول اللہ ﷺ اذا بعث امیرا علی سرية او جيش اوصاه بتقوى الله في خاصة نفسه وبمن معه من المسلمين خيرا، وقال ﷺ: ”اذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم الى احدي ثلاث خصال فايتهما اجابوك اليها، فاقبل منهم وكف عنهم، ادعهم الى الاسلام، فان اجابوا فاقبل منهم وكف عنهم، ثم ادعهم الى التحول من دارهم الى دار المهاجرين، وأعلمهم انهم ان فعلوا ذالك، ان لهم مالمهاجرين وان عليهم ما على المهاجرين، فان ابوا واختاروا دارهم فأعلمهم انهم يكونون كأعراب المسلمين يجرى عليهم حكم الله الذي كان يجرى على المؤمنين ولا يكون لهم في الفسء والغنيمۃ نصيب إلا ان يجاهدوا مع المسلمين، فان هم ابوا فادعهم الى اعطاء الجزية فان اجابوا فاقبل منهم وكف عنهم، فان ابوا فاستعن بالله وقاتلهم“ (2)

”رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی جماعت یا لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرماتے تو اس کو خاص اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتے اور جو مسلمان اس کے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے اور یہ فرماتے! جب تمہارا مشرک دشمنوں سے سامنا ہو تو ان کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دینا۔ ان باتوں میں سے جو بات بھی وہ مان لیں تم اسے ان سے قبول کر لینا اور ان سے جنگ نہ کرنا، پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو

اگر وہ اسے منظور کر لیں تو تم ان سے اسے قبول کر لو اور ان سے رک جاؤ، پھر تم ان کو اپنا علاقہ چھوڑ کر دارالمہاجرین (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دو اور انہیں یہ بتلا دو کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کو وہ تمام منافع ملیں گے جو مہاجرین کو ملتے ہیں اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ اسے نہ مانیں اور اپنے علاقے میں رہنے کو ہی ترجیح دیں تو انہیں بتلا دو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور اللہ کے احکام جو تمام مسلمانوں کے ذمہ ہیں وہ ان کے ذمہ ہوں گے۔ انہیں فتنے اور مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تو حصہ ملے گا۔ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو اگر وہ اسے مان لیں تو تم اسے قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جنگ کرو۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی سالوں میں رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ نو مسلم قبائل اور افراد کو مدینہ کی طرف ہجرت کی ترغیب دی جائے، لیکن فتح مکہ کی صورت میں جب اسلام کو نئی قوت و شوکت نصیب ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت عملی تبدیل فرمائی اور واضح طور پر اعلان فرمادیا گیا:

”لا ہجرة بعد فتح مکہ“ (3) ”فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔“

اب آپ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جو لوگ بھی انفرادی طور پر یا وفد کی صورت میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کو خود تعلیم ارشاد فرماتے اور بعض اوقات انصار و مہاجرین صحابہ کو حکم دیتے کہ وہ ان لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں اور جب وہ لوگ دین کے بنیادی امور کا علم حاصل کر لیتے تو آپ ﷺ ان کو وفد، جو عام طور پر رؤساء قبائل پر مشتمل ہوتے تھے، کو واپس اپنے قبائل میں جانے کا حکم دیتے اور ان کو حکم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ سیکھ چکے ہیں وہ اپنے دوسرے لوگوں کو سکھائیں۔ (4)

(3) المسند، مسند صفوان بن امیہ، ج: ۱، ص: ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰

(4) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس ولجائهم، ج: ۶، ص: ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین، ج: ۲، ص: ۲۶۱، ۲۶۲، سنن ابن ماجہ،

ابواب الجہاد، باب وصیۃ الامام، ج: ۲، ص: ۲۸۵، ۲۸۶، المسند، حدیث بریدہ الاسلمی، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴



امام بخاریؒ نے ایک جگہ ”وصاء النبی ﷺ وفود العرب ان یبلغوا من ورائہم“ (5) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس کو آگے دوسروں تک پہنچانا ان وفود کا سب سے اہم فریضہ تھا۔ نیز بعض علاقوں کی طرف آپ ﷺ نے دعوتی مہمات روانہ فرمائیں اور مبلغین کو تلقین کی کہ اگر وہ لوگ اطاعت کا اظہار کریں تو ان کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں اور ان کو کہیں کہ وہ وفد بن کر مدینہ آئیں اور براہ راست رسول اللہ ﷺ سے فیضیاب ہوں۔ (6)

چنانچہ 9ھ میں اس کثرت سے وفود آئے کہ مؤرخین نے اس سال کو ”عام الوفود“ کا نام دیدیا۔ ان وفود میں سے بعض سینکڑوں افراد پر بھی مشتمل تھے (7) اور بعض محض ایک، دو اور تین افراد پر مشتمل تھے۔ ان وفود کی تعداد میں بھی کافی اختلاف ہے تاہم یہاں ان میں سے ان چند وفود اور قبائلی رؤساء کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا کردار دعوت و تبلیغ کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔

قبائلی رؤساء کی تعلیم و تربیت کا انتظام

اصحابِ صفہ کی منظم اور مستقل تبلیغی جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ ہر قبیلہ اور جماعت میں سے کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو انجام دیتے رہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ”اور سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آئیں۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ“ تاکہ جب وہ واپس جائیں تو اپنی قوم کو لعلہم یحذروں (8) ڈرائیں، شاید وہ بری باتوں سے بچ جائیں۔

(5) صحیح البخاری، کتاب التہنئ، ص: ۱۲۵۰ (6) ابن حشام، اسلام بنی المارث بن کعب ..... ۲۴۹/۲

(7) وفد بنی تمیم ستر یا اسی افراد پر مشتمل تھا (ii) جب کہ وفد قبیلہ میں شامل افراد کی تعداد ایک سو پچاس بیان کی جاتی ہے۔ (i) الاستیعاب، تذکرہ عمر بن ابیہم، ۱۱۶۳/۳ (ii) ابن سعد، ۳۴۷/۱ (8) التوبہ، ۱۲۴:۹

چنانچہ بعض قبائل نے تو خود ہی اپنے نمائندہ افراد کو مدینہ بھیجا اور بعض قبائل مثلاً بنو حارث بن کعب اور ہمدان وغیرہ کو خود آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ وہ اپنے وفود بھیجیں۔ چنانچہ اس کے بعد عرب کے تقریباً ہر قبیلہ نے اپنے وفود بارگاہ رسالتؐ میں بھیجے تاکہ وہ دین کا فہم حاصل کریں اور واپس آ کر خود ان کو اس کی تعلیم دیں۔ تفسیر خازن میں ابن عباسؓ کا قول مروی ہے:

”كان ينطلق من كل حي من ”عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ لعرب عصابة فيأتون النبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ بسألونه عما يريدون من امر ﷺ سے مذہبی امور دریافت کرتا اور دین کا ینہم ویتفقہون فی دینہم“ (9) فہم حاصل کرتا۔“

آنے والے وفود اور قبائل عرب کے نمائندہ افراد کی ایسی تعلیم و تربیت کہ وہ واپس آ کر دعوت و تبلیغ کا کام کماحقہ کر سکیں، بڑی اہم ذمہ داری تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نے صارو مہاجرین اور اصحابِ صفہ کی مدد سے عمدہ طریقہ سے انجام دیا، چنانچہ آپ ﷺ وفود رب میں آنے والے قبائلی عمائدین کی خود تعلیم و تربیت فرماتے اور بعض اوقات انصار مہاجرین کو حکم ہوتا کہ معزز مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قرآن و سنت سکھائیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے:

”كان رسول اللہ ﷺ يشغل ”کوئی شخص جب ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی فذا قدم رجل مهاجر علی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ اس کو تعلیم رسول اللہ ﷺ دفعه الى رجل قرآن کے لئے ہم میں سے کسی کے سپرد منا یعلمہ القرآن“ (10) کر دیتے۔“

چنانچہ حضرت وردانؓ طائف سے آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابان بن سعید کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیں علامہ ابن حجر کی روایت ہے:

(9) تفسیر خازن، تفسیر سورۃ التوبہ، آیت ما كان المؤمنون لينفروا ..... ۲۴۱/۲

(10) المسند، حدیث عبادہ بن صامت، ج: ۲، ۲۲۲۶۰، ۲۴۳/۶



”ان النبی ﷺ اسلمہ الی ابان بن سعید

لیمونہ ویعلمہ القرآن“ (11)

انصار مدینہ باہر سے آنے والے حضرات کی مہمان نوازی کے ساتھ اس لگن اور دسوزی سے ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے کہ وہ لوگ تشکر کے جذبات کے ساتھ واپس جاتے تھے۔ چنانچہ وفد عبدالقیس آیا تو اس اعتراف کے ساتھ واپس گیا۔

خیر اخوان، الانوافراشنا، وأطابوا مطعمنا، وباتوا واصبحوا یعلمونا کتاب ربنا وسنة نبینا“ (12)

آنے والی سطور میں ان چند قبائلی رؤساء اور مبلغین کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے قبائل میں دعوت کا فریضہ انجام دیا۔

عمیر بن وہب کی قریش مکہ کو دعوت

عمیر بن وہب قریش کے ممتاز سرداروں میں سے ایک تھے۔ یہ ابتدائے اسلام میں اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے ایک تھے۔ ان کا بیٹا وہب بن عمیر غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو چھڑوانے کے بہانے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس سازش کا سوائے صفوان بن امیہ کے کسی کو علم نہ تھا، جو خود اس منصوبے میں شریک تھے۔ لیکن مدینہ پہنچ کر جب وہ اس ارادے سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بذریعہ وحی صفوان بن امیہ کے ساتھ تیار کردہ سازش سے آگاہ کر دیا اب عمیر پر حقیقت حال واضح ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور آپ ﷺ سے عرض کی:

فأذن لی یا رسول اللہ ﷺ ”یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ فالحق بقریش فادعوهم الی مجھے اجازت دیں کہ میں مکہ جا کر اہل مکہ کو اللہ اللہ والی الاسلام لعل اللہ ان اور اسلام کی طرف دعوت دوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا۔“

یہدیہم (13)

(11) الاصابہ، تذکرہ وردان جد الفرات، ۲۳۳/۳ (12) المسند، حدیث وفد عبدالقیس، ح: ۱۵۱۳۱

۱۴۵۲/۱۲ ایضاً ۱۴۳۷/۱۵ (13) الاصابہ، تذکرہ عمیر بن وہب، ۱۵۰/۳

ابن الاثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمیرؓ مکہ میں مسلسل اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ سمیت متعدد لوگوں نے آپ کی ترغیب سے ہی اسلام قبول کیا۔ (14)

حضرت ضحاک بن سفیان کی بنو کلاب کو دعوت اسلام

حضرت ضحاک کی کوششوں سے بنو کلاب کا پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔ ۹ھ میں اس قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور آپ ﷺ کو بتایا: ضحاک بن سفیان نے ہمارے درمیان کتاب اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا اور ہمیں آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ہم نے اسے قبول کر لیا۔ (15)

ابو امامہؓ باہلی کی اپنی قوم باہلہ کو دعوت اسلام

ابو امامہؓ باہلی نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کی اپنی قوم کی طرف ہی مبلغ بنا کر بھیجا تا کہ وہ ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ قوم نے جب ان کو دیکھا تو خوش ہو کر کہا: صدی بن عجلان (ابو امامہؓ کا نام ہے) کو خوش آمدید ہو۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تم بے دین ہو کر اس آدمی (رسول اللہ ﷺ) کی طرف مائل ہو گئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف مائل ہو گیا ہوں اور مجھے اللہ اور رسول ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تم پر اسلام اور اس کے احکام پیش کروں۔

چنانچہ اس کے بعد ابو امامہؓ ان کو اسلام کی دعوت دینے لگے، لیکن قوم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر بڑی سختی کی۔ ابو امامہؓ نے بڑی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ بالآخر ان کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں پوری قوم مسلمان ہو گئی (16)

حضرت ابو امامہؓ نے اس کے بعد دعوت دین کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا جہاں دو چار لوگوں کو دیکھتے ان تک اسلام کا پیغام ضرور پہنچاتے۔ مسلم بن عامر کا بیان ہے: ”جب ہم ابو امامہؓ کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم کو احادیث سناتے اور کہتے ان کو

(14) اسد الغابہ، تذکرہ عمیر بن وہب، ۱۵۰/۳ (15) ابن سعد، وفد کلاب، ۳۰۰/۱

(16) المسند رک، ذکر ابی امامۃ الباہلی، ۶۴۱/۳ الاصابہ، تذکرہ صدی بن عجلان، ۱۸۲/۲



سنو، سمجھو اور جو سنتے ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ“ (17)

سلمان بن حبیب محاربى بیان کرتے ہیں: میں حمص کی مسجد میں گیا، دیکھا کہ مکحول اور ابن زیاد کر یادوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مکحول نے کہا کہ اس وقت دل چاہتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابوامامہؓ باہلی کے حضور چلتے، ان کی کچھ خدمت کرتے اور ان سے کچھ حدیثیں سنتے۔ سلمان کہتے ہیں: ہم لوگ اٹھے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم لوگوں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا اس کے بعد فرمایا: تمہارا میرے پاس آنا تمہارے لئے باعثِ رحمت بھی ہے اور تمہارے اوپر جنت بھی، (یعنی اگر تم حدیث کی خلاف ورزی کرو گے) میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس امت کے حق میں جھوٹ اور تعصب سے زیادہ اور کسی چیز کا خوف کرتے ہوئے نہیں دیکھا، آگاہ رہو جھوٹ اور تعصب سے بچو پھر فرمایا:

”الا وانه امرنا ان نبليكم ذالك“ آگاہ رہو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا عنہ الا وقد فعلنا فابلغوا کہ ہم یہ باتیں تم تک پہنچادیں۔ آگاہ رہو ہم نے پھنچادیں، لہذا اب تم ان باتوں کو جو ہم سے تم نے نہیں ہیں دوسروں تک پہنچادینا“ (18)

حضرت عمرو بن مرہ جہنی کی اپنی قوم کے لئے دعوت

حضرت عمرو بن مرہ جہنی نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور قرآن مجید کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ سے حاصل کی (19) پھر بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری قوم میں بھیج دیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بھی میرے ذریعہ فضل فرمادے جیسے آپ ﷺ کے ذریعہ سے مجھ پر فرمایا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کی قوم میں دعوتِ اسلام کی اجازت مرحمت فرمائی، انہوں نے قوم کو ان الفاظ میں اسلام کی طرف بلایا:

”یا معشر جہینۃ! انی رسول رسول اللہ ﷺ

الیکم ادعوکم الی الاسلام و امرکم بحق الدماء و صلة الارحام، و عبادة الله وحده، و رفض الاصنام و بحج البيت، و صام شهر رمضان شهر من اثني عشر شهرا، فمن اجاب فله الجنة و من عصی فله النار“ (20)

”اے قبیلہ جہینہ! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا قاصد ہوں اور تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اور میں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ تم خون کی حفاظت کرو، صلہ رحمی کرو، ایک اللہ کی عبادت کرو، بتوں کو چھوڑ دو، بیت اللہ کا حج کرو اور بارہ مہینوں میں سے رمضان کے روزے رکھو۔ جو مان لے گا اس کے لئے جنت ہے اور جس نے نافرمانی کی اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔“

حضرت عمرو بن مرہ کی مسلسل دعوت اور کوشش سے ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اپنی قوم کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا استقبال فرمایا، ان کو درازی عمر کی دعادی اور ان کی قوم کیلئے ایک تحریک رکھ کر دی۔ (21)

رفاعہ بن زید جزامی کی اپنی قوم کے لئے بطور مبلغ تقرری

خیبر سے قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر رفاعہ بن زید جزامی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک تحریر ان کی قوم کے لئے لکھ دی اور ان کو اپنی قوم کی طرف مبلغ بنا کر روانہ فرمایا۔ اس خط میں تحریر تھا:

”هذا كتاب من محمد رسول الله ﷺ لرفاعة بن زيد، اني بعثته الى قومه عامة، ومن دخل فيهم، يدعوهم الى الله والى رسوله، فمن اقبل منهم ففى حزب الله وحزب رسوله“ (22)

”یہ محمد رسول اللہ کی جانب سے رفاعہ بن زید کیلئے تحریر ہے کہ میں نے انہیں ان کی عام قوم کی

(19) الاصابہ، ۱۲/۵ (20) البدایہ، ۱۲/۵ کنز العمال، ۶۴/۷

(21) البدایہ، ۱۲/۵ کنز العمال، ۶۴/۷

(22) ابن ہشام، تقدم رفاعہ بن زید جزامی، ۲۵۲/۳ اسد الغابہ، تذکرہ رفاعہ بن زید، ۱۸۱/۲

(17) سنن الدارمی، المقدمة، باب البلاغ عن رسول اللہ ﷺ و تعلیم السنن، ج: ۵۵۰، ۱۱/۳

(18) اسد الغابہ، تذکرہ صدیق بن عثمان، ۱۶/۳-۱۷



طرف اور ان لوگوں کی طرف جو ان کی قوم میں داخل ہوں، بھیجا ہے، رفاعہ ان سب کو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف دعوت دیں گے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا، اللہ اور اس کے رسول کی جماعت میں شمار ہوگا۔

پھر جب رفاعہ بن زید اپنی قوم میں پہنچے تو قوم نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور

اسلام قبول کر لیا۔ (23)

عروہ بن مسعود کی ثقیف کو دعوت عثمان بن ابی العاص کا بطور امیر تقرر ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ماہ رمضان 9ھ میں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے عروہ بن مسعود ثقیفی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی قوم میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں ان کو اسلام کی طرف بلاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہیں ایسا نہ ہو کہ ثقیف تمہیں قتل کر ڈالیں۔ عروہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ان کے نزدیک بارہ عورتوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

چنانچہ وہ اس امید پر کہ قوم ان کی مخالفت نہیں کرے گی بڑے جذبے کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت کیلئے روانہ ہوئے۔ جب وہ اپنے مکان کے بالاخانے پر نمودار ہوئے، قوم کو اسلام کی طرف بلایا اور ان پر اپنا دین ظاہر کیا تو انہوں نے ہر طرف سے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا جس سے آپ ﷺ شہید ہو گئے لیکن حضرت عروہ بن مسعود ثقیفی کی یہ قربانی رائیگاں نہ گئی، جلد ہی قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ چھ افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا اور مدینہ میں ٹھہر کر اسلام کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے لگے۔ جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے ایک تحریر لکھ دی اور عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر کیا۔

ابن ہشام نے ان کے تقرر کی یہ حکمت بیان کی ہے: ان لوگوں میں انہیں اسلام کو ٹھیک طور پر سمجھنے اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا سب سے زیادہ شوق تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی یہ کہتے ہوئے ان کے تقرر کی سفارش کی:

(23) ایضاً (24) ابن ہشام، امر وفد ثقیف و اسلاما..... ۹۳/۳

تاریخ الامم والملوک، ۱۳۱/۳ (واقعات ۹ھ)

”یا رسول اللہ ﷺ! انی“ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اس لڑکے کو ان قدر آیت هذا الغلام منهم من لوگوں میں تفقہ فی الدین، مسائل دینی اور احراصہم علی التفقہ فی قرآن سیکھنے کا سب سے زیادہ حریص پاتا الاسلام، وتعلم القرآن“ (24) ہوں۔“

وفد بنو تمیم

بنو تمیم کا وفد بڑی شان و شوکت سے 9ھ میں مدینہ آیا وفد میں قبیلہ کے تقریباً تمام بڑے رؤساء مثلاً اقرع بن حابس، عمرو بن اہتم، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، عطار بن حابس زبرقان بن بدر اور عیینہ بن حصن وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ اپنے خطیب اور شاعر ساتھ لے کر آئے تھے۔ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

”کان فی وفد تمیم سبعون او“ ”قبیلہ بنو تمیم کے ستر یا اسی افراد وفد کی ثمانون رجلاً ثم اسلموا القوم صورت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور وبقوا بالمدينة مدة يتعلمون مدینہ میں ایک مدت تک دین اسلام اور القرآن والدين“ (25) قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔“

اسی وفد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مقدسہ نازل فرمائی تھی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ ”وہ لوگ جو آپ ﷺ کو حجروں کے عقب الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُهُمْ سے پکارتے ہیں ان میں سے بیشتر ناسمجھ لَا یَعْقِلُوْنَ“ (26) ہیں۔“

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! ہم تمہارے پاس مفاخرہ کرنے کیلئے آئے ہیں۔ اس لئے ہمارے شاعر اور خطیب کو اجازت دو، چنانچہ بنو تمیم کی طرف سے عطار بن حابس نے تقریر کی اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ثابت بن قیس نے اس کا جواب دیا۔ اسی طرح زبرقان بن بدر نے فخریہ اشعار پڑھے تو ابن اسحاق کے بقول رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت کو بلوا بھیجا تو انہوں نے ان کا جواب دیا۔ دو طرفہ مفاخرہ کے بعد اقرع بن حابس یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے:

(25) الاستیعاب، تذکرہ عمرو بن اہتم، ۱۱۶۳/۳ (26) الحجرات، ۴۹



”باپ کی قسم! یہ آدمی (نبی کریم ﷺ) وہ ہیں جن کو توفیق الہی حاصل ہے، ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے اور ان کے الفاظ ہمارے الفاظ سے شیریں ہیں“

پھر بنو تمیم کے وفد کے تمام افراد اسلام لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہترین انعامات سے نوازا۔ (27)

ضمائم بنو ثعلبہ کی بنو سعد بن بکر کو دعوت اسلام

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنو سعد بن بکر نے ضام بن ثعلبہ کو بارگاہ رسالت میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ وہ اسلام کے بارے میں پوچھ کر آئیں۔ ضام بڑے جری انسان تھے، چنانچہ یہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور پوچھا: ایکم ابن عبدالمطلب؟ (تم میں عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ”انا ابن عبدالمطلب“۔ (میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)۔ پھر ضام بن ثعلبہ نے اسلام کے متعلق کئی سوال کئے، جن کو ابن ہشام اور دوسرے مؤرخین نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہا!

”فانی اشہد ان لا الہ الا اللہ“ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی و اشہد ان محمدا رسول“ ”معبود نہیں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے اللہ ﷻ و ساوڈی ہذہ رسول ہیں، اور میں یہ فرائض ادا کرتا رہوں گا اور الفرائض واجتنب ما نہی تنی جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ان عنہ، ثم لا ازید ولا سے پرہیز کروں گا، پھر میں نہ زیادتی کروں گا اور انقص“ (28)

پھر اپنے اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ جب اپنی قوم میں پہنچے تو پوری قوم ان کے پاس جمع

(27) ابن ہشام، قدوم وفد بنی تمیم، ۲۲۱/۳

(28) ابن ہشام، قدوم، ضام بن ثعلبہ و انداء بنی سعد بن بکر، ۲۲۹/۴ المسند، مسند عبد اللہ بن عباس، ج: ۲۲۵، ص: ۱۱۴، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب القراءة والعرض علی المحدث، ج: ۶۳، ص: ۱۱۵، الموطا، کتاب قصر الصلوٰۃ فی السفر، ج: ۱۹۷، ص: ۱۳۰

راوی چنانچہ انہوں نے قوم سے جو پہلی بات کہی وہ یہ تھی:

”بئست اللات والعزی اقالوا! ماہ یا ضمام! اتق البرص، اتق الجذام، اتق الجنون! قال: ویلکم! انہما واللہ لا یضران ولا ینفعان، ان اللہ قد بعث رسولا وانزل علیہ کتابا استنقذکم بہ مما کنتم فیہ، وانی اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ، وقد جنتکم من عندہ بما امرکم بہ، ومانہا کم عنہ، (29)

”لات وعزی کتنے برے ہیں، اس پر قوم نے کہا: ضمام! ٹھہرو، ٹھہرو! برص میں مبتلا ہونے سے ڈرو، جذام میں مبتلا ہونے سے ڈرو اور جنون سے ڈرو“ ضام نے جواب دیا! تمہارا برا ہو، خدا کی قسم! یہ دونوں (لات وعزی) نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ بے شک اللہ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے جس کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اس گمراہی سے نکالا ہے جس میں تم پڑے ہوئے تھے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور میں تمہارے پاس ان کی طرف سے وہ لایا ہوں جس کا انہوں نے تمہیں حکم دیا ہے اور وہ لایا ہوں جس سے انہوں نے تمہیں منع کیا ہے۔“

راوی (ابن عباس) کا بیان ہے کہ شام ہونے سے قبل ہی اس قبیلے کے ہر مرد و عورت نے

(29) ابن ہشام، قدوم ضام بن ثعلبہ و انداء بنی سعد بن بکر، ۲۲۹/۳

المسند مسند عبد اللہ بن عباس، ج: ۶۳، ص: ۱۱۵

اسد الغابہ، تذکرہ ضام بن ثعلبہ، ۱۳۱/۳ المسند رک، رجوع ضام بن ثعلبہ علی قومہ، ۵۳/۳



اسلام قبول کر لیا۔

اکثم بن صیفی کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

حضرت اکثم کو ظہورِ اسلام کی خبر ہوئی تو دو آدمیوں کو رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں وہ دونوں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو یہ آیت سنائی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْأَرْحَامِ وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (30)

ان لوگوں نے جا کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا یا قوم! اراہ یا امر بمکارم ”اے میری قوم یہ پیغمبر مکارمِ اخلاق کا حکم الاخلاق وینہی عن ملانمہا دیتا ہے۔ اور ذمائمِ اخلاق سے روکتا ہے تم فکونوا فی هذا الامر رؤسا لوگ قبولِ اسلام میں دم نہ بنو، سر بنو، مقدم ولا تکونوا ادنا با و کونوا فیہ بنو، مؤخر نہ ہو۔“

اولا ولا تکونوا فیہ آخر

اس کے بعد تادمِ مرگ اس کوشش میں مصروف رہے، انتقال ہوا تو اہل عیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔ (31)

حضرت زیاد بن حارث کی اپنی قوم کو بذریعہ خط دعوتِ اسلام

حضرت زیاد بن حارث صدائی فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام پر آپ ﷺ سے بیعت ہوا۔ مجھے پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے ایک لشکر میری قوم کی طرف بھیجا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ لشکر واپس بلا لیں، میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ میری قوم مسلمان بھی ہو جائے گی اور آپ ﷺ کی اطاعت بھی کرے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ اور اس لشکر کو واپس بلا لاؤ۔ میں نے کہا یا رسول

اللہ تعالیٰ میری سواری تھکی ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو بھیج کر لشکر واپس بلوالیا۔ میں نے اپنی قوم کو خط لکھا۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا ایک وفد یہ خبر لے کر حضور کی خدمت میں آیا آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”یا اخصاء! ”انک لمطاع فی

قومک“ فقلت: ”بل اللہ هذا هم للاسلام

فقال ﷺ: افلا اؤمرک علیہم؟“ قلب ابلی

یا رسول اللہ ﷺ اقال: فکتب لی کتابا

امرنی (32)

”اے صدائی بھائی! واقعی تمہاری قوم تمہاری بات مانتی ہے

۔ میں نے کہا (اس میں میرا کمال نہیں) بلکہ اللہ نے ان کو اسلام کی

ہدایت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان کا امیر نہ

بنادوں؟ میں نے کہا بنادیں یا رسول اللہ! چنانچہ حضور ﷺ نے

میری امارت کے بارے مجھے ایک خط لکھ کر دیا“

فروہ بن مسیک کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

فروہ بن مسیک 10ھ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول

کر لیا۔ فروہ کا قبیلہ مراد سے تعلق تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے

اجازت ہو تو اپنی قوم کے اہل اسلام کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے کافروں سے قتال

کروں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ جب یہ چلے تو رسول اللہ ﷺ نے

ایک آدمی بھیج کر ان کو بلوالیا اور فرمایا:

”ادع القوم فمن اسلم منهم“ ”تم اپنی قوم کو اسلام کی ترغیب دینا، جو شخص

فاقبل منه ومن لم یسلم فلا“ اسلام لے آئے اس کا اسلام قبول کر لینا اور جو

تعجل حتی احدث انکار کرے اس کے بارے میں توقف کرنا

الیک (33) یہاں تک کہ میں تم کو کوئی حکم بھیجوں“



ابو ثعلبہؓ خنثی کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

حضرت ابو ثعلبہؓ ہجرتِ ثوم بن ناشب خنثی کا تعلق قبیلہ قضاہ کی شاخ خشین سے تھا۔ یہ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو ثعلبہؓ کو ان کے اپنے قبیلہ کی طرف ہی مبلغ بنا کر بھیجا چنانچہ حضرت ابو ثعلبہؓ کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام لے آیا۔ (34) ابن عبد البر کا بیان ہے:

”و ارسله رسول الله ﷺ الى رسول الله ﷺ نے ان کو ان کی قوم کی طرف قومہ فاسلموا“ (35) دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا پس ان کی قوم نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔

عامر بن شہر کی قبیلہ ہمدان کو دعوتِ اسلام

عامر بن شہر ایک زمانہ تک بادشاہوں کی صحبت میں رہ چکے تھے اور اپنے قبیلہ کے قابل ترین فرد تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر ان کے قبیلہ ہمدان کو ملی تو قبیلہ والوں نے ان سے کہا کہ تم اس شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے پاس جاؤ اور جس چیز کو تم ہمارے لئے اچھا سمجھو گے اس کو ہم کریں گے اور جس کو برا سمجھو گے اس کو نہ کریں گے۔ چنانچہ عامر بن شہر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور دینِ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی تو کئی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (36)

حارث بن ضرار کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

حضرت حارث بن ضرار نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو عقائد اسلام اور زکوٰۃ کی تعلیم دی۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤں تاکہ ان کو اسلام اور اداءِ زکوٰۃ کی دعوت دوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت حارث بن ضرار واپس اپنی قوم میں آ گئے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا تو قوم نے

(35) الاستیعاب، تذکرہ ابو ثعلبہؓ خنثی، ۱/۱۸۱

(36) اسد الغابہ، تذکرہ عامر بن شہر ہمدانی، ۱/۸۳ (37) ایضاً، تذکرہ حارث بن ضرار، ۱/۳۳۴

ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت حارثؓ زکوٰۃ اکٹھی کر کے خود مدینہ حاضر ہوئے۔ (37)

عمرو بن حسان کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

حضرت عمرو بن حسان نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا تو تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے پیچھے کسی شخص کو نہیں چھوڑا جس سے میں نے اسلام پر بیعت نہ لے لی ہو اور وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لایا ہو سوائے قبیلہ کے خاندان بنی جون کی ایک ضعیفہ یعنی میری والدہ کے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ارفق بها ”ان کے ساتھ نرمی کرو“۔ (38)

قیس بن نشیہ کی بنی سلیم کو دعوتِ اسلام

حضرت قیس بن نشیہؓ قبولِ اسلام کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور ان کو اسلام کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا:

”يا بنی سلیم! سمعت ترجمۃ ”اے بنو سلیم! میں نے روم و فارس کے الروم و فارس و اشعار العرب تراجم اور عرب، کھان اور حمیر کے والكھان و مقاول حمیر بہادروں کے اشعار سنے ہیں لیکن محمد ﷺ و ما کلام محمدؐ یشبه شیئاً من کلام ان سب سے الگ ہے، پس محمدؐ کلامہم فاطیعونی فی محمد ﷺ کے معاملے میں میری اطاعت فانکم اخوالہ“ (39) کرو، کیونکہ تم ان کے ماموں ہو۔“

ان اشیر کی روایت کے مطابق حضرت قیس بن غزیہؓ نے بھی اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا

”و دعا قومہ الی الاسلام“ (40)

مالک بن احمر کی اہل فدک کو دعوتِ اسلام

جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے مقام پر تشریف لائے تو مالک بن احمر بارگاہِ نبوی

(38) ایضاً، تذکرہ سمر الاہراشی، ۲/۳۶۰ (39) ایضاً، تذکرہ قیس بن نشیہ، ۳/۲۲۸

(40) اسد الغابہ، تذکرہ قیس بن غزیہ، ۳/۲۲۳



میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے اور عرض کیا کہ انہیں تبلیغ دین کے بارے میں ایک اجازت لکھ دیں جس کے ذریعہ وہ اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے چڑے کے ایک ٹکڑے پر ان کو تحریر لکھ دی۔ (41)

محیصہ بن مسعود کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام حضرت محیصہ بن مسعود کو رسول اللہ ﷺ نے اہل مذک کے پاس ارشاد و ہدایت کے لئے روانہ فرمایا، محیصہ بن مسعود جو ان کے بڑے بھائی تھے وہ ان ہی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے۔ (42)

مسعود بن وائل کی بنی سلیم کو دعوتِ اسلام حضرت مسعود بن وائل مشرف بہ اسلام ہوئے تو درخواست کی:

”یا رسول اللہ ﷺ! انی ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ میری قوم کی طرف کی احب ان تبعث الی قومی آدمی کو روانہ کریں جو ان میں اسلام کی تبلیغ کرے۔ رجلا یدعوہم الی الاسلام“

رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک فرمان لکھ کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ خود اپنے قبیلہ میں دعوت کا کام کریں۔ (43)

عبداللہ بن عوسجہ کی قبیلہ حارثہ بن عمرو کو دعوتِ اسلام

حضرت عبداللہ بن عوسجہ الجبلی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط دے کر قبیلہ حارثہ بن عمرو بن قریط کے پاس تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجا، چنانچہ عبداللہ بن عوسجہ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن یہ لوگ اسلام سے محروم رہے۔ (44)

قیس بن یزید کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام اسی طرح ابن اثیر قیس بن یزید کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی:

(41) ایضاً، تذکرہ مالک بن امر، ۳/۲۷۱

(42) ایضاً، تذکرہ محیصہ بن مسعود، ۳/۳۳۳ (43) ایضاً، مسعود بن وائل، ۳/۳۱۰

(44) ایضاً، تذکرہ عبداللہ بن عوسجہ، ۳/۲۳۹

”فدعا قومہ الی الاسلام فاسلموا“ (45)

عمرو بن حزم کا بنو حارث بن کعب کی طرف بطور مبلغ تقرر

ربیع الاول 10ھ میں رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو حارث بن کعب کے پاس نجران دعوت و تبلیغ کی خاطر روانہ فرمایا۔ بنو حارث نے اسلام قبول کر لیا، تو خالد بن ولید نے بذریعہ خط کامیابی کی اطلاع بارگاہ رسالت میں بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے جوابی خط میں ان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ساتھ بنو حارث کا وفد لے کر واپس آ جائیں، چنانچہ حضرت خالد بنو حارث کے وفد سمیت مدینہ حاضر ہو گئے۔ چشمہ نبوت سے براہ راست فیض یاب ہونے کے بعد جب یہ وفد واپس جانے لگا تو آپ ﷺ نے بنو حارث بن کعب پر قیس بن حصن کو امیر مقرر فرمایا اور ان لوگوں کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو ان کی طرف روانہ فرمایا۔ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ان سے صدقات وغیرہ وصول کریں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

”وقد کان رسول اللہ ﷺ قد بعث ”رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو بنو حارث بن لہم بعد ان ولی وفلہم عمرو بن کعب کی طرف بھیجا تا کہ وہاں جا کر ان میں دین حزم ملیف قہہم فی الدین، ویعلمہم کافہم پیدا کریں اور انہیں سنت رسول ﷺ اور السنۃ و معالم الاسلام“ (46)

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کے ایک حصہ کا عامل اور قاضی بنا کر بھیجا تا کہ وہاں فرمائی کہ وہ لوگوں میں اسلامی شعور پیدا کریں اور ان کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

”بعثہ رسول اللہ ﷺ قاضیا الی الجند من الیمن یعلم الناس القرآن و شرائع الاسلام“ (47)

”رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام دین کی تعلیم دیں۔“

(45) ایضاً، تذکرہ قیس بن یزید، ۳/۲۲۹

(46) ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۳/۲۵۰ تاریخ الامم والملوک، ۳/۱۵۷ (واقعات ۱۵۷ھ)

(47) الاستیعاب، تذکرہ معاذ بن جبل



## خلاصہ بحث

(قبائل عرب کے لئے مبلغین کا تقرر القباکلی رؤسا کا دعوتی کردار)

قبائل عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے براہ راست اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ سنایا ہو۔ بالخصوص مکی عہد نبوت میں جب قبائل عرب ایم حج میں مکہ آتے تو آپ ﷺ ایک ایک قبیلہ اور خاندان کے پاس خود جا کر ان کو اسلام کی دعوت پیش فرماتے، تاہم وہ لوگ جن کو آپ ﷺ براہ راست دعوت اسلام نہ دے سکے آپ ﷺ نے ان کی طرف اپنے صحابہ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔

مدنی عہد نبوت میں آپ ﷺ نے کثرت کے ساتھ قبائل عرب کی طرف دعوت و تبلیغی مہمات روانہ فرمائیں اور صحابہ کرامؓ کو دعوت اسلام کی ذمہ داری سونپی۔ اگرچہ ہر قبیلہ کی طرف بھیجے جانے والے مبلغین اور ان کی سرگرمیوں کا ہمیں تفصیلی ذکر نہیں ملتا تاہم مدنی دور میں جس تیزی سے اسلام پھیلا وہ بذات خود آپ ﷺ کے ان گم نام مبلغین کی انتھک کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہے جن کے بارے میں ماخذ یا تو بالکل خاموش ہے یا ان کے بارے میں چند اشارے اور منتشر معلومات ملتی ہیں، ایسے ہی ایک گم نام مبلغ کے بارے میں حضرت احنف بن قیسؓ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ اتنے میں بنو لیث کے ایک آدمی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا میں تم کو ایک خوشخبری نہ سنا دوں؟ میں نے کہا ضرور۔ اس نے کہا کیا تمہیں یاد ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہاری قوم کے پاس بھیجا تھا۔ میں ان پر اسلام کو پیش کرنے لگا اور ان کو اسلام کی دعوت دینے لگا تو تم نے کہا تھا کہ تم ہمیں بھلائی کی دعوت دے رہے ہو اور بھلی بات کا حکم کر رہے ہو اور وہ (رسول اللہ ﷺ) بھلائی کی دعوت دے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب تمہاری بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہم! اغفر للاحنف“

”اے اللہ! احنف کی مغفرت فرما۔“

حضرت احنفؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایسا کوئی عمل نہیں ہے جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے زیادہ امید ہو۔ (48)

اسی نوعیت کا ایک واقعہ عہد خیر بن یزید بیان کرتے ہیں:

”میں ملک یمن میں تھا وہاں لوگوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا جس میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس وقت میرے والد کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور میری عمر ابھی کم تھی، جب میرے والد واپس آئے تو میری والدہ سے کہا کہ دیگ کو کتوں کے سامنے بہا دو اس لئے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، پس اس وقت میں اسلام لے آیا۔ دیگ کے بہانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اس میں مردار پکا ہوا تھا۔“ (49)

بنو لیث سے تعلق رکھنے والے یہ مبلغ صحابی کون تھے؟ جن کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت احنف بن قیسؓ کی قوم میں دعوت و تبلیغ کیلئے بھیجا تھا اس بارے میں ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے۔ اسی طرح ملک یمن میں رسول اللہ ﷺ کا دعوتی خط لے کر جانے والے صحابی کون تھے؟ جن کی سرگرمیوں کا اشارہ حضرت عہد خیر بن یزید کے بیان سے ملتا ہے۔ تاہم اس قسم کی روایات سے یہ رائے ضرور قائم کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلا تخصیص تمام قبائل عرب کی طرف صحابہ کرامؓ کو دعوت و تبلیغ کیلئے روانہ فرمایا، اگرچہ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں کتب سیر و تاریخ خاموش ہیں۔

اسی طرح وفود عرب بھی مدنی دور میں دعوت و تبلیغ کا انتہائی موثر ذریعہ ثابت ہوئے۔ وفود عرب، جو عام طور پر قبائلی رؤسا اور سرداران قوم پر مشتمل ہوتے تھے، کو رسول اللہ ﷺ مناسب تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کے اپنے ہی قبائل میں دعوت و تبلیغ کیلئے بھیج

(48) اسد الغابہ، تذکرہ احنف بن قیس، ۵۵/۱۱

الاصابہ، تذکرہ احنف بن قیس، ۱۰۰/۱۱

المستدرک، ذکر احنف بن قیس، ۶۱۳/۳

(49) اسد الغابہ، تذکرہ عہد خیر بن یزید، ۲۷۷/۳



دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حکمت عملی انتہائی کامیاب رہی اور اس کے نتائج انتہائی حوصلہ افزاء رہے۔

عرب کے مخصوص قبائلی اور معاشرتی ماحول میں جہاں سردار قوم کا مذہب ہی پورے قبیلے اور خاندان کا مذہب اور دین ہوتا تھا، نو مسلم سرداروں نے اشاعت اسلام میں اہم کردار ادا کیا، چنانچہ قبائلی رؤسا کو اپنے قبائل میں جو شخصی اثر و رسوخ اور وجاہت حاصل تھی اس کی بناء پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ فرد واحد کی دعوت پر پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ، ابو ثعلبة، زیاد بن حارث، ضمام بن ثعلبة کی دعوت پر ان کے پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح حضرت حماد ازدی نے قبول اسلام کے بعد اپنی قوم کی طرف سے بھی اسلام کی بیعت کی۔

## فصل سوم

### نبوی سفراء کا دعوتی کردار

اسلام تمام انسانیت کا دین ہے جس کے مخاطب پوری دنیا کے انسان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی اور ان کی نبوت اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی۔ اس کی دلیل تحریف شدہ بائبل کے اندر اب بھی موجود ہے۔ مثلاً ایک عورت نے جب حضرت مسیح سے برکت چاہی تو آپ نے فرمایا:

”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور

کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“ (1)

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے جب بارہ نقیب مقرر فرمائے اور ان کو مختلف علاقوں کی طرف دعوت و تبلیغ کیلئے روانہ فرمایا تو بطور خاص ان کو تلقین فرمائی:

”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ

ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس

جانا۔“ (2)

یہ امتیاز صرف رسالت محمدیؐ کو ہی حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کیلئے ہوئی۔ قرآن مجید اور کتب احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (3)

(1) کتاب مقدس، متی، ۱۵: ۲۵ (2) ایضاً متی، ۱۰: ۶

(3) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (ii)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”وكان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعث الى الناس عامة“ (ii)

(i) التوبه، ۳۳: ۹ (نیز اس موضوع پر چند مزید آیات ملاحظہ ہوں: الفتح، ۲۸: ۲۸، النساء،

۷۹: ۴ سہ، ۲۸: ۳۴، الانبياء، ۱۰۷: ۲۱، الاعراف، ۷: ۱۵۷)

(iii) صحیح البخاری، کتاب التعمیم، باب قوله تعالى: فلم تجدوا واءاء..... ح: ۳۳۵، ص: ۵۸

ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب قول النبي ﷺ: جعلت لى الارض مسجداً أو طهوراً، ح:

۴۳۸، ص: ۷۶



چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کچھ اطمینان نصیب ہوا اور مشرکین مکہ سے محاذ آرائی کا سلسلہ وقتی طور پر بند ہو گیا تو آپ ﷺ نے اسلام کی آفاقی دعوت کو اطراف و اکناف عالم میں پھیلانے کا فیصلہ کیا۔ ایک دن رسول اکرم ﷺ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے، صحابہ کرام جمع تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”انسی بعثت رحمة و كافة فادوا عني يرحمكم الله ولا تختلفوا علي كاختلاف الحواريين علي عيسى بن مريم قالوا: ”يا رسول الله ﷺ وكيف كان اختلافهم“ قال ﷺ: ”دعا الي مثل ما دعوتكم اليه فاما من قرب به فأحب وسلم وأما من بعد به فكره وأبى، فشكا ذلك منهم عيسى الي الله فاصبحوا من ليلتهم تلك و كل رجل منهم يتكلم بلغة القوم الذين بعث اليهم فقال عيسى: هذا امر قد عزم الله لكم عليه فامضوا (4)

”میں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں تم میری دعوت کو تمام دنیا میں پھیلاؤ اور میرے بارے میں ایسا اختلاف نہ کرو جیسا کہ حواریوں نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا: انہوں نے کیا اختلاف کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ نے ان کو وہی دعوت دی تھی جو میں نے تم کو دی ہے۔ جو قریب تھے انہوں نے اس دعوت کو پسند کر کے قبول کر لیا اور جو دور تھے انہوں نے ناپسند کیا اور اسے مسترد کر دیا۔ عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی (اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ) اس رات سے ان میں ہر شخص صرف وہ زبان بولنے لگا جس کے پاس وہ دعوت

دین کیلئے بھیجا گیا تھا۔ اس پر عیسیٰ نے فرمایا اب تو اللہ ہی فیصلہ تمہارے متعلق کر چکا ہے، اسی پر عمل کرو۔

ابن سعد کی روایت ہے: صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے سفراء ان لوگوں کی زبان بولنے لگے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا۔ (5)

یہ معجزاتی واقعہ حضرت مسیح کے حواریوں سے پیش آیا ہو یا رسول اللہ ﷺ کے سفراء کے ساتھ یا دونوں ہی کی اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس سلسلہ میں مدد کی ہو۔ اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ کسی سے اس کی زبان میں خطاب کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسری زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی ہے اور صحابہ کرام نے یہ زبانیں سیکھی ہیں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے حکم باری تعالیٰ:

”يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ“ اے رسول ﷺ جو تمہارے رب کی طرف الیک من ربک (6) سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دو۔

کی تکمیل کرتے ہوئے مختلف سفراء کو خطوط دے کر شاہان عالم کے پاس بھیجا، تاکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی طرف بلا لیں۔ اس مقصد کیلئے آپ ﷺ نے وسیع دینی معلومات اور سفارت کاری کا تجربہ رکھنے والے افراد کا انتخاب فرمایا۔ نبوی پیغامات اور دعوتی خطوط کا مطلوبہ افراد تک پہنچانا اگرچہ بذات خود دعوتی و تبلیغی عمل ہے اور اگر اس حوالے سے ماخذ کا مطالعہ کیا جائے تو نبوی سفراء کی تعداد کسی طرح بھی چالیس سے کم نہیں بنتی۔ تاہم سطور ذیل میں صرف ان سفراء کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیغامات اور دعوتی خطوط سے ہٹ کر بھی اپنے قول و فعل اور عمل سے لوگوں کو متاثر کیا اور اسلام کی طرف بلایا۔

عمر و بن امیہ الضمری / رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ شاہ جیش کے نام  
محرم 7ھ میں رسول اللہ ﷺ نے شاہ جیش کے نام ایک دعوتی مکتوب ارسال فرمایا۔ بارگاہ رسالت کے سفیر عمر و بن امیہ الضمری جب شاہ جیش کے دربار میں پہنچے تو مکتوب گرامی نجاشی کی خدمت میں پیش کیا اور حسب ذیل اثر انگیز تقریر کی:



”شاہ ذی جاہ! میرے ذمہ حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمہ حق کی سماعت۔ کچھ عرصے سے ہم پر آپ کی شفقت و محبت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں۔ ہمیں آپ کی ذات پر اس قدر اطمینان ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علیحدہ نہیں سمجھتے۔ حضرت آدمؑ کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجت قطعی ہے۔ جس قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے حضرت آدمؑ کو بغیر والدین کے پیدا کر دیا اسی نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے بطنِ مادر سے پیدا کیا ہے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل سب سے بڑی شہادت ہے۔ اسی نبی رحمت ﷺ کی پیروی میں خیر و برکت کا ورود اور فضیلت و بزرگی کا حصول ہے۔

شاہ عالی جاہ! اگر آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہ کیا تو اس نبی امی کا انکار آپ کے لئے وبالِ جان ہوگا جس طرح عیسیٰؑ کا انکار یہود کے حق میں وبالِ جان ثابت ہوا۔ میری طرح رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کیلئے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر سرورِ عالم ﷺ کو جو امید آپ کی ذات سے ہے دوسروں سے نہیں۔ آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گزشتہ نیکی اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔“

کچھ عرصہ قبل حضرت جعفر طیارؑ کی معجزہ بیانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا۔ نبوی قاصد کی اس پر اثر تقریر نے اس کے سینے میں اسلام کو رائج کر دیا۔ چنانچہ نجاشی ان سے مخاطب ہو کر بولا: عمروؓ بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے وہی برگزیدہ رسول ہیں جن کی آمد کا ہم اور یہود انتظار کر رہے تھے۔ نجاشی تختِ شاهی سے نیچے اتر آیا، نامہ مبارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً آنکھوں سے لگایا۔ (7)

(7) ابن سعد، ذکر بعث رسول اللہ ﷺ الرسل، ۲۵۸/۱ زاد المعاد، ۶۹۸/۳-۶۹۰

دحیہؓ کلبیؓ رسول اللہ ﷺ کا گرامی قیصر روم کے نام

قیصر روم کو گرامی نامہ پہنچانے کیلئے دحیہ بن خلیفہ کلبی کا انتخاب ہوا۔ حضرت دحیہؓ نے ہرقل کو رسول اللہ ﷺ کا یہ دعوتی خط اس وقت پیش کیا جب وہ ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دینے کے بعد اظہارِ تشکر کے طور پر بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ اگرچہ ہرقل پر اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی، تاہم حکومت اور بادشاہت کے لالچ نے اس کو اسلام سے محروم رکھا۔ لیکن حضرت دحیہؓ کی دعوت پر اسقفِ ضغاطر نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کے سامنے جو گرے میں جمع تھے اپنے اسلام کا اظہار کرنے کے بعد ان کو بھی اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے ان کو حملہ کر کے شہید کر دیا۔ اس افسوس ناک واقعہ کے بعد حضرت دحیہؓ قیصر کی طرف سے پلنے والے تحائف کے ہمراہ واپس تشریف لے آئے۔ (8)

حاطب بن ابی بلتعہؓ مقوقسؓ ☆ شاہ مصر کے نام مکتوب گرامی

بارگاہِ رسالت سے مصر کی سفارت کیلئے حاطب بن ابی بلتعہؓ مامور ہوئے۔ وہ مسافت طے کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور مقوقس مصر کے سامنے مکتوب گرامی پیش کیا۔ ابن الاثیر کی روایت ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطب کو اپنے پاس بلوایا اور ان کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا:

مقوقس: اخبرنی عن صاحبك أليس هو نبياً؟

(مجھ سے اپنے صاحب کی حالت بیان کرو کیا وہ نبی نہیں ہیں؟)

(8) تاریخ الامم والملوک، ۸۸/۳ (واقعات، ۵۶) اسد الغابہ، تذکرہ ضغاطر، ۳۱/۳

☆ مقوقس اگرچہ دولتِ ایمان سے محروم رہا، تاہم اس نے رسول اللہ ﷺ کے خط اور آپ کے قاصد کا احترام کیا اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں کچھ تحائف بھیجے جن میں دولڑکیاں، ماریہ اور سیرین جو حقیقی بہنیں تھیں، بطور تحفہ بھیجیں۔ ماریہ اور سیرین نے راستے میں ہی حضرت حاطبؓ کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ماریہؓ حرمِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صاخرِ ابراہیم ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جب کہ سیرینؓ کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو حصہ کر دیا۔ (۱)

(۱) اسد الغابہ، تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہؓ، ۳۶۲/۱ زاد المعاد، ۶۹۲/۳ ابن سعد، ۲۶۱/۱



حاطبؓ: بلی! ہو رسول اللہ ﷺ۔

(ہاں! بیشک وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔)

مقوقس: فمالہ لم یدع علی قومہ حیث اخر جہوہ من بلدتہ؟

(پھر انہوں نے اپنی قوم پر بددعا کیوں نہیں کی جبکہ ان کی قوم نے ان کو ان کے شہر سے نکالا؟)

حاطبؓ: فعیسی ابن مریم! أتشهد انه رسول اللہ ﷺ فمالہ

حیث اراد قومہ صلبہ لم یدع علیہم حتی رفعہ اللہ؟

عیسیٰ بن مریم کی نسبت تو آپ خود کہتے ہیں کہ وہ خدا کے رسول تھے۔ پھر جب

ان کو ان کی قوم نے سولی دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کیوں نہ انہیں بددعا دی، یہاں تک

کہ ان کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا؟

مقوقس: احسنت! انت حکیم جاء من عند حکیم (9)

(تم نے اچھا جواب دیا تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے۔)

ابن قیم نے اس کے علاوہ مقوقس اور حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے درمیان ہونے

والے ایک اور مکالمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ حاطبؓ جب مقوقس کے دربار میں پہنچے تو حسب ذیل

مکالمہ ہوا:

حاطبؓ: ”(اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص (فرعون) گزرا ہے جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ

سمجھتا تھا۔ اللہ نے اسے آخر واول کیلئے عبرت بنادیا۔ پہلے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے

انتقام لیا پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا لہذا دوسروں سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ

دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔“

مقوقس: ”ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل

جائے۔“

حاطبؓ: ”ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوا (ادیان) کے

بدلے کافی بنادیا ہے۔ دیکھو! اسی نبیؐ نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف

قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے، یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ

سب سے زیادہ قریب رہے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح موسیٰ نے عیسیٰ کیلئے بشارت دی

تھی، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے محمد ﷺ کیلئے بشارت دی ہے، اور ہم تمہیں قرآن مجید کی

دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم کو

پا جاتا ہے وہ قوم اس کی امت ہو جاتی ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی

اطاعت کرے، اور تم نے اس نبی کا عہد پالیا ہے، اور پھر ہم تمہیں دین مسیح سے روکتے نہیں

ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں۔“

مقوقس: میں نے اس نبی ﷺ کے معاملہ پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کسی ناپسندیدہ

بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے۔ وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں نہ

جھوٹے کاہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو

نکالتے ہیں اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں۔ میں مزید غور کروں گا۔“ (10)

عبداللہ بن حذافہ سہمی / نامہ رسول ﷺ شاہ فارس کے نام

رسول اللہ ﷺ کے قاصد عبداللہ بن حذافہ سہمی جب فارس پہنچے تو انہوں نے

آپ ﷺ کا دعوتی مکتوب شاہ فارس خسرو پرویز کے سامنے پیش کیا۔ (11) شاہ فارس

رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک کے آزادانہ لہجے، اس کے بے باکانہ ایجاز اور صاف گوئی نے

انداز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا، پھر طیش میں آ کر نبوی مکتوب کو چاک کر دیا اور غضبناک لہجے میں

گرج کر بولا:

”یکتب الی، هذا وهو“ ہمارے غلام کی یہ جرأت کہ ہمارے نام اس طرح

عبدی“ (12) خط لکھا۔“

یزید بن ابی حبیب کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس حرکت کا علم ہوا تو فرمایا:

”اسی طرح اس کی حکومت کے پرزے پرزے ہو جائیں گے۔“

پھر کسریٰ نے والی یمن باذان کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔



رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عبداللہ بن حذافہ یہ ساری صورتحال دیکھ رہے تھے چنانچہ وہ نہایت تحمل، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اہل دربار سے یوں مخاطب ہوئے:

”اے اہل فارس! عرصہ دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا کی کتاب ہے اور نہ کوئی اللہ کا رسول تمہارے یہاں مبعوث ہوا ہے، جس سلطنت پر تمہیں گھمنڈ ہے وہ خدا کی زمین کا بہت مختصر ٹکڑا ہے۔ دنیا میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں موجود ہیں۔“

اور پھر بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا!

”آپ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں، ان میں جس نے آخرت کو اپنا مقصد سمجھا وہ دنیا سے اپنا حصہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو مقصد بنایا اس نے آخرت کے اجر کو ضائع کر دیا۔ افسوس کہ میں نجات و فلاح کے جس پیغام کو لے کر آیا ہوں، آپ نے اسے تحارت سے دیکھا، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس کا خوف آپ کے دل میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ حق کی آواز آپ کی تحقیر سے دب نہیں سکتی۔“ (14)

حضرت عبداللہ بن حذافہ اہل دربار کو یہ تنبیہ کر کے دربار سے چلے آئے۔

شجاع بن وہب الاسدی اریس دمشق کے نام گرامی نامہ

شام کے مشہور اور تاریخی شہر دمشق پر حارث غسانی حکمران تھا۔ دمشق کی سفارت شجاع بن وہب الاسدی کے سپرد ہوئی۔ شجاع نے یہ خط منذر کو پڑھ کر سنایا۔ اس نے نہ صرف قبول اسلام سے انکار کر دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کرنے کا بھی اعلان کیا۔ اور

آخر موت اور تہوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔ (15)

ابن سعد کی روایت ہے کہ جب شجاع بن وہب رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر دمشق پہنچے تو معلوم ہوا کہ قیصر روم بیت المقدس کی زیارت کیلئے جا رہا ہے اس لئے حارث غسانی اس کے انتظام و انصرام میں مصروف ہے، چنانچہ ان فارغ اوقات میں شجاع بن وہب نے اہل دربار میں دعوت کے کام کو جاری رکھا اور بالآخر ان کی کوششوں سے حارث غسانی کے ایک درباری نے اسلام قبول کر لیا۔ (16)

علاء بن الحضرمی / منذر بن ساوی کے نام مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے ایک دعوتی خط منذر بن ساوی حاکم بحرین کی طرف روانہ فرمایا۔ سفارت کی ذمہ داری علاء بن الحضرمی نے ادا کی۔ چنانچہ خود منذر اور اس کی رعایا میں سے بھی کثیر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور بارگاہ رسالت میں خراج بھیجا۔ ابن حبیب کی روایت ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے حاکم بحرین ہی نے خراج بھیجا تھا۔ (17)

عمرؤ بن العاص / شاہ عمان کے نام خط

رسول اللہ ﷺ نے ایک خط شاہ عمان جعفر اور اس کے بھائی عبد کے نام لکھا۔ ان دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ اپنی کی حیثیت سے عمرؤ بن العاص کا انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ انہوں نے عمان پہنچ کر دونوں بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (18)

ابن قیم نے عمرؤ بن العاص اور عبد بن جلندی کے درمیان ہونے والا ایک مکالمہ بھی نقل کیا ہے، جس سے عمرؤ بن العاص کی ان دعوتی کوششوں کا حال معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس طرح بڑی کامیابی سے ان دونوں بھائیوں کو اسلام کا قائل کر لیا، چنانچہ جب عمرؤ وہاں پہنچے تو پہلے عبد سے ملے جو زیادہ دور اندیش اور نرم خو تھا اور پھر دونوں کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

عبد: ”تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟“



عمرؓ: ”ہم ایک اللہ کی طرف بلا تے ہیں، جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔“

عبد: اے عمرؓ! ”تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو بتاؤ تمہارے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ ہمارے لئے اس کا طرز عمل لائق اتباع ہوگا۔“

عمرؓ: ”وہ محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے، لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی ہوتی۔ میں خود بھی انہیں کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی۔“

عبد: ”اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟“

عمرؓ: اللہ عز وجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں، نیکی، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ظلم و زیادتی، زنا کاری، شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔“

عبد: ”یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلا تے ہیں۔“

بالا خردونوں بھائیوں عبد اور جعفر نے اسلام قبول کر لیا۔ (19)

## خلاصہ بحث

## نبوی سفراء کی دعوتی سرگرمیاں

نبوی سفراء کی ان دعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کا پیغام روئے زمین کے بیشتر حکمرانوں اور بادشاہوں تک پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے دعوتی خطوط اور صحابہ کرامؓ کی سفارت کاری کے نتیجہ میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر اختیار کیا، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اسلام کی طرف مبذول ہو گئی اور ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا دین اور آپ ﷺ کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گئی۔ صحابہ کرامؓ نے شاہان عالم کو دعوت دیتے وقت جو اسلوب اختیار کیا اس کی چند جھلکیاں اس فصل کے مطالعہ کے دوران دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً

1- رسول اللہ ﷺ کی بعثت عام ہے اور آپ ﷺ کی دعوت ہر قوم، زمانے اور نسل کے لوگوں کیلئے ہے۔

2- داعی اگر مخاطب کے منصب اور مقام و مرتبہ کا پوری طرح لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ انجام دے تو ایسی دعوت زیادہ موثر ہوگی اور مخاطب داعی کی بات کو زیادہ توجہ اور اہتمام سے سنے گا۔ نبوی سفراء کا مخاطب کو ”اے بادشاہ“ اور ”شاہ ذی جاہ“ وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کرنا اسی اسلوب دعوت کی طرف اشارہ ہے۔

3- دعوت کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ مخاطب سے بحث و مباحثہ سے حتی الامکان احتراز کیا جائے، لیکن اگر مخاطب بحث پر ہی مصر ہو تو داعی کا فرض ہے کہ وہ دوران گفتگو شائستگی کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ لہجے کی شائستگی اور دلیل کے ساتھ بات کرنا ایسا اسلوب دعوت ہے جس سے نہ صرف مخاطب کو لاجواب کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو اعتراف حقیقت پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حاطبؓ نے مقوقس شاہ مصر کو



مضبوط دلائل سے لاجواب کر دیا تو مقوقس نے حضرت حاطبؓ اور ان کی دعوت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

”انت حکیم جاء من  
”تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے ہو۔“  
عند حکیم“

4- داعی کا فرض ہے کہ دعوت اور مخاطب کے عقائد و افکار کے درمیان قدر مشترک تلاش کرے اور ان کی درست باتوں کو دعوت کی بنیاد بنائے۔ اگر اس اسلوب دعوت کو اختیار کیا جائے تو مخاطب کو دعوت سے مانوس کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور مخاطب اسے سمجھتا ہے کہ جو دعوت پیش کی جا رہی ہے یہ کوئی بالکل ہی نئی اور اجنبی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسی نئی چیز کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ حضرت حاطبؓ کا مقوقس کو یہ کہنا: ”ہم تمہیں دین مسیح سے روکتے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں“ اس اسلوب دعوت کی ایک عمدہ مثال ہے۔

## باب پنجم: عہد صحابہ رضی فرغ اسلام کی عمومی وجوہات

10- ھ میں رسول اللہ ﷺ کے وصال سے لے کر تقریباً ایک صدی پر محیط دور کو عہد صحابہؓ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ علماء محققین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ میں سے ابو طفیل عامر بن وائلہؓ کا انتقال سب سے آخر میں ہوا اور یہ واقعہ 110 ھ کا ہے۔ (1) اس طرح رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں، کہ آپ ﷺ نے اپنے وصال سے ایک ماہ قبل اپنے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: اللہ کی قسم میرے صحابہؓ میں سے جو لوگ آج زندہ ہیں ایک سو سال کے بعد ان میں سے کوئی زندہ نہ رہے گا۔ (2) یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے 110 ھ کے بعد بھی صحابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے علماء محدثین نے ان کے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہے۔ (3)

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی پر مشتمل عہد صحابہؓ کی پہلی نصف صدی میں ہی اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا اور اسلام کا پھر ریرا شرق سے غرب تک لہرانے لگا۔ عہد صحابہؓ میں اسلام کی ہمہ گیر ترقی کی کئی وجوہات ہیں۔ اسلام کے فروغ میں خلفاء راشدین کا کردار بالخصوص بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی معاشرے میں صحابہ کرامؓ کو جو مذہبی سیادت حاصل تھی اس کی وجہ سے بھی اسلام کو وسعت و عمومیت حاصل ہوئی۔ اور صحابہ کرامؓ اپنے مقام و مرتبہ سے دعوت دین کے فروغ میں پوری مدد لیتے تھے، نیز اس قسم کے بھی کئی واقعات ملتے ہیں کہ کئی لوگوں نے محض صحابہ کرامؓ کے حسن اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آنے والی سطور میں عہد صحابہؓ میں فروغ اسلام کی وجوہات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

### فروغ اسلام میں خلفاء راشدینؓ کا خصوصی کردار

جمہوری ممالک کی طرح اسلام میں خلیفہ کا کام صرف یہی نہیں کہ وہ لوگوں کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ کا انتظام کرے بلکہ اس کے اولین فرائض میں سے پہلا اور

(1) اسد الغابہ، تذکرہ ابو طفیل عامر بن وائلہ، ۹۷/۳

(2) صحیح البخاری، کتاب مواقیات الصلوٰۃ، باب ذکر العشاء والعتمة..... ج: ۵۶۳، ص: ۹۴

(3) الاصابہ، مقدمہ، ۸/۱



اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت، دین اسلام کی اشاعت، تزکیہ نفس، توجہ الی اللہ اور دینی فکر کو پروان چڑھانے کی طرف پوری پوری توجہ دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[illegible]

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد صرف اور صرف دین کی خدمت اور اشاعت ہے۔ خلفاء راشدینؓ، جو قرآن مجید کے چشمہ فیض سے براہ راست سیراب ہوئے اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دامن تربیت میں شعور و آگہی کی منزلیں طے کی تھیں، نے زمام اقتدار ہاتھ میں لی تو سب سے زیادہ توجہ اشاعت اسلام کی طرف دی۔ فروغ اسلام اور دین کے حوالے سے جو انتظامات خلفاء راشدینؓ نے کئے بعد کے ادوار میں اس کی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔

عہد نبوی میں قرآن مجید منظم شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا۔ عہد صدیقی میں جنگِ یمامہ پیش آئی، جس میں بہت سے حفاظ شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو قرآن مجید کے کتابی شکل میں جمع کرنے کی فکر ہوئی، چنانچہ انہوں نے صدیق اکبرؓ سے اس معاملہ میں گفتگو کی اور اس خدشے کا اظہار کیا کہ اگر یہی کیفیت آئندہ جنگوں میں بھی رہی تو خدشہ ہے کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو ابتداء میں کچھ تامل ہوا، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اس عظیم مقصد کے لئے کھول دیا، چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت جو کاتب وحی بھی تھے، ان کو طلب فرمایا اور ان کی ذمہ داری لگائی کہ وہ قرآن مجید کو مختلف جگہوں سے اور لوگوں کے سینے سے جمع کریں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے قرآن مجید کی ایک ایک آیت کریمہ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے جمع کیا اور اس وقت تک کسی آیت کو صحیفہ میں درج نہیں فرمایا جب تک اس پر دو شہادتیں نہ لیں، اس احتیاط کے ساتھ تمام قرآن کو جمع کر لیا۔

یہ مجموعہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد عمر فاروقؓ کے پاس محفوظ رہا اور ان کی شہادت کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن مجید کی قرأت میں اختلاف ہوا تو آپؓ نے حضرت حفصہؓ سے نسخہ منگوا کر لغت قریش کے مطابق نقلیں کروا کر بلاد اسلامیہ میں بکجوادیں اور ہمیشہ کے لئے اختلاف امت کے دروازہ کو بند کر دیا۔ (5)

عہد صدیقی میں قرآن مجید کی تعلیم کے کوئی خصوصی انتظامات نہ کئے جاسکے، اس کی بڑی وجہ آپؐ کے عہد خلافت کا مختصر ہونا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ آپؐ کا زیادہ وقت مختلف فتوں کی سرکوبی میں ہی گزر گیا، اس لئے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی جاسکی، تاہم عہد فاروقیؓ میں قرآن مجید کی وسیع پیمانے پر اشاعت اور تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ عمر فاروقؓ نے سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے مختلف علاقوں کی طرف تربیت یافتہ معلمین قرآن کو روانہ فرمایا، تاکہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ عمر فاروقؓ نے عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کی طرف روانہ کرتے وقت اہل کوفہ کے نام لکھا:

انى قد بعثت عمار بن ياسر<sup>رضي</sup> اميراً وعبد الله بن مسعود معلماً ووزيراً وهما من النجباء من اصحاب رسول الله<sup>صلوات</sup> من اهل بدر، فاقبلوا بهما واطيعوا واسمعوا قولهما وقد آثرتكم بعبد الله بن مسعود على نفسي (6)

”میں نے عمار بن یاسر کو تم پر گورنر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر روانہ کیا ہے یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر بدری صحابہ ہیں ان سے علم سیکھو اور ان کی اقتداء کرو اور میں نے عبداللہ بن مسعود کو بھیج کر تمہیں ایسے اور پر ترجیح دی ہے (کیونکہ



مجھے ان کی یہاں زیادہ ضرورت تھی۔“

خلفاء راشدین کی یہ مستقل حکمت عملی تھی کہ مختلف اضلاع اور صوبوں کے عمال اور افسر ایسے لوگوں کو مقرر کیا جائے، جو صاحب علم ہوں اور حکومتی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم بھی دیں۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر ہو کر آئے تو اہل بصرہ کو خطاب کرتے ہوئے علی الاعلان فرمایا:

بعثنی الیکم عمر بن الخطابؓ ”مجھے عمرؓ نے تمہارے پاس اس لئے بھیجا لأعلمکم کتاب ربکم وسنة ہے تاکہ تمہیں کتاب الہی اور تمہارے نبی کی سنت سکھاؤں“

اہل بصرہ کی تعلیم و تربیت کیلئے جن دوسرے اصحاب کو بھیجا گیا، ان میں حضرت عمران بن حصین بھی شامل ہیں، بعد میں عبداللہ بن عامر نے ان کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ (8) عہد فاروقی میں جب شام اور اس کے ماتحت علاقے فتح ہوئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان علاقوں کے نو مسلموں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور ابوالدرداءؓ کو روانہ فرمایا۔ محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے:

جمع القرآن فی زمن النبی ﷺ خمسة من الانصار معاذ بن جبل وعبادة بن صامت ابی بن کعب وابوایوب وابوالدرداء، وكان عبادة یعلم اهل الصفة القرآن ولما فتح المسلمون الشام ارسله عمر بن الخطابؓ وارسل معه معاذ بن جبل و ابا الدرداء ليعلموا الناس القرآن بالشام ويفقهوهم فی الدين واقام عبادة بحمص واقام ابوالدرداء بدمشق ومضى معاذ الى فلسطين ثم

(7) سنن الدارمی المقدمہ، البلاغ عن رسول اللہ ﷺ وتعليم السنن، ۱/۱۳۶

(8) اسد الغابہ، تذکرہ عمران بن حصین، ۱۳/۱۳۷

(9) اسد الغابہ، تذکرہ عبادہ بن الصامت، ۱۰۶/۳

صار عبادة بعد الى فلسطين (9)

”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انصار میں سے پانچ آدمیوں معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابویوبؓ اور ابوالدرداءؓ نے قرآن کو پورے طور پر یاد کیا۔ اور حضرت عبادہ بن صامت ان لوگوں میں سے تھے جو اہل صفہ کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے جب شام فتح کیا تو عمر بن خطابؓ نے ان کو اور ان کے ساتھ معاذ بن جبل اور ابوالدرداءؓ کو شام روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ عبادہؓ حمص میں ٹھہر گئے اور ابوالدرداءؓ دمشق میں قیام پذیر ہو گئے جبکہ معاذؓ فلسطین چلے گئے، بعد میں حضرت عبادہؓ بھی فلسطین چلے گئے“

شام ہی کے علاقے کی طرف عبدالرحمن بن غنم کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور انہیں سے شام کے تمام تابعین نے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ (10) عمر فاروقؓ جب صحابہ کرامؓ کو مختلف علاقوں کی طرف دعوت و تبلیغ اور تعلیم قرآن کے لئے روانہ کرتے تو ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کو ان کی ذمہ داری کی نزاکتوں سے بھی آگاہ فرماتے۔ حضرت قرظہ بن کعب فرماتے ہیں کہ ہم عراق کے ادادے سے مدینہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ بھی ہمارے ساتھ حراء مقام تک چلے اور فرمایا: کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کیوں چلا؟ ساتھیوں نے کہا: جی ہاں! ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں اس لئے آپؓ ہمارے ساتھ چلے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا (یہ وجہ تو خیر ہے لیکن اصل میں میں آپ لوگوں کو ایک خاص بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم لوگ ایسے علاقہ میں جا رہے ہو کہ وہاں کے لوگ شہد کی مکھی جیسی دھیمی آواز سے قرآن پڑھتے ہیں ان کے سامنے احادیث بیان نہ کرنا ورنہ وہ (قرآن چھوڑ کر) تمہارے ساتھ (احادیث میں) مشغول ہو جائیں گے، بلکہ قرآن کو (احادیث سے) الگ تھلگ رکھو اور رسول اللہ ﷺ کی طرف

(10) الذہبی، محمد بن عثمان، ”تذکرۃ الحفاظ“، ترجمہ عبدالرحمن بن غنم اشعری، ۲۲/۱، دار الکتب



روایت کم کرو اور اب جاؤ میں تمہارے ساتھ (اجریں) شریک ہوں۔ (11)

الغرض حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم وقاری متعین کر کے ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (12)

حضرت عمرؓ نے معلمین کے علاوہ طلباء قرآن کی حوصلہ افزائی کے لئے بھی وظائف مقرر فرمائے، چنانچہ ایک دفعہ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہوں ان کو بھیج دیں کہ ان کے وظائف مقرر کر دیئے جائیں اور انہیں اطراف عالم میں لوگوں کو قرآن سکھانے کے لئے بھیجا جائے۔ امراء شام میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لکھا کہ ہمارے ہاں حفاظ کی تعداد تین سے زیادہ ہو گئی ہے۔ (13)

اس روایت سے حضرت عمرؓ کے عمال کی تبلیغی کارکردگی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس قدر تندہی سے دعوت اسلام میں مشغول رہے ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں لوگوں کو تعلیم قرآن کی ترغیب دینے کے لئے حفاظ قرآن کے وظائف مقرر کئے تھے۔ (14)

اسلام کے دور اول میں قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے، اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور قرآن کے اتنے حفاظ پیدا کر لئے جائیں کہ اس میں تغیر و تبدل کا احتمال نہ رہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے بعض سورتوں کا سیکھنا ہر مسلمان پر لازمی قرار دے رکھا تھا۔ حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو یہ فرماتے سنا: سورة البقرہ، النساء، المائدہ، الحج، اور النور ضرور سیکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اعمال فرض کئے ہیں، وہ سب ان سورتوں میں مذکور ہیں۔ (15)

(11) الحکم، ابو عبد اللہ، "المستدرک علی الصحیحین"، کتاب العلم، ۱۰۲/۱، دار المعرفۃ، بیروت، جامع بیان العلم، باب ذکر من ذم الاکثر من الحدیث ۱۲۰/۲..... (12) شبلی نعمانی، "الفاروق"، ص: ۲۶۶، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور،

(13) کنز العمال، ۲۱۷/۱، (14) ایضاً، ۲۳۰/۱

(15) کنز العمال، ۲۲۳/۱

آپؐ نے نماز میں قرأت کے لئے بھی کم از کم ہر مسلمان کے لئے چھ سورتوں کا یاد کرنا لازمی قرار دیا، آپؐ نے فرمایا: ہر مسلمان کے لئے کم از کم چھ سورتیں سیکھنا ضروری ہیں دو سورتیں نماز فجر کے لئے دو مغرب اور دو عشاء کی نماز کے لئے۔ (16)

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بعض حالتوں میں قرآن مجید کی جبری تعلیم کا بھی انتظام فرمایا، چنانچہ ایک شخص جس کا نام ابوسفیان تھا، کو چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔ (17)

اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید کے الفاظ اور اعراب کو بھی پوری صحت اور اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی صحیح قرأت کا تاکید کی حکم جاری کیا، اس حکم نامے کے الفاظ یہ ہیں۔

تَعْلَمُوا اَعْرَابَ الْقُرْآنِ "قرآن کے اعراب بھی اس طرح سیکھو جس کما تَعْلَمُونَ حفظہ (18) طرح اس کو حفظ کرنا سیکھتے ہو"

قرآن وحدیث کی تعلیم کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ کے مقرر کردہ معلمین اور مبلغین فقہ کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ عمر فاروقؓ کی یہ مستقل حکمت عملی تھی کہ عمال اور انصاریہ ہی لوگوں کو متعین کیا جائے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی ہوں۔ ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انی اشہد کم علی امر "میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے الامصار انی لم ابعثهم الا افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل لیفقهوا الناس فی دینہم (19) اور احکام دینیہ سمجھائیں"

قاضی ابو یوسف حضرت عمر فاروقؓ کی اسی حکمت عملی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(16) کنز العمال، ۲۱۷/۱

(17) الفاروق، ص: ۲۲۷

(18) کنز العمال، ۲۲۸/۱



ان عمر بن الخطابؓ کان اذا "عمر فاروقؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے اجتماع الیہ جیش من اهل پاس مسلمانوں کی کوئی فوج جمع ہو جاتی تو وہ الایمان بعث علیہم رجلا من ان پر ایسا امیر مقرر کرتے جو صاحب علم اور اهل الفقه والعلم (20) صاحب فقہ ہوتا"

یہی وجہ ہے کہ فوجی افسروں میں ابو سعیدؓ، سلمان فارسیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ جیسے نام ملتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ ساتھ علم فضل اور فقہ میں بھی ممتاز تھے۔ عیسائیوں اور ایرانیوں نے پاس جو سانی سفارتیں گئیں ان لوگوں نے بڑی خوبی کے ساتھ اسلام کے اصول و عقائد کو ان کے سامنے بیان کیا۔ اس کے علاوہ خلفاء راشدینؓ خود بھی لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے عرفہ میں لوگوں کو خطبہ دیا تو ان کو تمام مناسک حج کی تعلیم بھی دی۔ (21) اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی ایک دفعہ منیٰ میں اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں کو امور شریعت سے آگاہ کیا۔ (22)

حضرت عمرؓ کا اپنے عمال سے مسلسل رابطہ تھا اور وہ مختلف دینی امور میں آپ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور بسا اوقات آپؓ خود بھی ان کو تحریری ہدایات بھیجتے تھے، چنانچہ نافعؓ مولیٰ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام عمال کی طرف ایک خط تحریر کیا، جس میں ان کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور نماز کے اوقات تفصیل سے لکھ کر ان کی طرف روانہ فرمائے۔ (23)

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی آپؓ کی جاری کردہ اصلاحات اور طریقہ کار کو جاری رکھا، کیونکہ ان اصلاحات کی تنفیذ میں خود ان کا مشورہ بھی شامل تھا۔ اس حقیقت کا پتہ حضرت عثمان غنیؓ کے ایک حکم نامے سے معلوم ہوتا ہے جو آپؓ نے سرحدی کمانڈروں کے نام لکھا:

"حضرت عمرؓ نے آپ حضرات کے لئے جو ضابطہ عمل مقرر کیا تھا وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ ہمارے ہی مشورہ سے مقرر ہوا تھا، لہذا

(21) ابو یوسف، قاضی، "کتاب الخراج"، ص: ۱۲۸، المطبعة السلفية، قاہرہ، ۱۳۹۶ھ

(22) ابن ماجہ، ص: ۲۰۹ (23) المدطا، کتاب الحج، باب الافاضة، ج: ۳، ص: ۲۰۷

بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں نے اس میں کوئی تبدیلی کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری دلی کیفیت میں تبدیلی پیدا کر دے گا اور تمہاری جگہ تم سے بہتر لوگ لے آئے گا۔ (24)

عرب میں جو بد اخلاقیات پھیلی ہوئی تھیں وہ بہت کچھ تو خود بخود اسلام کے اثر سے مٹ گئیں اور جو رہ گئیں تھیں ان کو صحابہ کرامؓ نے بالکل مٹا دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز شاعری کی اصلاح تھی، کیونکہ شعراء لوگوں کی بھوکھتے تھے اور اس سے سینکڑوں اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کو جرم قرار دیا اور بھوکھتے پر شعراء کو سزا دی، چنانچہ ایک بار نجاشی نے تمیم بن مقبل کی بھوکھتھی، انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اور اشعار پر تو کوئی گرفت نہ کی لیکن جب یہ شعر سنا،

اولئک اولاد الہجین واسرة الیم ورھط العاجز المتذلل

یعنی یہ لوگ دوغلے کمینہ خاندان اور عاجز اور ذلیل قبیلہ کے ہیں

تو فرمایا کہ "اب اس شعر پر معاف نہیں رکھ سکتا" چنانچہ اس کو قید کیا اور کوڑے لگائے۔ (25)

حطیہ مشہور بھوکھو شاعر تھا، ایک بار اس نے زبرقان بن بدر کی بھوکھتھی جس کا ایک شعر یہ تھا

دع المکارم لا ترحل لبغتيها واقعد

فانک انت الطاعم الکاسی

فضائل چھوڑ دے اس کے حاصل کرنے کے لئے سفر نہ کر

اور بیٹھ جا کیونکہ تو صرف کھانے اور پہننے والا آدمی ہے۔

زبرقانؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے

پوچھا کہ کیا یہ بھوکھ ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔ اس پر آپؓ نے حطیہ کو خانہ میں قید کر دیا، اور

جب حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور حضرت زبیرؓ نے سفارش کی تو یہ قول لے کر چھوڑا کہ پھر

کسی کی بھوکھ نہ کہے گا۔ (26)

(24) تاریخ الامم والملوک، ۱۰۶/۳، (25) اصحابہ، تذکرہ تمیم بن مقبل،

(26) اسد الغابہ، تذکرہ زبرقان بن بدر، ۱۹۵/۲



ہجو کے علاوہ شعراء اشعار میں اعلانیہ اپنے معشوقوں کے نام لیتے تھے اور ان کے حسن کی تعریف کرتے، جس کو عربی میں تشبیب کہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے تمام شعراء کو حکم دیا: لا یشبب احد بامرأة ”کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تشبیب نہ کرے ورنہ اس کو سزا دی جائے گی“

الاجلدہ (27)

عہد خلافت راشدہ میں فروغ اسلام میں جہاں خلفاء راشدینؓ کی ذاتی کوششوں کا دخل ہے وہاں مسلسل فتوحات کو بھی اشاعت اسلام کی بڑی وجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یورپ کے نزدیک اس کا سبب تلوار ہی ہے، تاہم تاریخ سے اس کی ایک مثال پیش کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ عہد خلافت کی جہادی سرگرمیاں درحقیقت اس جابرانہ نظام اور شخصی حکومتوں کے خلاف تھیں، جنہوں نے لوگوں سے ان کے سوچنے سمجھنے اور آزادانہ اظہار رائے کا حق چھین لیا تھا، نہ کہ اس لئے کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے، یہی وجہ ہے جو نبی لوگ رومی و ایرانی نظام کے ظالمانہ شکنجے سے آزاد ہوئے، وہ برضا و رغبت جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ تاہم خلفاء راشدین کی طرف سے سپہ سالاروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ جنگ شروع کرنے سے پہلے فریق مخالف کو اسلام کی دعوت پیش کریں۔ یہی وجہ ہے روم و ایران کے خلاف تمام فیصلہ کن جنگوں سے پیشتر نہ صرف رومی سپہ سالاروں بلکہ خود قیصر روم اور کسریٰ ایران کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدینؓ کو زمین میں جو اقتدار اور اختیار عطا فرمایا تھا انہوں نے نیابت الہی کا حق ادا کرتے ہوئے فروغ اسلام کو حکومتی ترجیحات میں پہلے نمبر پر رکھا، قرآن مجید کی نشر و اشاعت کا بھرپور انتظام کیا، حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مختلف علاقوں کی طرف معلمین و مبلغین کو روانہ فرمایا اور مفتوحہ علاقوں میں علماء صحابہؓ کو متعین فرمایا، تاکہ وہ حکومتی امور کے ساتھ ساتھ دعوتی و تبلیغی مشن کو بھی جاری رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے تیس سالہ دور میں اسلام کو وہ وسعت اور ترقی حاصل ہوئی جس کی بعد کے دور میں مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

صحابہ کرامؓ پر خطبہ حجۃ الوداع کے اثرات

10۔ ہ میں رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر ایک

تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جسے ”خطبہ حجۃ الوداع“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس خطبہ کو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ کہا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی جس مشن کی تکمیل کے لئے صرف کی تھی آج اس کے نتائج آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ خطبہ کے آخر میں آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ تو تمام حاضرین نے اقرار کیا کہ بے شک آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے۔ حاضرین کے اقرار پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بٹھراتے ہوئے فرمایا: اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہمیشہ کے لئے امت محمدیہ ﷺ کو سونپتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لیبلغ الشاهد الغائب، فان ”جو لوگ حاضر ہیں وہ غائب تک الشاهد عسیٰ ان یبلغ من پہنچادیں، ہو سکتا ہے کہ جس کو (اللہ تعالیٰ کا) ہو اوعیٰ له منہ (28) پیغام) پہنچایا گیا ہے وہ حاضر کی نسبت اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہو“

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس پیغام کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے اس لئے نبوی فرمان کی روشنی میں صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں صحابہ کرامؓ دعوت و تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد اب یہ ذمہ داری براہ راست صحابہؓ پر آن پڑی تھی۔ اس لئے صحابہ کرامؓ نے کار نبوت کی انجام دہی میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ سیرت صحابہؓ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو جو مشن تفویض فرمایا تھا اس کی بجا آوری میں صحابہ کرامؓ نے ہر دستیاب موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ سفر و حضر، آسانی و تنگی ہر حال میں دعوت کے فریضہ کو اولین اہمیت دی۔ نہ صرف پوری زندگی بلکہ زندگی کی آخری سانسوں پر دعوت دین کی فکر ہی دامن گیر رہی اور دعوت دین کا فریضہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک زندگی سے بھی عزیز تر مشن تھا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ، جو گھوم پھر کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے، ان کا قول ہے:

(28) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ أوعى من سامع، ج: ۶، ص: ۶۱



لو وضعتهم الصمصامة على "اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور  
 هذه وأشار الى فقاء ثم ظننت مجھے یقین ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو میں نے  
 انی انفذ كلمة سمعتها من رسول الله ﷺ سے سنا ہے ادا کر سکوں گا تو  
 النبي ﷺ قبل ان تجيزوا علي قبل اس کے کہ تلوار اپنا کام کرے میں اس کو  
 لانفذتها (29) ادا کروں گا"

دعوت و تبلیغ سے صحابہ کرامؓ کو جو شغف تھا اس کی بنا پر ایک لمحہ بھی فارغ رہنا ان کی  
 طبیعت پر گراں گزرتا تھا، والصبہ الاسدی بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت  
 اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا اور  
 باہر نکل کر دیکھا تو دروازے پر عبداللہ بن مسعود تھے۔ میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! یہ  
 ملاقات کا وقت کیسا؟ فرمانے لگے، آج بعض مشاغل ایسے پیش آئے کہ دن چڑھ گیا اور  
 اب فرصت ملی تو خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کر لوں۔ غرض وہ بیٹھ  
 گئے اور حدیثیں بیان کرنے لگے۔ (30)

زید بن اسلمؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے  
 ساتھ عبداللہ بن مطیع کے پاس گیا، تو انہوں نے ہمارا استقبال کرتے ہوئے کہا: ابو عبد الرحمن  
 ! خوش آمدید اور ان کو نیکہ پیش کیا تو ابن عمرؓ نے ان سے فرمایا:

انما جئت لاحدثک حدیثا "میں صرف اس لئے آیا ہوں تاکہ تم سے ایک  
 سمعته من رسول الله ﷺ حدیث بیان کروں جو میں نے رسول اللہ ﷺ  
 سے سنی ہے...." اور پھر ایک حدیث بیان کی۔ (31)

صحابہ کرامؓ میں دعوت و تبلیغ کا یہ جوش و خروش سفر و حضر گلیوں اور بازاروں میں  
 غرض ہر جگہ نظر آتا ہے۔ حضرت اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام کے  
 دورہ پر تھے تو میں وضو کا پانی لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ نے پوچھا تم یہ  
 پانی کہاں سے لائے ہو۔ میں نے ایسا میٹھا پانی کبھی نہیں دیکھا، بارش کا پانی بھی اس سے

عمدہ نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں پانی ایک بڑھیا کے گھر سے لایا ہوں۔ وضو سے فارغ ہو  
 کر آپؓ اس بڑھیا کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا: اے بڑی بی اسلام لے  
 آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اس نے اپنا سر کھول کر دکھایا تو اس کے سر  
 کے بال بال نکل سفید تھے اور کہنے لگی: میں بہت بوڑھی ہو چکی ہوں اور بس اب مرنے ہی والی  
 ہوں۔ (یعنی اب اسلام لانے کا کیا فائدہ؟) حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا! (یعنی ہم نے تیرا  
 پیغام پہنچا دیا)۔ (32)

حضرت علیؓ بازاروں گلیوں جہاں بھی موقع ملتا دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے  
 تھے۔ ابن جریر بن جرموز روایت کرتے ہیں:

رأيت علي بن ابي طالب "میں نے علی بن ابی طالب (کو اپنے عہد خلافت  
 يخرج من الكوفة، و هو من) دیکھا کہ وہ کوفہ کے بازاروں میں ہاتھ میں  
 يطوف في الاسواق، ومعه دره لئے گھومتے تھے اور لوگوں کو پرہیز گاری،  
 درة، يأمرهم بتقوى الله سچائی، حسن معاملت اور پورے ناپ تول کی  
 وصدق الحديث، وحسن ترغيب دیتے تھے"

البيع والوفاء بالكيل  
 والميزان (33)

دعوت و تبلیغ کا جوش و خروش صحابہ کرامؓ کی طرح صحابیاتؓ میں بھی اسی طرح نظر  
 آتا ہے۔ ابن عبد البر سمرائہ بنت نبیک کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

كانت تمر في الاسواق، "وہ بازاروں میں گھوم پھر کر بھلائی کا حکم  
 وتأمر بالمعروف، وتنهي عن دیتی تھیں اور برائی سے روکتی تھیں اور ان کے  
 المنكر وتضرب الناس على ہاتھ میں ایک کوڑا ہوتا تھا جس سے وہ لوگوں کو  
 ذالك بسوط كان معها (34) منکر کے ارتکاب پر مارتی تھیں"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ صرف انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ

(33) الاستيعاب، تذکرہ علیؓ، ۱۱۱۲/۳

(34) الاستيعاب، تذکرہ سمرائہ بنت نبیک، ۸۶۳/۴

(29) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، ج ۶، ص ۱۶

(30) المسند، مسند عبداللہ بن مسعود، ج ۳، ص ۴۲۷، ۲۸/۲

(31) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ج ۲، ص ۳۸۷، ۳۳۰/۱ (32) المسند،



جماعتوں اور گروہوں کی صورت میں بھی دعوت و تبلیغ کیلئے نکلتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن عبد اللہ یشکری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں کسی ضرورت سے بازار گیا تو میں نے یکا یک وہاں ایک جماعت کو دیکھا، میں اس جماعت کے قریب گیا تو ان لوگوں نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کئے۔ (35)

صحابہ کرام کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زندگی بھر وہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے اسی طرح زندگی کی آخری سانسوں میں بھی اس فریضہ سے غافل نہیں ہوئے۔ حضرت ابو الدرداءؓ پوری زندگی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔ ہزاروں طلباء نے ان سے کسب فیض کیا، جب وصال کا وقت قریب آیا تو اپنے ایک شاگرد یوسف بن عبد اللہ کو بلا کر کہا کہ لوگوں کو میری موت کی خبر کر دو۔ اس خبر کا مشتم ہونا تھا کہ آدمیوں کا ایک طوفان امنڈ آیا گھر سے باہر تک آدمی ہی آدمی تھے، اندر اطلاع کی گئی تو فرمایا: مجھ کو یہاں سے باہر لے چلو۔ باہر آ کر اٹھ بیٹھے اور پھر تمام مجمع کو مخاطب کر کے وضو اور نماز کے متعلق ایک حدیث بیان کی۔ (36)

عمواس کے طاعون میں جب حضرت معاذ بن جبل بستر مرگ پر تھے تو زبان مبارک سے تبلیغ حق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ، جو وصال کے وقت آپؐ کے خیمہ میں موجود تھے، ان سے فرمایا: خیمے کا پردہ اٹھا دو میں ایک حدیث بیان کروں گا جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور اس حدیث کو میں نے اب تک اس لئے مخفی رکھا تھا کہ لوگ تکبر پر غیور ہوں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک حدیث بیان کی۔ (37)

عبد اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار کی عیادت کو آیا۔ آپؐ اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھے۔ فرمانے لگے میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپؐ کا فرمان ہے:

مامن امیر یلی امر المسلمین ”جو امیر مسلمانوں کا والی بنایا گیا اور پھر ان، ثم لا یجھد لهم وینصح کی خیر خواہی نہ کی تو وہ ان کے ساتھ جنت الالم یدخل معهم الجنة (38) میں داخل نہ ہوگا“

حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ کا آخری وقت آیا تو ان کی بیوی نے چیخ ماری۔ آپؐ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أما علمت ما قال رسول الله ﷺ؟ قالت: بلی، ثم سکت، فلما مات، قیل لها: ای شی قال رسول الله ﷺ؟ قالت: قال رسول الله ﷺ: لعن من حلق او خرق او سلق (39)

”کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان معلوم نہیں؟ کہنے لگیں: کیوں نہیں اور پھر خاموش ہو گئیں۔ جب ابو موسیٰؓ کا انتقال ہو گیا تو ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کیا تھا؟ (جس کی یاد دہانی آپؐ کو ابو موسیٰؓ نے کروائی تھی) کہنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”جس نے مردے کے سوگ میں سر منڈایا، کپڑے پھاڑے یا چیخا چلایا تو اس پر لعنت ہے“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو آخری سانسوں پر بھی یہی فکر دامن گیر رہی کہ کہیں ان کی ذات شریعت کی خلاف ورزی کا سبب نہ بن جائے۔ اس لئے فوراً اصلاح کر دی۔ ابو موسیٰ اشعرئؓ کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنے لواحقین کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”جب تم لوگ میرا جنازہ لے کر چلو تو ذرا تیزی سے چلنا اور کوئی دھونی دینے والا ساتھ نہ ہو، اور میری قبر میں کوئی ایسی چیز نہ رکھنا جو میرے جسم اور مٹی کے درمیان حائل ہو، اور میری قبر پر قبہ تعمیر نہ

(39) المسند، حدیث ابی موسیٰ اشعرئؓ، ج: ۵، ۱۹۱۲۹، ص: ۵۵۳

سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح، ج: ۳، ص: ۳۵۹

(35) اسد الغابہ، تذکرہ عبد اللہ یشکریؓ، ۲۵/۱۳

(36) المسند، حدیث ابی الدرداءؓ، ج: ۱، ۲۶۹۵، ص: ۵۹۶

(37) المسند، حدیث معاذ بن جبلؓ، ج: ۱، ۲۱۵۵۵، ص: ۳۱۲

(38) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب استحقاق الولی الفاش لریعہ النار، ج: ۳، ص: ۷۳



کرنا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں (سیرت کے سب سے بڑے پھانسنے والے پچھنے چلانے والے اور کپڑے پھاڑنے والے سے بری ہوں)۔ (40)

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت نے مرض الموت میں اپنے بیٹے ولید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! میں تمہیں اچھی اور بری ہر طرح کی تقدیر پر ایمان لانے کی نصیحت کرتا ہوں اور اگر تو تقدیر پر ایمان نہیں لائے گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں آگ میں داخل کرے گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا قلم نے کہا کہ کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو ہو چکا ہے اور جو قیامت تک ہونے والا ہے سب لکھو“۔ (41)

ان چند روایات سے اس حقیقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جو عہد الوداع کے دن جو ذمہ داری سونپی تھی اس ذمہ داری کو انہوں نے کس تندہی کے ساتھ ادا کیا اور زندگی کے آخری لمحات میں بھی ان کو اگر کوئی فکر تھی تو یہی تھی کہ وہ دین کی کوئی بات دوسروں تک پہنچا سکیں۔ دعوت و تبلیغ کے مشن سے یہی وہ لگن تھی جس کی بدولت عہد صحابہ میں اسلام بڑی تیزی اور کثرت کے ساتھ پھیلا۔

### صحابہ کرامؓ کا مذہبی مقام و مرتبہ

صحابہ کرامؓ چونکہ براہ راست چشمہ نبوت سے فیض یاب ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے علم و عرفان کا وافر حصہ وصول کیا تھا، اس لئے اطراف و اکناف عالم ہے تشنگان علم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے، علم و عرفان کے متلاشیوں کا ہجوم ہر لمحہ ان کے گرد جمع رہتا تھا۔ دعوت و تبلیغ کے لئے صحابہ کرامؓ نے اپنے اس علمی مقام و مرتبہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا چنانچہ جو شخص بھی سچے جذبے کے ساتھ ان کے پاس پہنچا فیض ہدایت پا کر ہی لوٹا۔ اگر صحابہ کرامؓ کے علمی اثرات کا اندازہ لگانا ہو تو ان تابعین کی طویل فہرست پر نظر ڈالی جاسکتی ہے، جو بذات خود اپنے دور کے امام گزرے ہیں۔ سیرت صحابہ میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ جو لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے ان کو اپنی ذات کی طرف بلانے کی بجائے ہمیشہ اسلام کی طرف بلایا۔ نتیجتاً ہر طرف دین ہی کا چرچا ہونے لگا۔

(40) المسند، حدیث ابی موسیٰ الاشعری، ج: ۵، ۱۹۰، ۵۳۰

(41) المسند، حدیث عبادہ بن صامت، ج: ۶، ۲۲۱، ۳۳۲

حضرت ابو اوریس خولانیؓ کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک جوان، جس کے ذانت موتی کی طرح چمکتے ہیں، لوگوں کا پیشوا ہے۔ لوگ اگر کسی چیز سے اختلاف کرتے ہیں تو اس کی سند پکڑتے ہیں اور وہ جو کہہ دیتا ہے اس پر رک جاتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا معاذ بن جبل۔ (42)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا علمی مقام و مرتبہ یہ تھا کہ تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع ہر وقت حاضر رہتا تھا۔ شفیق کا بیان ہے: ”ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبداللہ بن مسعود کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے تھے“۔ (43)

حضرت قزحہ کا بیان ہے:

”میں حضرت ابوسعید اخدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے۔ اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ میں نے انتظار کیا، جب

بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود اپنا سوال پیش کیا“۔ (44)

ایک بار شفیاء صحتیؓ مدینہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: ”ابو ہریرہؓ“۔ وہ درس دے چکے تو انہوں نے تنہا جا کر ایک حدیث کی درخواست کی۔ (45)

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے تحصیل علم کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ جہاں جس طرف جاتے شائقین علم کا مجمع ان کے گرد جمع ہو جاتا۔

عن الشيخ من النخع قال: دخلت مسجد ايلياء فصليت ركعتين فجاء رجل فصلى قريبا مني فمال الناس فاذا هو عبد الله بن عمرو بن العاص (46)

(42) الموطا، کتاب الشعر، باب ما جاء في المتحدين في الله، ج: ۷، ۷۷، ۵۸۳

(43) المسند، مسند عبداللہ بن مسعود، ج: ۱، ۳۵، ۶۲۳

(44) سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب الصوم في السفر، ج: ۶، ۲۳۰، ۳۳۹

(45) جامع الترمذی، ابواب الزهد، باب ما جاء في الرياء والسمعة، ج: ۲، ۲۳۸، ۵۴۲

(46) المسند، مسند عبداللہ بن عمرو، ج: ۲، ۶۸۲، ۳۰۵



”ایک خفی شیخ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک شخص پہلو میں آ کر کھڑا ہوا۔ نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس آئے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں“

حضرت ابوالدرداء دمشقیؓ میں رہتے تھے۔ اور جب درس دینے کے لئے مسجد میں آتے تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ (47) حضرت ابوسعید الخدریؓ حدیث روایت کرتے تھے تو سامنے آدمیوں کی دیوار کھڑی ہو جاتی تھی۔ (48) حضرت سہیل بن خالد کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں ایک تجارتی مقصد سے آیا، مسجد میں جا کر دیکھا کہ جوق در جوق لوگ ایک مشہور اور نمایاں شخص کے گرد بیٹھے ہیں۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حجازی آدمی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہے؟ لوگوں نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور کہا کہ تم ان کو نہیں جانتے؟ یہ حذیفہ بن الیمان ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (49)

حضرت عائشہ بنت طلحہؓ نے حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے۔ جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے۔ جب میرے پاس کوئی خط آتا تو میں کہتی کہ اے خالہ فلاں کا خط ہے اور فلاں کا ہدیہ۔ آپ فرماتیں کہ خط کا جواب لکھ دو اور ہدیہ کا معاوضہ دے دو۔ (50)

اس معاملے میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ حکمران طبقہ بھی صحابہ کرامؓ کی اتباع ہی

میں عافیت خیال کرتا تھا۔ سالم بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کی طرف حکمانہ لکھ کر بھیجا:

ان لا تخالف عبداللہ بن جج کے کسی کام میں عبداللہ بن عمرؓ کی عمر فی شیء من امر الحج (51) مخالفت نہ کرنا“

چنانچہ حجاج بن یوسف نے حج کے جملہ مناسک کو ابن عمرؓ کے مشورہ ہی سے ادا کیا۔ ایک بار امیر مکہ حارث بن حاطب نے رویت ہلال کے متعلق خطبہ دیا اور آخر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم میں ایک ایسا بزرگ ہے جو خدا اور رسول ﷺ کے احکام کا مجھ سے زیادہ عالم ہے (52)

بعض اوقات امراء و سلاطین کو ضرورت ہوتی تو وہ صحابہ کرامؓ کو راہنمائی کے لئے طلب کرتے تھے۔ ایک دن زید بن ثابتؓ ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ مروان نے اس وقت ان کو کیوں رحمت دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھ سے بعض حدیثوں کے متعلق پوچھنا تھا۔ (53)

ایک غلام ایک شخص کے باغ سے کھجور کا پودا چرا لایا اور اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا۔ مروان بن الحکم اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ صاحب باغ نے غلام پر مقدمہ دائر کر دیا، اور مروان نے غلام حراست میں لے لیا اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔ غلام کا آقا حضرت رافعؓ بن خدیج کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ اس نے عرض کی کہ مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجئے وہ گئے اور مروان کے سامنے حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کر دیا۔ (54)

(51) الموطا، کتاب الحج، باب الصلوۃ فی البيت وقصر الصلوۃ وتقبل الخطیہ بعرفۃ، ج: ۳۲۲، ص: ۲۶۶

سنن نسائی، کتاب الحج، باب الرواح یوم عرفۃ، ج: ۳۰۸، ص: ۳۱۳

(52) سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب شہادۃ رجلین علی رذیۃ ہلال شوال، ج: ۲۳۳۸، ص: ۳۴۰

(53) المسند، حدیث زید بن ثابت، ج: ۲۲۳/۶، ۲۱۰۸۰، جامع الترمذی، ابواب العلم، باب فی الخف علی تبلیغ

اسماع، ج: ۲۶۵۶، ص: ۶۰۳ (54) الموطا، کتاب الحدود، باب ما لاقطع فیہ، ج: ۶۲۷، ص: ۵۱۵

سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب ما لاقطع فیہ، ج: ۳۳۸۸، ص: ۶۱۷

(47) تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ حضرت ابوالدرداءؓ، ۲۳/۱۱

(48) صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب القراۃ فی الظہر والعصر، ج: ۱۰۲۱، ص: ۱۹۱

(49) ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم باب ذکر الفتن ودلائلہا، ج: ۴۲۳۳، ص: ۵۹۵

(50) ادب المفرد، باب الکتابة الی النساء وجواہن، ج: ۱۱۱۸، ص: ۲۸۷



ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے: اہل جار میں سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے مروان بن حکم سے دریا کے پھینکے ہوئے شکار کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور کہا: تم زید بن ثابت اور ابو ہریرہ کے پاس جاؤ اور ان دونوں سے اس بارے میں پوچھو۔ پھر مجھے بھی آکر بتانا کہ ان دونوں حضرات نے کیا فرمایا، پس وہ لوگ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پوچھا، تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ وہ مروان کے پاس آئے اور اس کو بتایا۔ مروان نے کہا کہ میں نے بھی تم سے یہی کہا تھا۔ (55)

مروان بن حکم کے زمانے میں لوگوں کو جار کے غلے کی سندیں ملیں تو لوگوں نے غلے پر قبضہ کرنے سے پہلے آپس میں ان سندوں کو بیچنا شروع کر دیا۔ حضرت زید بن ثابت نیز ایک اور صحابی مروان بن حکم کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے مروان! کیا تم سود کو حلال کرتے ہو؟ کہا: میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں، بات کیا ہوئی؟ دونوں حضرات نے فرمایا کہ ان سندوں سے لوگ خریدتے ہیں اور قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیتے ہیں۔ مروان نے سپاہیوں کو بھیجا جنہوں نے ایسے لوگوں سے سندیں چھین کر سند والوں کے حوالے کر دیں۔ (56)

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک کوڑھی عورت کے پاس سے گزرے، جو بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی، انہوں نے اس سے فرمایا: اے اللہ کی بندی! لوگوں کو تکلیف نہ دو اور اپنے گھر بیٹھ رہو، وہ گھر جا بیٹھی۔ حضرت عمرؓ کے وصال کے بعد ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: جنہوں نے تم کو روکا تھا وہ فوت ہو گئے، لہذا اب تم بیت اللہ میں طواف کے لئے جاسکتی ہو۔ اس عورت نے جواب دیا کہ میں ایسی نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت کروں اور وفات کے بعد نافرمانی کروں۔ (57)

(55) الموطا، کتاب الصيد، باب ما جاء في صيد البحر، ج: ۵، ص: ۳۱۳

(56) الموطا، کتاب البیوع، باب العیذ وما یبھیج، ج: ۷، ص: ۳۹۷

(57) الموطا، کتاب الحج، باب جامع الحج، ج: ۵، ص: ۲۸۱

### صحابہ کرامؓ کے طبقہ عوام پر اثرات

صحابہ کرامؓ اگرچہ دنیوی حیثیت سے ایک فقیر بے نوا تھے لیکن عام اثرات نے ان کو بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس لئے جہاں جاتے تھے نہایت دھوم دھام سے ان کا استقبال ہوتا تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ شام کو گئے تو لوگ عین التمر تک استقبال کو آئے۔ (58)

ایک شخص حج کو جا رہا تھا، اس کی مقام ربذہ میں حضرت ابوذرؓ سے ملاقات ہوئی اور باہم کچھ سوال و جواب ہوئے۔ یہ شخص مکہ میں چند دن رہا ایک دن دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص کو گھیر لیا ہے۔ بھڑ کو چہرتے ہوئے وہاں تک پہنچے تو دیکھا کہ وہی بزرگ ہیں جو مقام ربذہ میں ملے تھے، یعنی ابوذرؓ۔ (59)

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ ایک شخص نے اپنا مریض اونٹ فروخت کیا، اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کے ہاتھ جو ایسا ایسا تھا اونٹ کو بیچ دیا ہے۔ اس نے کہا: ”غضب کیا وہ ابن عمرؓ تھے“۔ وہاں سے دوڑا آیا اور اونٹ کو لے جانا چاہا، مگر ابن عمرؓ نے خود ہی واپس کرنا پسند نہ کیا۔ (60)

ایک بار حضرت بلالؓ کے بھائی نے ایک عرب گھرانے میں شادی کرنا چاہی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر بلالؓ آئیں تو ہم شادی کر سکتے ہیں۔ حضرت بلالؓ آئے تو فرمایا: ”میں بلالؓ بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے لیکن اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے، اس لئے تمہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے“۔ ان لوگوں نے کہا: ”تم جس کے بھائی ہو، ہم کو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے“۔ (61)

حضرت حارث بن ہشامؓ ایک بار جہاد کی غرض سے شام کو روانہ ہوئے۔ تمام مکہ میں کہرام مچ گیا اور تمام لوگوں نے ان کی مشایعت کی، جب وہ مقام بطحاء میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہو کر رونے لگے۔ ابن عبد البر کا بیان ہے:

(58) صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرين، باب جواز الصلوٰۃ النافلۃ علی الدرب فی السفر حیث توجبت

ج: ۱، ص: ۱۲۲۰ (59) الموطا، کتاب الحج، باب جامع الحج، ج: ۵، ص: ۲۸۱

(60) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب شراء الابل الہیم، أو الأجر، ج: ۲، ص: ۳۳۷

(61) اسد الغابہ، تذکرہ خالد بن رباح، ۱۰۸/۳



خرج الي الشام في زمن عمر بن وه عمر بن خطابؓ کے دور میں شام کی الخطاب راغباً في الرباط طرف جهاد کے لئے نکلے تو اہل مکہ بھی ان والجهاد، فتبعه اهل مكة يبيكون کے ساتھ چلنے لگے اور وہ ان کی جدائی لفراقه (62)

بدونہایت وحشی، خود غرض اور بے تعلق ہوتے ہیں، لیکن وہ بھی اس شدت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے گرویدہ تھے کہ ایک بار حضرت براءؓ بن عازب اونٹ کی تلاش میں صحرائیں پہنچے تو بدوؤں نے گھیر لیا اور ان کے گرد طواف کرنے لگے۔ (63) مذہبی اور روحانی اثرات

حضرت جندبؓ بن کعب نے ایک جادوگر کو ایک حدیث کے بموجب قتل کر دیا اور اس جرم میں ان کو ولید بن عقبہ بن ابی معیط گورنر کوفہ نے سزائے قید دے دی۔ لیکن جیل ان کے صوم و صلوة کی پابندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود ان کو رہا کر دیا۔ (64) رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر انہوں نے نماز فجر میں بلند آہنگی کے ساتھ تکبیر کہی۔ تو حضرت عمرؓ بن مایمون الازدی ہراس کا جو روحانی اثر ہوا اس کو وہ خود بیان کرتے ہیں:

فالقبت عليه محبتي فما فار "میں ہمہ تن ان کا عاشق ہو گیا اور اس وقت تک فته حتى دفنته بالشام ميتاً، ان کی صحبت سے الگ نہ ہوا جب تک شام میں ان کو دفن نہ کر لیا"

اس کے بعد یہ روحانی اثر ان کو کھینچ کر حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس لایا اور تادم مرگ ان کی خدمت سے الگ نہ ہوئے۔ (65)

صحابہ کرامؓ کو جو بھی مذہبی عزت حاصل تھی۔ اس کا اثر تھا کہ لوگ ان کے پاس

(62) استيعاب، تذکرہ حضرت حارث بن ہشام، ۳۰۳/۱۱

(63) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی الرجل یزنی بحریمة، ج: ۴، ص: ۲۲۸

(64) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت جندبؓ بن کعب، ۳۰۵/۱۱

(65) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب اذا اخل امام الصلوة عن الوقت، ج: ۴، ص: ۷۳

آ کر طالب دعا ہوتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لائے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت کرتی تھیں۔ (66)

حضرت جبارؓ بن سلمی نے حالت کفر میں شہدائے بیر معونہ میں سے ایک قاری کو بیڑہ مارا تو انہوں نے زخم کھانے کے ساتھ ہی نہایت مؤثر اور پر جوش لہجے میں کہا "فزت واللہ" خدا کی قسم میں کامیاب ہوا۔ حضرت جبار کو تعجب ہوا کہ میں نے ان کو قتل کر دیا آخر ان کو کامیابی کیوں ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے، چنانچہ اسی اثر سے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (67)

اگرچہ صحابہ کرامؓ خواتین کو باقاعدہ تعلیم نہ فرماتے تھے لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف اسلام سرزد ہو جاتا تو فوراً نوک دیتے اور حقیقت حال سے آگاہ کر دیتے۔ عبید مولى ابی رہم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ گزر رہے تھے، ایک عورت کو دیکھا جس کے پیراہن سے خوشبو آ رہی تھی۔ پوچھا تو مسجد سے آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر پوچھا: خاص طور پر مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

لا تقبل صلوة لامرأة تطيبت لهذا "اس عورت کی نماز جو خاص مسجد جانے کے المسجد حتى ترجع فتغتسل لئے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک مقبول نہ غسلها من الجنابة (68) ہوگی جب تک وہ غسل نہ کر ڈالے"

### سرپا اعلیٰ کرداریت

دعوت و تبلیغ کا طریقہ کار خواہ کتنا عمدہ ہو، اس وقت تک بے کار اور غیر مؤثر ہے جب تک اس کو مبلغ و داعی کی بلند کرداری، عالی ظرفی اور اخلاقی قوت کا تحفظ حاصل نہ ہو۔ انسانی فطرت ہے کہ مدعو پہلے داعی کا کردار اور اس کی شخصیت کا مشاہدہ کرتا ہے، اگر داعی کی شخصیت غیر معتبر اور کردار دغا دار ہے تو دعوت و تبلیغ میں اثر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر

(66) ادب المفرد، باب الطیرة من الجن، ج: ۱، ص: ۳۱۳

(67) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت جبارؓ بن سلمی، ۲۶۵/۱۱

(68) سنن ابی داؤد، کتاب الرجل، باب فی طیب المرأة للخروج، ج: ۴، ص: ۵۸۶



داعی کی شخصیت اوصاف حمیدہ کی حامل ہو اور کردار کی پاکیزگی کا پیکر ہو تو دعوت میں خود بخود تاثیر و مقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔

مخاطب کی تعمیر سیرت اور تشکیل ذات کیلئے سب سے اعلیٰ نمونہ خود مبلغ و داعی کا ذاتی کردار اور اخلاق ہے۔ جس چیز کی وہ دعوت دے رہا ہے، کیا وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہے؟ کیا اس کے قول و فعل میں تضاد تو نہیں؟ کیا وہ خود بھی اس دعوت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے؟ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو مخاطب اور مدعو سب سے پہلے دیکھتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ داعی کی سیرت ایسی پاکیزہ اور جاذب نظر ہو کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھینچے چلے آئیں۔ دراصل داعی کا ذاتی کردار ہی مدعو کے ذہنی رویوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی کامیاب دعوتی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی دعوتی کامیابیوں کے پیچھے ان کی عظیم شخصیات، بلند کردار اور اخلاق کریمانہ کی مضبوط و مستحکم فہم کھڑی تھی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی سب لوگوں کے لئے کھلی کتاب کی طرح تھی، جس کی تحریر کا ہر حرف پاکیزہ، روشن، اور نمایاں تھا۔ ہر شخص صحابہؓ کے بے داغ اخلاق و کردار، امانت و دیانت اور عالی ظرفی کا معترف تھا، گویا صحابہ کرامؓ انسانی کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ انہوں نے جس دعوت کی طرف لوگوں کو بلایا پہلے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ ایک بار حضرت صفوانؓ بن امیہ ایک بڑے برتن میں کھانا لائے اور حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کے بعد فرمایا:

لِحَا اللّٰہِ قُومَا یَرْغَبُونَ عَنْ ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو ارقائہم ان یا کلو معهم (69) غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتی ہے“

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں۔ انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک غلام کو دے دی۔ گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا فرمایا: سچ ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

(69) ادب المفرد، باب ۱۰۲، اہل مجلس خادمہ معہ اذا اکل، ج: ۲۰۱، ص: ۶۰

أطعموہم مما تأکلون ولبسوا ”جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو وہی اپنے ہم مہماتکسبون (70) غلاموں کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ“

ایک مرتبہ حضرت عبادہ بن ولید حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو سے حدیث سننے کے لئے آئے۔ دیکھا کہ خود ایک چادر اور معافری کی بنی ہوئی لنگی پہنے ہیں، غلام کا بھی یہی لباس ہے۔ عبادہ نے عرض کی: عم محترم! بہتر ہو کہ ایک جوڑا مکمل کر لیجئے یا تو آپ ان کی معافری لے لیں اور اپنی چادر ان کو دے دیں یا اپنی معافری دے دیں اور ان سے چادر لے لیں۔ حضرت ابوالیسرؓ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ جو تم پہنو غلاموں کو پہناؤ اور جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ (71)

عرب معاشرے میں غلاموں کے بارے میں جو نفرت پائی جاتی تھی صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے اس کی سختی سے بیخ کنی کی۔ اور غلاموں کو معاشرے میں باعزت مقام دلویا۔ صحابہ کرامؓ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ان کا کردار دوسرے لوگوں کے لئے حجت اور دلیل ہے، اس لئے وہ غیر شرعی امور کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے، بلکہ وہ ان امور میں بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا ضروری خیال کرتے تھے جن امور میں ان کو مکلف نہیں بنایا گیا تھا۔

عبداللہ بن قیس بن مخرمہ ایک دفعہ مسجد بنی عمرو بن عوف میں نوافل کی ادائیگی کے بعد اپنے خنجر پر سوار ہو کر واپس لوٹ رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہو گئی جو پیدل اسی طرف جا رہے تھے۔ انہیں پیدل دیکھ کر وہ خنجر سے نیچے اتر آئے اور کہنے لگے: چچا جان! آپ سوار ہو جائیے۔ تو انہوں نے جواب دیا: اے بھتیجے! اگر میں سوار ہونا چاہتا تو میرے پاس بھی سواری موجود تھی، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس مسجد کی طرف نماز کے لئے پیدل ہی جاتے دیکھا، تو مجھے اسی طرح پیدل جانا ہی پسند ہے، جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پیدل جاتے دیکھا ہے۔ چنانچہ پھر وہ پیدل ہی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ (72)

(70) ابن سعد، تذکرہ ابوذرؓ، ۲۳۷/۱، (71) صحیح مسلم، ۳۵۰/۱۱

(72) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ج: ۲، ۵۹۶۳، ۲۶۸/۱



صحابہ کرامؓ کے اس جذبہ اطاعت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شرعی امور میں ان کی فرمانبرداری کا عالم کیا ہوگا؟ حضرت جثامہؓ ابن مساحق کو حضرت عمرؓ نے قاصد بنا کر ہرقل کے دربار میں بھیجا، خود بیان کرتے ہیں کہ میں وہاں جا کر ایک چیز پر بیٹھ گیا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میرے نیچے کیا چیز ہے؟ یکا یک مجھے معلوم ہوا کہ میرے نیچے سونے کی ایک کرسی ہے۔ چنانچہ جب میں نے اسے دیکھا تو میں فوراً اس سے اتر پڑا، ہرقل مسکرایا اور اس نے کہا تم اس کرسی سے کیوں اتر پڑے؟ یہ تو محض تمہاری عظمت کے لئے بچائی گئی تھی۔ میں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ اس قسم کی چیز پر بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔ (73)

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابوطحہ انصاریؓ کی عیادت کے لئے اندر داخل ہوئے۔ سہل بن حنیف بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوطحہؓ نے ایک آدمی کو بلایا کہ میرے نیچے سے گدے کو نکال لو۔ سہل بن حنیف نے کہا کہ اسے کیوں نکلاتے ہو؟ فرمایا: اس میں تصویریں ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ سہل نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ماسوائے ان کے جو کچھ میں نقش ہو؟ فرمایا: کیوں نہیں؟ لیکن میری دلی خوشی یہی ہے۔ (74)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک سفر میں تھے، اسی حالت میں اپنے بھائی قثم بن عباسؓ کے انتقال کی خبر سنی۔ پہلے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا پھر راستے سے ہٹ کر دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے اور یہ آیت کریمہ پڑھی:

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ "صبر اور نماز سے مدد طلب کرو بے شک یہ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ" الْإِلَاعْلَى بھاری ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے

الْخَاشِعِينَ (75) ڈرنے والے ہیں" (76)

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ دوسرے عزیزوں کی وفات پر سوگ کے لئے

(73) اسد الغابہ، تذکرہ جثامہ ابن مساحق، ۱۱، ۲۷۳

(74) الموطا، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی الصور والتماثل، ۵۹۲، ص: ۸۵

(75) البقرہ ۲: ۲۵ (76) اسد الغابہ، تذکرہ قثم بن عباسؓ، ۱۹۸-۱۹۷

صرف تین دن مقرر فرمائے ہیں۔ صحابیاتؓ نے اس حکم رسول ﷺ پر بڑی شدت سے عمل کیا۔ زینب بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ملنے آئیں، انہوں نے ان کے سامنے خوشبو لگائی اور فرمایا:

وَاللّٰهُ مَالِي بِالطَّيِّبِ مِنْ حَاجَةِ غَيْرَانِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا يَحِلُّ لَامْرَأَةٍ تَوَمَّنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَحْذَ عَلَي مِيتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (77)

"مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتی ہے، جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے شوہر کہ اس پر چار ماہ اور دس دن ہے"

اسی طرح حضرت ام حبیبہؓ کے والد ابوسفیانؓ نے انتقال فرمایا تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا اور خوشبو ملی اور فرمایا: مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"کسی عورت کیلئے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر اپنے خاوند کا چار ماہ دس دن ہے" (78)

(77) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب تحذیر التوفی عنھا اربعۃ اشھر وعشر، ج: ۵۳۳، ص: ۹۵۳

ایضاً، ج: ۱۲۸۲، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداث فی عدة الوفاة... ج: ۲۷۶، ص: ۲۴۵

سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب احداث التوفی عنھا زوجھا، ج: ۲۲۹۹، ص: ۳۳۳

الموطا، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الاحداث، ج:

(78) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب تحذیر التوفی عنھا اربعۃ اشھر وعشر، ج: ۵۳۳، ص: ۹۵۳

ایضاً، ج: ۱۲۸۰، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداث فی عدة

الوفاة... ج: ۲۷۶، ص: ۳۳۳، ایضاً، ج: ۲۷۶، ص: ۳۳۳



ام عطیہ کا ایک بیٹا کسی جنگ میں شریک تھا۔ بیمار ہو کر بصرہ میں آیا۔ حضرت ام عطیہ کو خبر ہوئی تو بڑی تیزی سے مدینہ سے بصرہ آئیں لیکن ان کے پہنچنے سے ایک دن قبل اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں بود و باش اختیار کر لی اور پھر بصرہ سے کہیں نہ گئیں۔ تیسرے دن خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ (79)

نافع مولیٰ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ نے بانسری کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور راستے سے ہٹ کر چلنے لگے اور پوچھا: اے نافع کیا تجھے آواز سنائی دے رہی ہے؟ میں کہتا: ہاں، پس آپؓ چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کہا کہ اب آواز نہیں آ رہی پھر آپؓ نے انگلیاں کانوں سے نکال لیں اور اپنی سواری کو راستے پر چلانے لگے اور پھر فرمایا:

رأیت رسول اللہ ﷺ وسمع "میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ صوت زمارۃ راع فصنع مثل آپ ﷺ نے بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا" (80)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا کردار کتنا جاندار تھا اور وہ دینی معاملات میں شرعی امور کا کس قدر خیال رکھنے والے تھے۔ قول فعل کی اسی مطابقت کی وجہ سے لوگ ان کی طرف کچے چلے آتے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے ایک غلام نے ان کو کھانے کی کوئی چیز لا کر دی، جب آپؓ گھاچکے تو غلام نے پوچھا: آپؓ جانتے ہیں کہ وہ کیا شے تھی؟ پوچھا: کیا تھی؟ اس نے کہا: میں جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا۔ یہ شے اسی کا معاوضہ تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے سنا تو فوراً قے کر دی اور پیٹ میں جو کچھ تھا وہ نکال

باہر پھینکا۔ (81)

کردار کی تاثیر

شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا۔ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر گرویدہ اسلام ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ تاریخ مقرریزی میں ہے:

(81) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فی ایام الجاہلیۃ، ج: ۳۸۴۲، ص: ۶۳۴

(82) مقرریزی، تقی الدین احمد بن علی، "امتاع الاسماع"، قاہرہ، ۱۰۲۶/۲

فخرج شطا فی الفین من "شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور اصحابہ والحق بالمسلمین مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ وہ وقد کان قبل ذالک یحب پہلے نیکی کو دوست رکھتا تھا اور مسلمانوں کے الخیر ویمیل الی ما یسمعه محاسن اخلاق کو سن کر ان کی طرف مائل تھا" من سیرۃ اہل الاسلام (82)

صحابہ کرامؓ اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور انہوں نے اسلام کو اپنی ذات پر نافذ کر کے اسلامی تعلیمات کے اندر ایک ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے محاسن اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب و اذہان کو اپنی طرف مائل کرتا تھا، بالخصوص جب اسلام کے اصول مساوات اور مسلمانوں کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیوں کی ناہموار طرز معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا، تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا، اور حق پسند لوگ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار زہرہ نے رستم سے دوران گفتگو اسلام کے جو محاسن بتائے ان میں سے ایک یہ تھا۔

اخراج العباد من عبادة "بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی العباد الی عبادة اللہ تعالیٰ غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصلی مقصد ہے" رستم نے یہ سن کر کہا کہ ایرانیوں نے تو اردشیر کے زمانے سے طبقہ سافلہ کے پیشے متعین کر دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اس دائرے سے نکلے تو شرفاء کے حریف بن جائیں گے۔ رقیل ابتداء ہی سے اس گفتگو کو سن رہا تھا اس پر اس کا یہ اثر ہوا کہ جب رستم چلا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ (83)

ہر مقدمہ میں گواہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن صحابہ کرامؓ کو ان کی دیانت نے اس سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ برائیک عورت نے غصب کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے کہا "جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے گا اللہ زمین کے ساتوں طبق اس کے گلے کا طوق

(83) بلاذری، احمد بن یحییٰ، "فتوح البلدان"، ص: ۷۴، مؤسسة المعارف، بیروت، 1987ء

(84) صحیح مسلم، کتاب المساقاة والمرارۃ، باب تحریم الظلم وغصب الارض، ۴۱۳، ص: ۷۰۴



بنائے گا۔ میں نے اس کی زمین کا کوئی حصہ نہیں لیا۔ مقدمہ مروان کی عدالت میں تھا، اس نے کہا اب میں آپ سے گواہ نہیں مانگتا۔ (84)

امراء و سلاطین تو پھر بھی مسلمان تھے، صحابہ کرامؓ کے حسن اخلاق کے سب سے زیادہ اثرات غیر مسلموں پر پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ زاری مکہ کو چھوڑ کر نکلے تو راہ میں ابن الدغنه مل گیا جو عرب میں ”سید القارة“ کے خطاب سے ممتاز تھا۔ اس نے پوچھا: کہاں جاتے ہو؟ بولے: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ اب سیاحت کر کے خدا کی عبادت کروں گا۔ اس نے کہا: تم جیسا شخص نہ وطن سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جاسکتا ہے۔ تم غریبوں کے لئے مال پیدا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، قوم کی دیت و تادان کا بوجھ اٹھاتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو، مصائب قومی میں اعانت کرتے ہو۔ میں تمہارا ضامن ہوں۔ چلو اور اپنے ملک میں خدا کی پرستش کرو۔ چنانچہ وہ پلٹے اور چند شرائط کے ساتھ کفار نے ان کو عبادت گزاری کی اجازت دے دی۔ (85)

حضرت نعیم بن عبداللہ انعام نہایت فیاض صحابی تھے اور قبیلہ بنو عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔ کفار پران کی اس نیکی کا یہ اثر تھا کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تمام کفار نے روک لیا اور کہا کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو اگر کوئی تم سے تعرض کرے گا تو سب سے پہلے ہماری جان تم پر قربان ہوگی۔ (86)

### صحابہ کرامؓ کی حق پسندی / اظہارِ حق

اگر خود امراء، سلاطین اور حکومتی عہداروں میں حق پسندی کا مادہ موجود نہ ہو تو رعایا کی آزادی، نکتہ چینی اور حقوق طلبی بالکل بیکار ہے، عہد صحابہ میں خود خلفاء اور امراء میں حق پسندی کا اس قدر مادہ موجود تھا کہ وہ ہر قسم کی جائز نکتہ چینی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے، اس لئے اس جائز، مثبت اور تعمیری تنقید و احتساب کے ہمیشہ عملی نتائج نکلتے تھے۔ اور دوسری طرف عوام الناس میں حق پسندی کا مادہ پیدا ہوتا تھا جو خلافت کے استحکام کے لئے ایک ضروری اور لازمی چیز ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ امراء کا احتساب جان جو کھوں کا کام ہے، تاہم

(85) صحیح البخاری، کتاب الکفالت، باب جوار ابی بکر الصدیقؓ، ج: ۲، ۲۹۷: ص: ۳۶۷

(86) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت نعیم بن عبداللہ انعام، ۳۳۱: ۵

صحابہ کرامؓ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ انہوں نے اس فریضہ کو بڑی دلیری اور جرأت سے ادا کیا۔ حق کی تائید اور باطل کی تردید کیا ہے؟ اس حقیقت کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ابن عمرؓ کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی جو مروان حاکم مدینہ کے ہاں سے نکل رہے تھے تو آپؓ نے فرمایا: آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم امیر مروان کے ہاں سے آرہے ہیں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا تم نے جو بھی سچی بات دیکھی ہے اس کے بارے میں مروان سے بات کی ہے اور اس کی تائید کی ہے؟ اور جو بھی خلاف شریعت امور دیکھے ہیں ان کی تردید کی ہے؟ تو وہ لوگ بولے: نہیں اللہ کی قسم! بلکہ اگر وہ کوئی خلاف شریعت بات بھی کرتا تھا تو ہم کہتے تھے: اللہ تم پر رحمت کرے تم سچے ہو اور جب ہم اس کے ہاں سے نکلے تو ہماری زبان پر یہ الفاظ تھے: اللہ اس کو مارے یہ کس قدر ظالم اور بدکار ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا:

کنا بعہد رسول اللہ ﷺ نعد ”عہد رسالت میں ایسا کرنے والے کو ہم  
هذا نفاقاً لمن کان ہکذا“ (87) منافقین میں شمار کرتے تھے۔

حق کی تائید اور باطل کی تردید کے قائم کردہ اس معیار کا صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ لحاظ رکھا اور حکمران وقت کی طرف سے جبر و تشدد کا خوف حق بات کہنے میں کبھی بھی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ سیرت صحابہؓ سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ: دوں۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے خزائن کعبہ کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت شیبہؓ نے ان کی مخالفت کی اور کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ میں ایسا ضرور کروں گا۔ حضرت شیبہؓ نے کہا: آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ آپ سے زیادہ محتاج تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ (88)

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ مروان کے محل میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ مصور تصویر بنا رہا ہے۔ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(87) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ج: ۲، ۵۳۵: ۱۸۱

(88) سنن ابی داؤد، کتاب المناکب، باب فی مال الکعبہ، ج: ۲، ۲۰۳۱: ص: ۲۹۳



”اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو میری طرح مخلوق پیدا کرتا

ہے، وہ ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جو تو پیدا کر لے“ (89)

ایک دفعہ مروان حاکم مدینہ نے لوگوں کے سامنے قیامت کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کی پہلی نشانی دجال کا خروج ہے، لوگ عبداللہ بن عمرو کے پاس آئے اور ان سے مروان کی اس گفتگو کا ذکر کیا۔ عبداللہ بن عمرو نے فرمایا: مروان نے غلط کہا ہے، میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور میں اس کو بھولا نہیں ہوں، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ بے شک قیامت کی نشانیاں میں سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اور چاشت کے وقت دایہ کا نکلنا ہے۔ (90)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بیت اللہ کے سایہ میں درس حدیث ارشاد فرماتے تھے۔ لوگوں کی کثیر تعداد جمع تھی اتنے میں عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ آئے اور حلقہ درس میں شامل ہو گئے، جب روایت بیان کر چکے تو عبدالرحمن کی طرف مخاطب ہو کر بولے: ہذا ابن عمک معاویۃ یا مرننا ان ”آپ کا بھتیجا معاویہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ہم ایک ناکل اموالنا بینا بالباطل و نقتل دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھائیں اور اپنے انفسا واللہ يقول: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ بَإِيْئُوا قَوْلِيْ كَرِيْ، حَالَا لَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتا ہے اَمْنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُم اے ایمان والو! اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ بالباطل اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ کھاؤ بجز اس صورت کے جب تم سے باہم رضا تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ مندے کے ساتھ تجارتی تعلقات ہوں اور اپنے اِنْ اللّٰهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (91) آپ کو قتل نہ کرو، اللہ تم پر مہربان ہے۔ راوی قال: فسکت ساعة ثم قال: اطعه کہتے ہیں: آپ ایک لمحہ خاموش رہے، پھر فی طاعة اللّٰہ واعصه فی معصية فرمایا: اللہ کی اطاعت میں انکی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی فرمانبرداری مت کرو (92)

(89) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزمین، باب تحریم تصویر صورۃ الخوان .... ص: ۵۵۴۳، ج: ۱، ص: ۹۳۶

(90) المسند، مسند عبداللہ بن عمرو، ص: ۴۶۸، ج: ۱، ص: ۲۹۰

(92) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفا بحدۃ الخلیفۃ .... ج: ۲، ص: ۸۲۸

حضرت قیس بن خرشہ عہد بنو امیہ میں زیاد اور عبید اللہ بن زیاد جیسے ستم کشوں اور ظالموں پر بر ملا کتہ چینی کرتے تھے اور ان کی ہر غلط اور خلاف اسلام حرکت کا سختی سے نوٹس لیتے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے ایک مرتبہ بلا کر کہا: تم خدا اور رسول ﷺ پر افتراء پر دازی کرتے ہو۔ کہا: خدا کی قسم، میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا، البتہ اگر تم کہو تو میں اس شخص کا نام بتا دوں جو ایسا کرتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا بتاؤ؟ فرمایا: جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور وہ تم اور تمہارا باپ ہے۔ (93)

حضرت عبادہ بن صامت امیر معاویہ کی حکومت کو سرعام تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ امیر معاویہ نے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی شکایت لکھ بھیجی کہ وہ شام کے لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسارہے ہیں، اس لئے یا تو آپ ان کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں ورنہ میں شام چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ امیر المؤمنینؓ نے عبادہ بن صامت کو مدینہ طلب کر لیا۔ آپؓ سیدھے حضرت عثمانؓ کے گھر چلے گئے اور ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ لوگوں کی کافی تعداد وہاں جمع تھی، حضرت عثمانؓ کی نظر عبادہ بن صامت پر پڑی تو فرمایا: اے عبادہ بن صامت کیا معاملہ ہے؟ راست گوئی اور بے باکی کا جذبہ اب بھی وہی تھا، کھڑے ہو کر مجمع سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: میں نے ابوالقاسم محمد ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

انه سيلی أمور کم بعدی رجال ”میرے بعد عنقریب امراء منکر کو معروف يعرفونکم ماتنکرون، وینکرون اور معروف کو منکر سے بدل دیں گے، لیکن علیکم ماتعرفون، فلا طاعة جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت لمن عصی اللہ فلا تعتلوا جائز نہیں، پس تم لوگ اپنے رب کی نافرمانی میں ہرگز آلودہ نہ ہونا“ (94)

ایک بار حضرت ابو مریم ازدیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئے ان کو ان کا آنا گوار گزار اور بولے کہ ہم تمہارے آنے سے کچھ خوش نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے میں آپ کے سامنے اس کو بیان کرتا

(93) اسد الغابہ، تذکرہ قیس بن خرشہ، ص: ۲۱۲/۱۳

(94) المسند، حدیث عبادہ بن صامت، ج: ۲، ص: ۲۲۶، ج: ۱، ص: ۲۳۳



ہوں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنادے وہ اگر ان کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں چھپ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں چھپ جائے گا۔ حضرت امیر معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رعایا کی حاجت کے لئے ایک مستقل شخص کو مقرر کر دیا۔ (95)

مروان بن حکم، ضحاک بن قیس کے خلاف جنگ کے لئے نکلا تو اس نے صحابی رسول ﷺ حضرت امین بن خرم کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ ہماری طرف سے جنگ میں شریک ہوں۔ انہوں نے جواب دیا: میرے والد اور میرے چچا جنگ بدر میں شریک تھے انہوں نے مجھ سے عہد لے لیا ہے کہ کسی ایسے شخص سے نہ لڑنا جو لا الہ الا اللہ کہتا ہو۔ لہذا اے مروان! اگر تو مجھے جہنم سے نجات کا کوئی پروانہ لادے تو میں تیرے ساتھ ہو کر لڑوں گا۔ مروان نے کہا: آپ یہاں سے دور ہو جائیں اور پھر ان کی برائی کرنے لگا۔ (96)

مروان بن حکم نے ایک مرتبہ حضرت حویطب بن عبد العزیٰ سے کہا: اے شیخ (بوڑھے) تم بہت دیر سے اسلام لائے، یہاں تک کہ کم عمر لوگ تم سے سبقت لے گئے۔ حضرت حویطبؓ نے جواب دیا: اللہ ہی کی مدد سے کام چلتا ہے، واللہ میں نے کئی مرتبہ اسلام لانے کا ارادہ کیا مگر تمہارا باپ ہر مرتبہ مجھے اسلام لانے سے باز رکھتا تھا اور مجھے منع کرتا تھا کہ تم اپنی بزرگی اور اپنے باپ دادا کا دین ایک نئے دین کیلئے کیوں چھوڑتے ہو اور کیوں دوسرے کے تابع ہونا چاہتے ہو۔ مروان اپنی بات پر سخت نادم ہوا۔ (97)

حضرت حکم بن عمرو غفاری نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بصرہ میں

(95) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب فیما یلزم الامام من امر للرعیۃ ص: ۲۹۳۸، ص: ۲۲۹

(96) اسد الغابہ، تذکرہ امین بن خرم، ۱۶۰/۱

(97) اسد الغابہ، تذکرہ حویطب بن عبد العزیٰ، ۶۷۱/۲ المسند رک، مناقب حویطب بن عبد العزیٰ، ۳۹۲/۳

مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کو حکومت اور عہدے وغیرہ کا کوئی شوق نہ تھا، تاہم حاکم بصرہ زیاد نے ان کو خراسان کا حاکم بنادیا۔ انہوں نے کفار سے جہاد کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ زیاد نے ان کو خط لکھا کہ امیر المؤمنین امیر معاویہؓ نے لکھا ہے کہ سونا اور چاندی ان کے لئے رہنے دیا جائے، لہذا غنیمت میں سونا چاندی ملے تو اس کو تم تقسیم نہ کرنا۔ حضرت حکم بن عمرو غفاری نے زیاد کو جواباً لکھا: تم نے جو امیر المؤمنین کی تحریر کا ذکر کیا ہے مجھے معلوم ہوا ہے مگر امیر المؤمنین کی تحریر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب مجھے مل چکی ہے۔ اس میں اس کے خلاف حکم ہے۔ لہذا میں امیر المؤمنین کے حکم کو نہیں مان سکتا اور مجھے بالکل پروا نہیں ہے، کیونکہ اللہ کی قسم اگر آسمان اور زمین دونوں کسی بندے پر جھک پڑیں اور وہ خدا سے ڈرتا ہو تو ضرور اللہ اس کی نجات کی کوئی صورت نکال دے گا۔ (98)

عبد الملک بن مروان نے عمرو بن سعید کو ناحق قتل کر دیا، جس کی وجہ سے لوگوں میں سخت بے چینی اور شورش تھی۔ حضرت بشیر بن عقر بہ جو وہاں موجود تھے، عبد الملک نے ان کو مخاطب کر کے کہا: اے ابوالیمان! آج مجھے تمہارے کلام کی ضرورت ہے، لہذا تم کھڑے ہو کر کچھ بیان کرو۔ لیکن حضرت بشیرؓ نے اس ظلم اور نا انصافی کی حمایت کرنے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

”جو شخص دکھانے سنانے کی غرض سے خطبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ بھی

اس کے ساتھ روز قیامت دکھانے سنانے کا معاملہ کرے

گا“ (99)

ایک دن حجاج بن یوسف نے خطبہ پڑھنا شروع کیا نماز میں دیر ہو گئی تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا: نماز پڑھ لے ورنہ آفتاب تیرا منتظر نہ رہے گا۔ حجاج نے کہا: میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں تیرا سراژا دوں۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا: اگر تو ایسا کرے تو کیا بعید ہے کیونکہ تو بے وقوف حاکم ہے۔ (100)

(98) اسد الغابہ، تذکرہ حکم بن عمرو غفاری، ۳۶۱/۲

(99) اسد الغابہ، تذکرہ بشیر بن عقر بہ، ۱۹۷/۱

(100) اسد الغابہ، تذکرہ عبد اللہ بن عمرؓ، ۲۳۰/۳



ایک دفعہ حضرت عمرو بن ابراہیم اموی حاکم زیاد، جوان دنوں بصرہ کا حاکم تھا، کے ساتھ تخت پر بیٹھے تھے، ایک شخص اس کے سامنے پیش کیا گیا جس نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ زیاد نے کہا: اللہ کی قسم میں تیری زبان کاٹ ڈالوں گا۔ حضرت عمرو بن ابراہیم نے فوراً اس کو ٹوکتے ہوئے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسئلہ کی ممانعت کرتے ہوئے اور صدقہ کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ (101)

زمانہ حج میں ابن عمرؓ کا پاؤں نیزے کی نوک لگنے سے زخمی ہو گیا۔ حجاج بن یوسف خود عیادت کے لئے آیا اور کہنے لگا: کاش ہمیں اس شخص کے بارے میں پتہ چل جائے جس کا نیزہ لگنے سے آپ زخمی ہوئے ہیں، ابن عمرؓ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: یہ سب تمہارا ہی قصور ہے کہ تم نے لوگوں کو ایام حج میں حرم کے اندر ہتھیار لانے کی اجازت دی، حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ (102)

حضرت امیر معاویہؓ نے ربیع بن زیاد حارثی کو خراسان کا حاکم بنایا۔ انہوں نے بلخ اور اس کے مضافات میں دشمن سے خوب جہاد کیا اور ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اسی اثناء میں ان کو زیاد، جو کہ کوفہ اور بصرہ کا حاکم تھا، نے خط لکھا کہ امیر المؤمنین معاویہ کی تحریر آئی ہے وہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ سونے چاندی کو مال غنیمت میں سے علیحدہ کر لو اور اس کے سوا چیزوں کو تقسیم کرو۔ حضرت ربیعؓ نے اس کے جواب میں لکھا: مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم امیر المؤمنین کے حکم سے پہلے مل چکا ہے (لہذا میں اس حکم کو نہیں مانتا) اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اپنی غنیمتیں لے لو، پھر انہوں نے خمس نکال کر باقی تمام مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (103)

عبید اللہ بن زیاد مرض الموت میں حضرت معقل بن یسار کی عیادت کیلئے آیا تو انہوں نے ابن زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو اور وہ ایسی حالت میں مرے کہ رعیت اس کے ہاتھوں نالاں ہو، اسے جنت کی خوشبو سونگھنا بھی نصیب نہ ہوگی“ (104)

کسی اموی امیر نے حضرت علیؓ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو حضرت زید بن ارقم فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے؟ علیؓ کو برا مت کہو کیونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ (105)

عطاء بن یسار سے روایت ہے: امیر معاویہؓ نے چاندی کا ایک پیالہ خریدا، جس کی قیمت میں مالک کو چاندی کے وزن سے کم و بیش روپے دیئے۔ اسلام میں چونکہ یہ ناجائز ہے اس لئے ابو درداءؓ نے امیر معاویہؓ کو فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی بیع سے منع نہی الا مثلاً بمثل (106) فرمایا ہے مگر جب برابر برابر ہو“

ایک مرتبہ حجاج بن یوسف خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے اپنے خطبے کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت ہو گیا، ابن عمرؓ نے آواز دی کہ نماز کا وقت جا رہا ہے، اس نے نہ سنا، دوبارہ کہا اس مرتبہ بھی خیال نہ کیا، تیسری مرتبہ پھر کہا، اس کے بعد حاضرین سے فرمایا: اگر میں اٹھ جاؤں تو تم بھی اٹھ جانا۔ لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ آپؓ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد حجاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی اور پھر ابن عمرؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: ہم لوگ مسجد میں نماز کے لئے آتے ہیں اس لئے جب نماز کا وقت آجائے تو اس وقت تم کو فوراً نماز پڑھنی چاہئے۔ نماز کے بعد جس قدر تمہارا دل چاہے بکا کرو۔ (107)

ایک بار حجاج بن یوسف کے پاس ایک جنگلی قیدی آیا تو اس نے ابن عمرؓ کو اس

(104) اسد الغابہ، تذکرہ معقل بن یسار، ۳۹۹/۴

(105) المسند، حدیث زید بن ارقم، ج: ۱، ۱۸۸۲۸/۵، ۵۰۰

(106) المسند، حدیث ابی درداءؓ، ج: ۳، ۲۶۹۸۳/۷، ۶۰۲

(107) ابن سعد، تذکرہ عبد اللہ بن عمر بن الخطابؓ، ۱۵۹/۴

(101) اسد الغابہ، تذکرہ عمرو بن ابراہیم، ۸۴/۴

(102) صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب ما یکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم، ج: ۹، ۹۶۶/۵، ۱۵۵

اسد الغابہ، تذکرہ عبد اللہ بن عمرؓ، ۲۳۰/۳

(103) اسد الغابہ، تذکرہ ربیع بن زیاد حارثی، ۱۶۳/۲



کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ ہم اس پر مامور ہی نہیں ہیں اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

حَتَّىٰ إِذَا اتَّخَذْتُمُوهُمْ "جب تم خوب خونریزی کر چکو تو قیدی بناؤ اس  
فَشُدُّوا الوثاقَ فَمَا مِنَّا بَعْدُ کے بعد صرف دو صورتیں ہیں یا احساناً ان کو آزاد  
وَأَمَّا فَلَهُ آء (108) کر دیا فدیہ لے کر چھوڑ دو" (109)

تقید یا تائید اسی وقت سود مند ہوتی ہے جب اس کے پیچھے خلوص اور خیر خواہی  
کے جذبات کا فرما ہوں، کسی عمل پر گرفت کی جائے یا اس کی تائید کی جائے دونوں کو ذاتی  
نفع نقصان سے پاک ہونا چاہیے ورنہ ایسی حمایت یا تقید بے فائدہ ہوگی۔ صحابہ کرام کی  
طرح صحابیات کا کردار بھی ہر قسم کے ذاتی مفاد اور غرض سے بالاتر تھا۔ ایک دفعہ حضرت  
عمر فاروقؓ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں خولہ بنت ثعلبہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ وہیں حضرت  
عمرؓ نصیحت کرنے لگیں:

"اے عمر! ایک زمانہ تھا جب میں نے تم کو عکاظ کے میلہ میں دیکھا  
تھا کہ تم بچوں کو ڈانڈا لئے ڈراتے دھمکاتے پھرتے تھے، اس وقت  
تم بہت چھوٹے تھے اور اسی کم سنی کی وجہ سے لوگ تم کو عمیر کہہ کر  
پکارتے تھے۔ اس کے بعد (بہت جلد تم جوان ہو گئے اور) لوگ تم کو عمر  
کہنے لگے۔ اس پر بھی کچھ زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ اب تم  
امیر المؤمنین کہلانے لگے (سوچو! خدا نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچایا، اس  
لئے رعایا کے ساتھ اپنی فطری سختی روانہ رکھو بلکہ) رعایا کے معاملہ میں خدا  
سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس شخص کو خدا کے  
عذاب کا خوف ہوگا، وہ قیامت کو دور نہیں سمجھ سکتا اور جس کو موت  
کا کھکا لگا ہو (وہ لاابالی زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ) اس کو نیکیوں کے ہاتھ  
سے چھوٹ جانے کا ہر وقت خدشہ رہے گا۔"

(108) محمد، ۴: ۴۷ (109) کتاب الخراج، ص: ۲۱۲

(110) الاستعیاب، تذکرہ خولہ بنت ثعلبہ، ۱۸۳/۴

حضرت عمرؓ کے ساتھ اس وقت جا رو عبدی بھی تھے، انہوں نے خولہ سے کہا! تم  
نے امیر المؤمنین پر ضرورت سے زیادہ نصیحت شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ نے ٹوکا اور  
فرمایا: انہیں کہنے دو، کیا تمہیں معلوم نہیں یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں  
کے اوپر ان کی آوازن لی تھی ☆ پھر عمرؓ کو تو ضرور سننا چاہیے۔ (110)

عبد اللہ بن مصعب بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا  
کہ عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ مقرر نہ کرو۔ جو اس سے زیادہ مقرر کرے گا میں وہ  
زائد رقم لے کر بیت المال میں جمع کر دوں گا۔ اس پر عورتوں کی صف سے ایک عورت کھڑی  
ہو گئی اور کہنے لگی! اے عمر! تمہیں اس کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیوں؟ بولی  
کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَتَيْتُمُ احْدَهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا (111)  
چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ مت لو"

حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: ایک عورت نے عمرؓ سے بحث کی اور  
غالب رہی۔ (112)

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو خط لکھا کہ مجھے ایک مختصر نصیحت  
کیجئے جو زیادہ طویل نہ ہو (جسے میں ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھوں) حضرت عائشہؓ نے ہر حکم وقت کو  
راہنمائی کا کام دینے والا رسول اللہ ﷺ کا فرمان لکھ بھیجا، چنانچہ آپؐ نے ان کو جوابی خط  
میں لکھا:

سلام علیک! ما بعد! فانی سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: من  
التمس رضا الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس، ومن  
التمس رضا الناس بسخط الله وكفه الله الى الناس (113)

☆ فَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ (۱۱۵۸) "اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی ہے" حضرت  
عمر کا اشارہ اسی فرمان الہی کی جانب ہے، جس کا نزول خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں ہوا۔

(111) النساء، ۲۰: ۴

(112) جامع بیان العلم، فصل فی الانصاف فی العلم، ۱۳۱/۱

(113) جامع الترمذی، ابواب الزهد، باب من عاقبت من اتى من الناس بسخط الله، ج: ۲، ۲۴۳، ص: ۵۵۰



”آپؐ پر سلامتی، بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص لوگوں کو ناخوش کر کے اللہ کی رضا تلاش کرے (لوگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ) اللہ تعالیٰ اس کو انسانوں کے شر سے بچا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کو خفا کر کے لوگوں کی رضا ڈھونڈے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان ہی کے حوالے کر دیتا ہے (اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں)“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دینے کے بعد حجاج بن یوسف ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس گیا اور کہا: آپؐ کے صاحبزادے نے اللہ کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلایا، جس کی سزا اللہ تعالیٰ نے اس کو دردناک عذاب کی شکل میں چکھائی۔ حضرت اسماءؓ نے بڑی جرأت اور بے باکی سے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

كذبت كان براً بالوالدين صواماً قواماً واللہ  
لقد اخبرنا رسول اللہ ﷺ انه سيخرج من  
ثقیف كذابان الآخر منهما شر من الاول  
وهو مبیر (114)

”تم نے جھوٹ کہا: (وہ بے دین نہیں تھا) وہ تو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، روزے دار، تہجد گزار تھا (حقیقتاً تم نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہے) اللہ کی قسم ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ قبیلہ ثقیف سے دو جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ان میں سے بھی دوسرا پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیونکہ وہ ہلاکت و تباہی مچائے گا۔ (قبیلہ ثقیف کا پہلا جھوٹا مختار بن ابی عبید ثقفی کو تو ہم دیکھ چکے ہیں اور دوسرے تم ہو۔)

مروان بن حکم نے یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے زبردستی بیعت لینا چاہی اور نامناسب انداز گفتگو اختیار کیا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی جرأت سے فرمایا:

”اے مروان! میں اس بات کی شہادت دیتی ہوں کہ رسول

(114) المسند، حدیث اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ، ج: ۲، ۲۶۲/۷، ۳۹۲/۷

اسد الغابہ، تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ، ۱۶۳/۳

اللہ ﷺ نے تیرے باپ حکم پر لعنت کی اور اس وقت تو اپنے باپ کی پشت میں تھا“ (115)

بنو امیہ کے آغاز خلافت کا ذکر ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر اپنے خطبوں میں حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں پر زبان طعن دراز کرتے تھے۔ ان کی اس غلط روش پر کوفہ کے ایک صحابی حضرت حجرؓ بن عدی برملا تنقید فرماتے اور ساتھ ہی حضرت علیؓ اور ان کے احباب کی تعریف کرتے تھے، امیر معاویہؓ کے گورنروں نے ان کی زبان بندی کی ہر چند کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے، اس کے برعکس حجرؓ بن عدی کے ہم خیال لوگوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے حجرؓ اور ان کے بعض اصحاب کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے اور جب یہ گرفتار ہو کر ان کے پاس لائے گئے تو ان کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کو صورت حال کا علم ہوا تو فوراً عبدالرحمن بن حارث کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس اقدام سے باز آ جائیں۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حجرؓ اور ان کے سات ساتھی شہید کئے جا چکے تھے۔ اس پر حضرت عائشہؓ سخت خفا ہوئیں اور جب امیر معاویہؓ سے ملاقات ہوئی تو ان سے بڑی سختی سے باز پرس کی۔ عبدالملک بن نوفل روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے یہاں تک فرمایا:

لولا انا لم نغیر شیئاً الا الت ”اگر کسی معاملے کو بدلنے سے موجودہ حالات بنا الامور الی اشد مما کنا سے بھی زیادہ خراب حالات کے پیدا ہو جانے فیہ لغيرنا قتل حجر (116) کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم حجر کے قتل کے فیصلہ کو بدل کر رکھ دیتے“

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: لولا یغلبنا سفهاؤنا لکان ”اگر سفہاء کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو حجرؓ کے قتل کے لی ولمعاویہ“ فی قتلہ سلسلے میں میرا اور معاویہؓ کا معاملہ کچھ اور ہی ہوتا“ حجرؓ اثنان (117)

(115) اسد الغابہ، تذکرہ حکم بن ابی العاصؓ، ۳۳/۲، (116) تاریخ الامم والملوک، ۵۶/۶۰

(117) البدایہ، ۵۵/۸



اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس معاملے میں محض مصالحت کی خاطر خاموشی اختیار فرمائی کہ کہیں فتنہ و فساد کی آگ پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ ورنہ وہ کوئی سخت قدم اٹھانا چاہتی تھیں۔ اور پھر جب حج کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی تو بڑے سخت لہجے میں پوچھا:

یا معاویۃ! قتلت حجرؓ "اے معاویہ! تم نے حجرؓ اور اس کے واصحابہ و فعلت الذی ساتھیوں کو قتل کیا اور وہ سب کچھ کیا جو کرنا فعلت ا ما خشیت ان چاہتا تھا۔ کیا تمہیں اس بات کا خوف نہ ہوا اخبالك رجلا یقتلک؟ کہ میں بھی کسی شخص کو پوشیدہ طور پر تمہارے قتل پر لگا سکتی ہوں؟"

(118)

ماخذ کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے معذرت کرتے ہوئے بڑی مشکل سے حضرت عائشہؓ کی ناراضی کو ختم کیا۔ (119)

خلاصہ بحث (عہد صحابہ میں فروغ اسلام کی عمومی وجوہات)

عہد رسالت ہی میں اگرچہ اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقوام عالم کے لئے اجنبی نہ رہے تھے تاہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام کی زیادہ تر نشر و اشاعت عالم عرب میں ہی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد زمام اقتدار خلفاء راشدینؓ کے ہاتھ میں آئی اور جوں جوں فتوحات کا دائرہ پھیلتا چلا گیا اسلام نے روم و ایران کے ظالمانہ نظام میں جکڑے ہوئے مجبور و مقہور لوگوں کو اپنی آغوش رحمت میں لینا شروع کیا۔ تقریباً ایک صدی پر محیط عہد صحابہؓ کے نصف اول ہی میں اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

عہد صحابہ میں اسلام کی ہمہ گیر ترقی، وسعت اور عمومیت کی کئی وجوہات ہیں۔ یہ اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدینؓ کی صورت میں بہترین سرپرستی حاصل رہی۔ خلافت راشدہ میں اسلام کی اشاعت اسلامی ریاست کی پہلی ترجیح تھی۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مختصر دور خلافت میں قرآن مجید کی جمع و تدوین کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، نیز فتنہ ارتداد کے کچلنے سے اسلام کو اندرونی استحکام حاصل ہوا۔ عمر فاروقؓ نے اشاعت اسلام کے پروگرام کو نہ صرف منظم انداز میں شروع کیا بلکہ دعوتی تحریک کی مکمل سرکاری سرپرستی بھی فرمائی۔ چنانچہ ایک طرف تو آپ نے مختلف مفتوحہ علاقوں کی طرف معلمین قرآن اور مبلغین کو روانہ فرمایا اور دوسری طرف آپ کی یہ مستقل حکمت عملی تھی کہ عامل اور سالار لشکر ایسے لوگوں کو بنایا جائے جو حکومتی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ کو جاری رکھنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں، اس کے علاوہ عمر فاروقؓ نے معلمین اور قراء کی تنخواہیں مقرر کر کے ان کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا تاکہ وہ اپنا مکمل وقت دین کی اشاعت میں صرف کر سکیں۔ نیز آپؓ نے طلباء قرآن کے لئے وظائف مقرر کر کے ان کی پوری حوصلہ افزائی کی۔ چونکہ ان تمام اقدامات میں حضرت عثمان غنیؓ اور علی المرتضیٰؓ کا مشورہ شامل تھا اس لئے دعوت و تبلیغ کی یہ منظم تحریک بعد کے ادوار میں بھی چلتی رہی، جس کی وجہ سے عہد خلافت میں اسلام بڑی تیزی سے جزیرہ نمائے عرب

(118) ایضاً

(119) ایضاً



سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا۔

عہد صحابہؓ میں اسلام کی حیران کن کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہؓ نے دعوت و تبلیغ کو اپنی زندگی کا سب سے اہم مقصد بنا لیا۔ سیرت صحابہؓ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری صحابہ کرامؓ کے سپرد کی تھی، اس کی تکمیل میں انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ سفر و حضر اور مصائب و آلام سے بے نیاز ہو کر صحابہ کرامؓ نے ہر جگہ دعوت کے فریضہ کو انجام دیا۔ اور یہ مشن زندگی کے آخری لمحات تک بھی پوری تندہی کے ساتھ جاری رہا۔ دعوت و تبلیغ کے مشن سے صحابہ کرامؓ کی اس جذباتی وابستگی کی بنا پر چار دانگ عالم میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت چونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی تھی اس لئے علم و عرفان، حسن اخلاق اور سیرت و کردار کی ساری خوبیاں ان کی شخصیت میں نمایاں تھیں۔ دور دراز سے لوگ طلب علم کے لئے صحابہ کرامؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ ان کی اس انداز میں تربیت فرماتے کہ ان میں سے ہر فرد اپنی جگہ ایک مبلغ تھا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ کے انہیں شاگردوں کے ذریعہ اسلام کی نشر و اشاعت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ صحابہ کرامؓ چونکہ اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے اس لئے لوگ ان کی سیرت و کردار سے متاثر ہو کر بھی مائل بہ اسلام ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو اپنے علم اور کردار کی بناء پر معاشرے میں جو تقدس کا درجہ حاصل تھا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ہر جگہ اسلام کے پیغام کو عام کیا اور عہد صحابہؓ میں ہر طرف اسلام ہی کا چرچا ہونے لگا۔ ہر قسم کے نتائج سے بے پرواہ ہو کر صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ حق کی تائید کی، جس سے نہ صرف وقت کے حکمرانوں کو اپنے رویے میں تبدیلی کرنا پڑی بلکہ اس طرح کی آزاد تنقید سے صحابہ کرامؓ نے اسلام کو بھی ہر طرح کی تحریف سے محفوظ رکھا۔ عہد صحابہؓ میں اسلام کو جو ترقی اور عروج حاصل ہوا، اس کا ایک سبب بجا طور پر صحابہ کرامؓ کی حق پسندی کو بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

باب ششم: صحابہ کرامؓ کے اختیار کردہ اسلوب دعوت کے نمایاں پہلو  
فصل اول: انسانی نفسیات کا لحاظ

دعوت و تبلیغ ایک مقدس فریضہ اور کارِ انبیاء ہے، انسانی نفسیات اور فہم و شعور سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ انسان کی عملی زندگی میں قوتِ محرکہ اس کا دل اور دماغ ہے۔ اگر دعائی مخاطب کے دل و دماغ کو اور اس کے فہم و شعور کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر باقی کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے دعوت سے بھی پہلے دعائی کے لیے اس اسلوب کا تعین ہے کہ مخاطب کے فہم و شعور میں یہ بات کس پیرائے میں پیش کر کے بٹھائی جائے اور اس حوالے سے انسانی نفسیات کے کس پہلو کو پیش نظر رکھا جائے؟ نفسیات دعوت و تبلیغ کا ہی موضوع اور فن ہے۔ مبلغ کا کام انسان سازی ہے اور اس کام میں اس کا علم اور حکمت دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کی کس قدر اہمیت ہے اور دعائی کا ماہر نفسیات ہونا کتنا ضروری ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”جس طرح ایک بیج کے نشو و نما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھنی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل و موسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جا رہا ہے، دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے۔ زمینوں کی طرح روحوں اور دلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں اور ایک دعائی کا فرض ہے کہ ان موسموں سے اچھی طرح واقف ہو۔ جس طرح ایک دہقان زمین کی فصلوں اور موسموں کو پہچانتا ہے اور اسی وقت کوئی بیج ڈالتا ہے جب موسم سازگار ہو۔ جو لوگ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں، خواہ اپنی سادگی اور بھولے پن کی وجہ سے، یا اس خیال سے کہ حق اپنی ذاتی کشش سے



خود بخود دلوں میں جگہ پیدا کر لے گا، اس کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنی اس غلطی کی سزا اپنی دعوت کی ناکامی کی شکل میں پاتے ہیں اور ان کی نیک نیتی ان کی اس بے تدبیری اور غفلت کے نتائج سے ان کو بچا نہیں سکتی، جو مخاطب کی نفسیات کی رعایت کے باب میں ان سے صادر ہوتی ہے۔“ (1)

اس سیاق و سباق میں کہا جاسکتا ہے کہ اصل قوت محرکہ داعی کی شخصیت ہے، وہ جتنا خود متحرک ہوگا، دوسروں کو بھی اسی نسبت سے متحرک کر سکے گا اور وہ جس قدر تربیت یافتہ ہوگا اسی قدر دوسرے افراد کے لیے بہترین مربی کا کردار ادا کر سکے گا۔ علم نفسیات سے واقفیت کی صورت میں داعی شریعت کے بہت سے احکام کو زیادہ بہتر طور پر رکھنے اور ان کی حکمتوں کا کماحقہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو سکے گا۔ جس کے نتیجے میں اس کے ایمان میں دن بدن اضافہ ہوتا جائے گا اور جب خود اسے شرح صدر ہوگا تو دوسرے لوگوں کے سامنے وہ اس کی بہتر دعوت پیش کر سکے گا۔ اگر داعی کو نفسیات کے اس فن سے مناسبت پیدا ہو جائے تو جن افراد و جماعت کو اس نے مخاطب بنانا اور اپنی دعوت پہنچانی ہے۔ اس کے ذریعے اسے ان کی نفسیات اور جذبات و میلانات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ مخاطب کے اوپر اثر انداز ہونے اور اس کے اندر اپنی بات کے لیے آمادگی پیدا کرنے کے سلسلے میں کن تدابیر کے اپنانے اور کن امور کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، اسے کیوں کر تیار کیا جائے، کس طرح اس کے اندر نیکی اور بھلائی کے لیے جذبات کو ابھارا جائے اور بدی اور برائی کے محرکات سے اسے دور رکھا اور بچانے کی کوشش کی جائے؟ یہ تمام امور انسانی نفسیات کے جاننے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اگر داعی لوگوں کی نفسیات، ذوق، مزاج اور ان کے جذبات و میلانات کی رعایت نہ کر سکے تو اس چیز کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں کہ لوگ اس کی باتوں کو سنیں اور ان پر توجہ دیں۔ بلکہ اکثر و بیشتر تو ایسا ہوگا کہ وہ ان کے اندر کوئی دلچسپی اور

شوق پیدا کیے بغیر انھیں اکتاہٹ اور بیزارگی کا شکار بنا دے گا اور لوگ اس کے قریب ہونے کی بجائے دور رہنے کو زیادہ پسند کریں گے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تاکید فرمائی:

يَسْرُوا وَلَا تَعْسُرُوا، آسانیاں پیدا کرو لوگوں کے لیے مشکلیں کھڑی نہ  
وبشروا ولا تنفروا (2) کرو، انھیں خوشخبری سناؤ (کہ دین کے قریب آئیں اور  
اپنی کسی بات یا طرہ عمل سے) دین سے متنفر نہ کرو۔

اس فرمان نبوی کی یہی معنویت ہے کہ مخاطب کے سامنے بات اس طور پر رکھی جائے کہ اس کے اندر اس دعوت کی طرف رغبت اور میلان پیدا ہو اور اسے دین سے بیزار اور متنفر نہ کیا جائے۔ الغرض انسانی نفسیات کی رعایت کے بغیر دعوت کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی دعوت کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کا بھرپور خیال رکھا۔ آنے والی سطور میں صحابہ کرام کی سیرت سے اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

### انسانی طبائع کا لحاظ / وقفہ

صحیح بات بھی اگر مسلسل اور بغیر کسی وقفہ کے کہی جائے تو طبیعت اسے معمولی سمجھ کر حقیقی اثر قبول نہیں کرتی، اس لیے دعوت کا کام بغیر کسی وقفہ کے کئے چلے جانا کہ لوگ اس کو معمول کی کارروائی سمجھنے لگیں، درست طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے داعی کا انسانی نفسیات کا عالم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ بروقت اندازہ لگا سکے کہ کہیں مخاطب پر اکتاہٹ تو طاری نہیں ہو چکی۔ کیونکہ دعوت جب ذہنی اور روحانی آسودگی کا باعث نہ بنے گی تو غیر مؤثر ہو جائے گی۔ داعی کیلئے ضروری ہے کہ وہ دعوت کے اوقات کو بے ہنگم نہ ہونے دے بلکہ لوگوں کی طلب اور شوق کو برقرار رکھنے کیلئے دعوت کا کام وقفے وقفے سے کرے، اور اس وقت بیان کرے جب لوگوں کی خواہش ہو اور ان کی طبائع دعوت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہوں۔ صحابہ کرام بھی اس وجہ سے کہ

(2) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یستعملہم بالموعظة الحسنة..... ج: ۶۹، ص: ۱۷۰

صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ: یسروا ولا تعسروا، ج: ۶۱۲۵، ص: ۱۰۶۷

(1) اصلاحی، امین احسن، ”دعوت دین اور اس کا طریق کار“، ص: ۱۳۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور



کہیں لوگ اکتانہ جائیں، لوگوں کے اشتیاق کے باوجود وقفہ کیا کرتے تھے۔  
ابو اؤلؓ روایت کرتے ہیں:

”كان عبد اللهؓ يذکر الناس عبد الله بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کو وعظ فی کل خمیس فقال له رجل سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے: یا ابا عبد الرحمنؓ لوددتؓ کہا: اے ابو عبد الرحمنؓ! میری خواہش ہے انک ذکر تنا کل یوم“ قال کہ آپ روزانہ وعظ کیا کریں، تو انھوں نے فرمایا: میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ انی اکره ان املکم وائی کہیں تم پر بوجہ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی اتخولکم بالموعظة کما طرح ناغہ کر کے تمہیں نصیحت سناتا ہوں۔ کان النبی ﷺ يتخولنا بها جس طرح رسول اللہ ﷺ ہم کو نصیحت سنایا مخافة السامة علينا“ (3) کرتے تھے کہ ہم بیزار نہ ہو جائیں“

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے گھر کے سامنے وعظ سننے کیلئے لوگوں کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی اور لوگوں کی خواہش سے آگاہ کیا، لیکن وہ کافی دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا:

”انه لیدکر لی مکانکم فما“ مجھے خبر تھی کہ آپ لوگ دیر سے میرا انتظار کر ائیکم کراہیہ ان املکم لقد کان رہے ہیں، لیکن میں اس خوف سے باہر نہیں آیا رسول اللہ ﷺ يتخولنا بالموعظة کہ کثرت وعظ آپ لوگوں کو تھکا نہ دے، رسول فی الايام کراہیہ السامة علينا“ (4) ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی دن کا وقفہ کر کے وعظ فرمایا کرتے تھے۔

(3) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم ایاماً معلومة، ج: ۷، ص: ۱۷۰

ایضاً، کتاب الدعوات، باب الموعظة ساعة بعد ساعة، ج: ۶، ص: ۶۳۱۱  
صحیح مسلم، کتاب صفۃ المنافقین وادکامهم، باب الاقتصاد فی الموعظة، ج: ۷، ص: ۱۲۲۷

(4) المسند، مسند عبد اللہ بن مسعود، ج: ۳، ص: ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹

صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الموعظة ساعة بعد ساعة، ج: ۶، ص: ۶۳۱۱

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کے اس پہلو کا ہمیشہ لحاظ کیا۔ صحابہ کرامؓ اس اسلوب دعوت کی اہمیت اور اس کی تاثیر سے پوری طرح آگاہ تھے، اس لیے انھوں نے دوسروں کو بھی تلقین کی۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اپنے نامور شاگرد و مکرّمہ گو دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کے اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

حدث الناس کلّ جمعة مرة، ”لوگوں سے ہفتہ میں ایک بار وعظ کرو، اگر یہ قبول فان ابیت فمرتین، فان اکثرت نہیں تو دوبار اور زیادہ سے زیادہ ہفتہ میں تین بار وعظ فثلاث مرّات، ولا تملّ الناس کرو اور لوگوں کو اس قرآن سے اکتانہ دو۔ میں تمہیں هذا القرآن فلا ألفینک تأتي اس حال میں نہ دیکھوں کہ تم کسی جماعت کے پاس القوم وهم فی حدیث من اس حال میں جاؤ کہ وہ اپنے کاموں میں سے کسی حدیثہم فتقصّ علیہم فقطع کام میں مشغول ہوں، تم ان کی بات کو قطع کر کے اپنا علیہم حدیثہم فتملّہم، ولكن وعظ شروع کرو، اس طرح تم ان کو اکتانہ دو گے، بلکہ أنصت فاذا أمروک فحدّثہم تمہیں چاہئے کہ خاموش رہو اور جب لوگ فرمائش وہم یشتہونہ (5) کریں اور وہ خواہش سے سنیں۔“

ابن ابی السائبؓ تابعی، مدینہ کے واعظ تھے، پیشہ وروا عظیمین کی طرح یہ بھی گرمی مجلس کیلئے نہایت مسجع دعائیں بنانا کر پڑھا کرتے تھے اور اپنے تقدس کے اظہار کیلئے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کیلئے آمادہ رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو، ورنہ میں بزور تم سے باز پرس کروں گی، عرض کیا: اے ام المؤمنینؓ! وہ کیا ہیں؟ آپؓ نے فرمایا:

اجتنب السجع من الدعاء، فان رسول اللہ ﷺ و

اصحابہ كانوا لا يفعلون ذلك، وقص علی

الناس فی کل جمعة مرة، فان ابیت فثنتین، فان

ابیت فثلاثاً، فلا تملّ الناس هذا الكتاب، ولا



ألفينك تأتى القوم وهم فى حديث من حديثهم  
فتقطع عليهم حديثهم ولكن اتركهم فاذا

جرؤك عليه و أمروك به فحدثهم (6)

”دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے۔ ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کیا کرو، اگر یہ منظور نہیں تو دو دن اور اگر اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن۔ لوگوں کو اللہ کی کتاب سے اکتانہ دو، ایسا نہ کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے ہوں آکر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ شروع کر دو۔ بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں تب کہو“

عمومی وضاحت پر اکتفا کرنا / مخاطب کی عزت نفس کا خیال کرنا

اگر داعی غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کی بجائے اشارے کنائے میں اس کی غلطی کو واضح کرتا ہے تو اس صورت میں غلطی کرنے والے کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی، نیز وضاحت کے اس عمومی انداز سے مخاطب کی طرف سے کسی قسم کے منفی رد عمل کا بھی کوئی خطرہ نہیں رہتا اور شیطان اس کے انتقامی جذبات کو ہوا دے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی اس اسلوب سے مخاطب کے دل میں داعی کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کی بات کو زیادہ توجہ اور اہتمام کے ساتھ سنتا ہے۔

دعوت کا یہ اسلوب اس وقت مؤثر ہوتا ہے جب مخاطب کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو، لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو، اور اسے معلوم ہو کہ اکثر لوگ یہ بات جانتے ہیں، تو اس صورت میں دعوت و تبلیغ کا یہ اسلوب سخت زجر و توبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کیلئے رسوائی کا باعث بن جاتا ہے۔ اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس کو براہ راست سرزنش کر دی جائے اور یہ اسلوب اختیار نہ کیا جائے۔ اگر بات

(6) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، ما یکدر من الجمع فی الدعاء، ج ۶، ص ۱۱۰۲

بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے کی جائے تو یہ ایسا انداز تربیت ہے کہ جس سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور عام لوگوں کو بھی، بشرطیکہ اسے استعمال کرتے ہوئے حکمت سے کام لیا جائے۔ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا اور غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کی بجائے عمومی وضاحت پر اکتفا کیا، تاکہ مخاطب کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔ اس اسلوب دعوت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، بعد میں پانی کا ایک برتن طلب کیا، اس سے وضو کرنے کے بعد باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر نوش فرمایا اور پھر فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر پانی پینے کو مکروہ جانتا ہے، حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (7)

بیت اللہ اگرچہ مکہ مکرمہ میں ہے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے محسوس فرمایا کہ خود اہل مکہ میں وہ ذوق و شوق مفقود ہو رہا ہے جو بیرون ذرائع کیلئے نمونہ ہونا چاہئے۔ یقیناً یہ خرابی چند لوگوں کے عمل سے ظاہر ہوئی ہوگی، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے کسی مخصوص فرد کی بجائے تمام اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

یا اهل مكة! ما شأن الناس "اے اہل مکہ! کیا بات ہے کہ لوگ جب یأتون شعناً و انتم مدھنون؟ تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کے بال اہلوا، اذا رأيتم الهلال (8) بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور تم تیل لگاتے

ہو؟ تم چاند دیکھ کر احرام باندھ لیا کرو“

ابونہیک اور عبد اللہ بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک لشکر میں حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ تھے۔ ایک عرب نے کسی شخص کو بہت زیادہ مارا پیٹا۔ اس شخص نے حضرت سلمان فارسیؓ کے پاس شکایت کی اس پر آپؓ نے کسی فرد واحد کو سرزنش کرنے کی بجائے تمام عربوں کو خطاب

7۔ المسند، مسند علی بن ابی طالب، ج ۹۹، ص ۱۶۳/۱

(8) الموطا، کتاب الحج، باب ہلال مکة ومن بھامن غیرہم، ج ۳۸۱، ص ۲۳۰



کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشر العرب ! الم تكونوا شر الناس ديناً، وشر الناس داراً، وشر الناس عيشاً؟ فاعزكم الله واعطاكم الله أن تريدون أن تأخذوا الناس بعزة الله؟ والله لتنتهين أو ليأخذن الله مافى أيديكم فليعطينه غيركم (9)

اے اہل عرب! کیا تم مذہب کے اعتبار سے برے لوگ نہ تھے؟ گھر بار کے لحاظ سے برے نہ تھے؟ اور زندگی کے لحاظ سے بدترین نہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں (اسلام کے ذریعے) عزت عطا فرمائی اور نعمتیں بخشیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم لوگوں سے اللہ کے دیئے ہوئے شرف انسانی کو چھین لو؟ اللہ کی قسم! تم ایسی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ اللہ وہ سب کچھ تم سے واپس لے لے گا جو تمہارے پاس ہے اور اسے غیروں کو عطا کر دے گا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو قریش کے چند لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ نزد کھیلے ہیں تو آپؐ نے ان کی تنبیہ کے لئے عمومی اصلاح اور وضاحت پر ہی اکتفاء فرمایا، چنانچہ آپؐ نے اہل مکہ کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”اے اہل مکہ! مجھے قریش کے بعض لوگوں کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ وہ ایک کھلونے سے کھیلے ہیں جسے زرد شیر (پانسہ) کہتے ہیں، اور یہ بہت مشکل چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خمر اور میسر، اور میں قسم کھاتا ہوں کہ جو کوئی شخص پانسہ کھیلے اور میرے پاس لایا جائے تو میں اسے اس کے بال اور چمڑے پر سزا دوں گا اور جو اس کو لائے گا اسے مجرم کے بدن کی سب چیزیں دے دوں گا“ (10)

ایک دفعہ حضرت عقبہ بن عامرؓ گورزمصر نے مغرب کی نماز میں تاخیر کر دی۔ حضرت ابویوب انصاریؓ ان کی طرف گئے اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا: اے عقبہ! یہ کیسی نماز ہے؟

(9) حلیۃ الاولیاء، تذکرہ سلمان الفارسیؓ، ۲۶۰/۱۱

(10) ادب المفرد، باب الادب واخراج الذین یطعون بالنرد ..... ج: ۱۲۵، ص: ۳۲۸

کہنے لگے کہ ایک کام کی وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ چونکہ عقبہؓ خود بھی صحابی رسول ﷺ تھے اور گورزمصر تھے اس لیے حضرت ابویوب انصاریؓ نے ان کے مقام اور مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

أما والله ما بى إلا أن يظن الناس أني أرى الله فيهم! مجھے یقین ہے لوگ گمان کریں انک رايت رسول الله ﷺ گے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی یصنع هذا، أما سمعت رسول کرتے دیکھا ہو گا جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ يقول: لا تزال أمتي الله ﷺ کو فرماتے سنا ہے، میری امت ہمیشہ بخیر او علی الفطرة مالم بھلائی پر رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب یؤخروا المغرب الی أن تشتبك تک وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کرنے لگیں کہ النجوم (11) ستارے خوب نمایاں ہو جائیں“

اس قسم کی اور بھی مثالیں سیرت صحابہ میں ملتی ہیں جن میں مشترک چیز یہ ہے کہ غلطی کرنے والے کو شرمندہ نہ کیا جائے۔ غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب نہ کرنے اور اشارہ سے اس کی غلطی واضح کرنے کے اس اسلوب میں بہت سے فوائد ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆ غلطی کرنے والے کی طرف سے منفی رد عمل کا خطرہ نہیں ہوتا اس طرح شیطان اس کے انتقامی جذبات کو ہوادے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کر سکتا۔

☆ اس اسلوب دعوت کا قلب انسانی پر گہرا اثر ہوتا ہے اور انسان فوراً اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔

☆ اس سے غلطی کرنے والے کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے غلطی کرنے والے کے دل میں داعی اور نصیحت کرنے والے کی قدر و منزلت اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ دعوت کا یہ اسلوب اسی وقت مؤثر ہوتا ہے جب مخاطب کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو، لیکن اگر لوگوں کو اس کا علم ہو تو اس صورت میں اس کو براہ

(11) المسند، حدیث ابی یوب انصاریؓ، ج: ۲۳۰، ص: ۵۸۶/۶



راست تنبیہ کر دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر نسب کے سامنے اس کو تنبیہ کی جائے گی تو یہ سب کے سامنے اس کی رسوائی کا باعث بن جائے گی اور اس صورت میں اس کی طرف سے کسی قسم کا منفی رد عمل بھی ممکن ہے۔

مناسب طلب / آمادگی کا ہونا

مناسب طلب اور ذہنی آمادگی کے بغیر دنیا کا کوئی کام بھی انسان خوش اسلوبی اور کامیابی سے انجام نہیں دے سکتا۔ دعوت و تبلیغ کیلئے بھی ذہنی آمادگی اولین شرط ہے۔ جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی خواہش کرے، اس کے بارے میں سوال کرے، اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر سوال کئے بغیر اور جذبہ شوق کو ابھارے بغیر معلومات دی جائیں تو اس قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کار دعوت میں مشغول ہر شخص کو مخاطب کی ذہنی آمادگی کا لحاظ رکھنا چاہیے، تاکہ اس کی دعوت مؤثر ہو۔ صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب تک مخاطب کی ذہنی آمادگی اور خلوص نیت کا جائزہ نہ لے لیتے اس وقت تک اس کو دعوت نہ دیتے تھے۔

قیس بن کثیر سے روایت ہے کہ حضرت ابو الدرداءؓ دمشق میں تھے کہ ان کے پاس ایک شخص مدینہ سے حاضر ہوا، آپؓ نے اس سے پوچھا: اے بھائی! کس مقصد کیلئے آئے؟ اس نے کہا: میں آپؓ سے صرف حدیث رسول ﷺ سننے حاضر ہوا ہوں، تو فرمایا: کسی اور حاجت یا تجارت کی غرض سے تو نہیں آئے؟ تو اس نے کہا:

”ما جئت الا في طلب هذا“ میں تو صرف طلب حدیث کیلئے آپؓ کے ”الحديث“ پاس آیا ہوں۔

چنانچہ جب حضرت ابو الدرداءؓ نے اسکے خلوص کو اچھی طرح پرکھ لیا اور حدیث رسول ﷺ کی طلب میں اس کو پوری طرح آمادہ پایا تو اس کے سامنے حدیث بیان کی۔ (12)

(12) جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، ج: ۲، ص: ۲۶۸۲، ۲۰۹

المسند، حدیث ابی الدرداءؓ، ج: ۲، ص: ۲۵۳/۶

حارث بن معاویہ الکندی کا بیان ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں سوار ہو کر آئے، چنانچہ جب وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کس وجہ سے آئے ہیں؟ بولے: تاکہ آپ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کروں۔ فرمایا: وہ تین چیزیں کیا ہیں؟ بولے:

ربما كنت أنا والمرأة في بناء ضيق فتحضر  
الصلوة فان صليت انا وهي كانت بحذاء  
”هوان“ صليت خلفي خرجت من البناء“  
فقال عمرؓ ”تستر بينك وبينها بثوب ثم  
تصلي بحذاءك ان شئت“، وعن الركعتين  
بعد العصر، فقال: نهاني عنهما رسول  
الله ﷺ، قال: وعن القصص فانهم أرادوني  
على القصص فقال: ما شئت (13)

”بسا اوقات میں اور میری بیوی ایک تنگ مکان میں ہوتے ہیں کہ نماز کا وقت آ جاتا ہے، اگر میں نماز پڑھوں تو وہ میرے سامنے ہوتی ہے اور اگر میں تھوڑا پیچھے ہو کر نماز پڑھوں تو وہ مکان سے باہر نکل جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تو اپنے اور اس کے درمیان ایک کپڑے سے پردہ کر لے پھر تم اپنے سامنے والے حصہ میں اگر چاہو تو نماز پڑھ لو۔ اور جہاں تک عصر کے بعد دو رکعتوں کا سوال ہے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے۔ حارث الکندی نے کہا کہ لوگ مجھ سے وعظ گوئی کا مطالبہ کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا: جو تمہاری مرضی ہو۔“

لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید جس قدر جلدی پڑھ کر ختم کر لیں اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔ ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے ام

(13) المسند، مسند عمر بن الخطابؓ، ج: ۲، ص: ۳۲/۱



المؤمنین! لوگ ایک شب میں قرآن دو دو، تین تین بار پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا: ان کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تمام رات نماز میں کھڑے رہتے تھے لیکن سورہ بقرہ، آل عمران اور نساء سے آگے نہیں بڑھتے تھے (گویا انھیں تین سورتوں تک پہنچتے پہنچتے رات آخر ہو جاتی تھی) جب کسی بشارت کی آیت پر پہنچتے تو خدا سے دعا مانگتے اور جب کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو پناہ مانگتے۔ (14)

### مناسب وقت کا انتظار / موقع کی مناسبت

دعوت دین کے ہر کارکن کو اپنے گرد و پیش کا پوری ہوشیاری اور مستعدی سے جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ دعوت کی تخم ریزی کیلئے جیسے ہی کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی بہترین مثال ہمیں حضرت یوسفؑ کی سیرت میں ملتی ہے قرآن مجید میں ہے:

”اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا: میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نجوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا: میں اپنے کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے چڑیاں کھا رہی ہیں۔ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے۔ ہم آپ کو خوب کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو کھانا تمہیں ملتا ہے وہ آئے گا نہیں کہ میں اس کے آنے سے پہلے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت سے یہی لوگ منکر ہیں اور میں نے اپنے بزرگوں، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے مذہب کی پیروی کی۔ ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھرائیں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے

میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی و غالب؟ تم اس کے سوا نہیں پوجتے مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے انکی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اختیار اور اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین قیم ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا۔ رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے، اس امر کا فیصلہ ہوا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے“ (15)

اس پورے واقعہ میں داعی حق کیلئے جو نقطہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ دونوں آدمی محسوس کرتے ہیں کہ اپنے کردار و اوصاف کی بنا پر حضرت یوسفؑ ہی ایسے فرد ہیں جن کی طرف وہ اپنی غرض کیلئے رجوع کر سکتے ہیں تو حضرت یوسفؑ اس موقع پر یہ نہیں کرتے کہ ان پر اپنی بزرگی کا رعب جمانے کی کوشش کریں، بلکہ وہ ان کے اس التفات کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے سامنے فوراً دعوت حق پیش فرماتے ہیں اور اس کے لیے انھوں نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ گویا بات سے بات چل نکلی ہے نہ کہ قصداً ایک بات کہنے کیلئے موقع پیدا کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے بھی دعوت و تبلیغ کیلئے ہر اس اسلوب کو اختیار کیا۔ سیرت صحابہ سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت شداد بن اوسؓ ایک مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، مریض سے پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے فضل سے اچھا ہوں۔ حضرت شدادؓ نے دیکھا کہ زمین ہموار ہے اور مریض بیماری کے باوجود اللہ کی رضا پر راضی ہے تو فوراً گویا ہوئے:



”أبشر بكفارات السيئات و حط الخطايا“  
 ہونے کی بشارت سناتا ہوں“

کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی شخص کو آزمائش میں مبتلا کروں اور وہ میری حمد کرے تو وہ گناہوں سے ایسے ہی پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہو۔ (16)

حضرت طلیب بن عمیر خفیہ دعوت کے مرحلے میں دار ارقم میں ایمان لائے، جب دولت ایمان سے مستفید ہو چکے تو اپنی والدہ اروی بنت عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار کر لی ہے تو ان کی والدہ کہنے لگیں اپنے ماموں زاد بھائی کی امداد و اعانت کرنا بڑی اچھی بات اور ایک حق کی ادائیگی ہے، اگر ہم عورتوں میں مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع کرتیں اور ہر مداخلت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتیں۔ (17) حضرت طلیب بن عمیر نے دیکھا کہ والدہ اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہیں اور اسلام کی طرف مائل ہیں تو انھوں نے فوراً کہا:

ایمنعک ان تسلمی و تتبعیہ ، فقد اسلم اخوک حمزۃ ؟  
 فقالت: انتظر ما یصنع أخواتی ، ثم اكون إحداھن قال : فقلت : فانی اسألك بالله الا أتیتہ وسلمت علیہ وصدقتہ ، وشہدت ان لا اله الا الله ، قالت : فانی اشہد ان لا اله الا الله ، واشہد ان محمداً رسول الله ﷺ ، ثم کانت تعضد النبی ﷺ بلسانہا وتحض ابنہا علی نصر تہ والقیام بامرہ (18)

”آپ کو اسلام لانے اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ جبکہ آپ کے بھائی حمزہ بھی اسلام لائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: میں یہ انتظار کر رہی ہوں کہ میری بہنیں

(16) المسند، حدیث شداد بن اوس، ج: ۵، ۱۶۶۶۹، ۱۰۴/۵

(17) الاستیعاب، تذکرہ طلیب بن عمیر، ۷۲/۲، ۷۳-۷۴

(18) ایضاً، تذکرہ اروی بنت عبدالمطلب، ۱۷۸/۳

کیا کرتی ہیں، میں اپنی بہنوں سے باہر نہیں، حضرت طلیب نے عرض کیا: اماں جان! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ کو سلام کریں آپ کی تصدیق کریں اور اس بات کی گواہی دیں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ حضرت اروی نے کہا: میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد یہ (اپنے بڑھاپے کے باعث) رسول اللہ ﷺ کے کام میں اپنی زبان کے ذریعے مدد کرتی تھیں اور اپنے بیٹے کو آپ ﷺ کی مدد کرنے اور آپ ﷺ کے مقاصد کو پورا کرنے پر ابھارا کرتی تھیں“

حضرت عائشہ صدیقہ فخر ماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جمع تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے علی الاعلان دعوت اسلام کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے منع فرمایا لیکن پھر ابو بکرؓ کے اصرار پر اجازت دے دی، چنانچہ تمام صحابہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں بیت اللہ میں تشریف لے گئے ابو بکرؓ لوگوں کے درمیان خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی، چنانچہ مشرکین مکہ ان پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ کو خوب مارا، حتیٰ کہ بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ آپ کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے، ہوش آیا تو پہلا سوال یہ تھا: رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ بتایا گیا کہ حضور ﷺ خیریت سے ہیں، آپ دار ارقم میں حاضر ہوئے اور جب تک رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ لیا مطمئن نہ ہوئے اور پھر بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

یا رسول الله ﷺ ! هذه أُمی ”اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میری والدہ محترمہ و أنت مبارك فادع لها وادعها ہیں، آپ ﷺ ان کیلئے دعا کیجئے اور ان کو اسلام الی الاسلام لعل الله ان يستنقذ کی طرف بلائیں شائد کہ اللہ آپ کے ذریعہ ہا ہا بك من النار فدعا لها رسول سے ان کو جہنم سے بچالے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اللہ ﷻ ودعا لها الی الله نے ان کے لئے دعا کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔“

فاسلمت (19)

حضرت ابو بکرؓ نے جب دیکھا کہ ان کی والدہ پر دن بھر کے واقعات کا ایک

(19) اسد الغابہ، تذکرہ ام خیرہ بنت صخر، ۵۸۰/۵، الاصابہ، تذکرہ ام الخیرہ بنت صخر، ۴۴۷/۲



خاص اثر ہے اور ان کے دل میں اپنے بیٹے اور اس کے مقاصد کیلئے ہمدردی کے آثار موجود ہیں تو انھوں نے ایک سچے داعی کی طرح موقع مناسب سمجھتے ہوئے اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

ایک آدمی نے ابن عباسؓ سے جمعہ کے دن غسل کرنے کے بارے میں سوال کیا کہ کیا یہ واجب ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: نہیں جو چاہے غسل کرے اور پھر فرمایا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کی ابتداء کیسے ہوئی، دراصل عہد رسالت میں لوگ غریب اور محتاج تھے، وہ اون کے کپڑے پہنتے تھے، دن بھر کھیتوں میں کام کرنے کی وجہ سے پسینہ آتا، جس سے کپڑوں کی بدبو مزید بڑھ جاتی، جس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا:

يا ايها الناس! اذ جئتم الجمعة "اے لوگو! جب تم جمعہ کیلئے آؤ تو غسل کر لیا فاغتسلوا، ولیمس احدکم من کرو، اور جس کے پاس خوشبو ہو وہ خوشبو لیا اطیب طیب ان کان عندہ (20) کرتے"

ابن عباسؓ اگر چاہتے تو سائل کو صرف یہ کہہ کر رخصت کر سکتے تھے کہ جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا نہیں؟ لیکن انھوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سائل کو غسل جمعہ کے پورے پس منظر اور تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

اگرچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا ایک مستقل حلقہ درس موجود تھا تاہم وہ جہاں لوگوں کو جمع دیکھتے یا جہاں موقع کی مناسبت سے کچھ کہنے کی ضرورت ہوتی فوراً لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ اصفہان کی مہم سے واپس لوٹ رہے تھے کہ ایک جگہ پڑاؤ کیا، لوگوں کا کافی مجمع تھا موقع مناسب جانتے ہوئے آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو ہم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے سنائی تھی۔ لوگوں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے ضرور سنائیے، بولے: رسول اللہ نے فرمایا: قیامت کے قریب "ہرج" زیادہ ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا: ہرج کیا ہے؟ فرمایا: قتل اور جھوٹ، لوگوں نے عرض کیا: اس

سے بھی زیادہ قتل ہوگا جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں بلکہ باہمی خونریزی ہے، حتیٰ کہ پڑوسی پڑوسی کو بھائی بھائی کو بھتیجا چچا کو اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ کیا عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ فرمایا: عقل و ہوش کہاں؟ عقل و ہوش تو اس زمانہ میں باقی نہ رہے گا، حتیٰ کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی حق بات پر ہے لیکن درحقیقت وہ کسی حق بات پر نہ ہوگا۔ (21)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لوگوں کو یہ خطبہ اس وقت دیا جب وہ لوگ گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ جہاں میدان جہاد کی نسبت ان برائیوں میں مبتلا ہونے کے امکانات کئی گنا زیادہ تھے، اس لیے آپؓ نے ایک مناسب موقع پر ضروری تعلیم دینا لازمی سمجھا، تاکہ لوگ ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوں اور زبان رسالت سے نکلنے والی وعید کے مستحق نہ بن جائیں۔

ایک دفعہ حضرت ابو درداءؓ دمشق کی جامع مسجد، جہاں آپؓ کا حلقہ درس قائم تھا، میں اپنے ہاتھ سے شجر کاری کر رہے تھے اسی دوران ایک آدمی ان کے پاس سے گزرا آپؓ کو دیکھ کر بڑے تعجب سے کہنے لگا: آپؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو کر ایسا معمولی کام اپنے ہاتھ سے کر رہے ہیں؟ حضرت ابو درداءؓ نے اس کی حیرت زائل کرتے ہوئے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

من غرس غرساً لم يأكل منه "جس کسی نے کوئی پودا لگایا اور اس میں سے اگر آدمی ولا خلق من خلق اللہ کسی آدمی یا اللہ کی مخلوق میں سے کسی مخلوق نے الا كان له صدقة (22) کھایا تو وہ اس کیلئے صدقہ ہے"

حضرت عائشہؓ موسم حج میں منیٰ میں خیمہ زن تھیں۔ لوگ ملاقات کو آرہے تھے چند قریشی نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ ہنستے ہوئے آرہے ہیں، آپؓ نے ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ ایک صاحب خیمہ کی ڈوری میں الجھ کر ایسے گرے کہ ان کی آنکھ چلی جاتی یا گردن ٹوٹ جاتی، ہم لوگوں کو یہ دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آگئی فرمایا: مت ہنسوا! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:



ما من مسلم يشاك شوكة فما "کسی مسلمان کو کاٹا چھ جائے یا اس سے فوقہا، الا کتبت له بها درجة معمولی مصیبت آئے تو اس کے بدلے میں، و محبت عنه بها خطیئة (23) اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بڑھادیتا ہے اور ایک گناہ معاف فرمادیتا ہے"

### تالیف قلب

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی عملی زندگی میں قوت محرکہ اس کا دل ہے، اور اسی کی بدولت انسانی شخصیت انقلاب سے دوچار ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الا وان في الجسد مضغة اذا آگاه ربه في بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ صلحت صلح الجسد كله جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا و اذا فسدت فسد الجسد ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن كله الا وهي القلب (24) خراب ہو جاتا ہے۔ سنو وہ ٹکڑا دل ہے گویا انسانی جذبات کا مرکز دل ہے اور جب داعی دل کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ یقینی طور پر مخاطب کو ضراط مستقیم پر گامزن کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے کئی شدید ترین دشمنوں کو محض تالیف قلب کی بنا پر حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔ ☆

صحابہ کرامؓ نے بھی کئی لوگوں کو محض تالیف قلب کے اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مائل بہ اسلام کیا چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک صحابی، جو پانی کے ایک چشمے کے مالک تھے، نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے کہا کہ اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان کو سواونٹ دیے جائیں گے۔ چنانچہ قوم ان کی ترغیب

(23) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه، ج: ۶، ص: ۶۵۶، ۱۱۲۷

(24) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ج: ۵، ص: ۱۲

اور تالیف قلب سے مسلمان ہو گئی تو انھوں نے ان میں سواونٹ تقسیم کر دیے۔ (25)  
مدعو کی تعریف و تحریک / حوصلہ افزائی

دعوت کے ہر کارکن کی حیثیت ایک مہربان استاد اور مربی کی سی ہونی چاہیے۔ داعی کا اپنے مخاطبین سے ایسا رویہ جس میں اپنائیت، محبت اور حوصلہ افزائی کا رنگ نمایاں ہو دعوت کی کامیابی میں اولین پتھر کا کام دے سکتا ہے۔ بسا اوقات مدعو کی تعریف و توصیف اور مناسب حوصلہ افزائی اس کو داعی کے اس قدر قریب کر دیتی ہے کہ اس کے بعد دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کو بھی استعمال کیا، چنانچہ جب لوگ دور دراز سے صحابہ کرامؓ کی خدمت میں طلب علم اور مسائل دینیہ کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے آتے تو وہ نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتے۔ ابوبارون کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپؓ یہ کہتے ہوئے ہمارا استقبال کرتے:

(25) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی العرافة، ج: ۲، ص: ۲۹۳، ۴۲۷  
☆ غزوہ حنین میں ملنے والے مال غنیمت کو رسول اللہ ﷺ نے رسوا کر کے میں ان کی تالیف قلب کی خاطر تقسیم کر دیا، چنانچہ مکہ کے کئی سرداروں نے اسی جذبہ سے متاثر ہو کر صدق دل سے اسلام قبول کر لیا، پھر حق کے خلاف ان کی گردنیں بھی نہ اٹھ سکیں۔ صفوان بن امیہ جو اسلام کے اور خود رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے، کہتے ہیں:

والله لقد اعطاني رسول الله ﷺ ما اعطاني، وانه لا

بغض اليّ فما برح يعطيني حتى انه لاحب الناس اليّ (i)  
"قسم بخدا رسول اللہ ﷺ نے مجھے اتنا دیا جس کی کوئی حد نہیں جبکہ مجھے ان سے سخت بغض تھا۔ آپ ﷺ مجھے دیتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ مجھے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔"

ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا: ان دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں مجھ کو عنایت کر دیں۔ آپ ﷺ نے وہ سب اس کو عطا فرمادے۔ یہ فیاضی اور احسان دیکھ کر اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنے پورے قبیلے سے جا کر کہا:

يا قوم اسلموا فان محمدا ﷺ يعطي عطاء لا يخشى الفاقة (ii)

"اے قوم! اسلام قبول کر لو، محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ ان کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا۔"

(i) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخا لہ، ج: ۶، ص: ۶۰۲، ۱۰۲۲ (ii) ایضاً، ج: ۶، ص: ۶۰۳، ۱۰۲۱



مرحباً بوصية رسول الله ﷺ ان خوش آمدید! بے شک رسول اللہ ﷺ  
النبي ﷺ قال: ان الناس لكم تبع نے فرمایا: تمہارے پاس دنیا کے کونے  
وان رجالا یأتونکم من اقطار کونے سے دین سیکھنے کے لیے لوگ  
الارض یتفقہون فی الدین واذا آئیں گے، ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔  
اتو کم فاستوصوا بہم خیراً (26)

حسن بصری کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی عیادت کو گئے، جب  
لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ان کا گھر بھر گیا تو انھوں نے خاکساری سے اپنے پاؤں  
سمیٹ لیے اور فرمایا: ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،  
آپ ﷺ نے ہمارے پاؤں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سميٹ لیے اور فرمایا:  
انه سیأتیکم اقوام من بعدی میرے بعد عنقریب لوگ تمہارے پاس تھیں  
یطلبون العلم فرحبوا بہم علم کے لیے آئیں گے ان کو مرحبا کہنا، تحیت  
و حیوہم و علّموہم (27) دینا اور علم سکھانا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس جب نو عمر اور جوان طلبا آتے تو آپؓ ان کو  
اپنے سے مانوس اور قریب کرنے کے لیے فرماتے:

مرحباً بوصية رسول الله ﷺ! أمرنا خوش آمدید ہو! ان لوگوں کو جن کے بارے میں  
رسول الله ﷺ ان نوسع لهم فی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت فرمائی تھی، کہ ہم  
المجلس، ونفقہم الحديث، ان کے لیے مجلس میں گنجائش پیدا کریں اور ان کو  
فانکم خلوفنا والمحدثون بعدنا، حدیث سمجھائیں، کیونکہ آپ لوگ ہی ہمارے  
وكان مما يقول للحديث: اذا انت بعد ہمارے نائب اور دوسروں کو احادیث  
لم تفهم الشیء استفہمہ! فانك ان سنانے والے ہیں۔ اگر تمہیں کوئی بات سمجھ نہ  
تقوم وقد فہمته احب الی من ان آئے مجھ سے سمجھ لینا کیونکہ تم سمجھ کر اٹھو یہ مجھے  
تقوم ولم تفہمہ (28) اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تم بے سمجھے اٹھ جاؤ۔

(26) جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الاستیفاء، بنی یطلب العلم، ج: ۲، ص: ۶۰۱

سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب الوصایہ، ج: ۲، ص: ۲۳۹

(28) کنز العمال، ۲۳۳/۱۵، سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب الوصایہ، ج: ۲، ص: ۲۳۸

ایک دفعہ عبد اللہ بن عمروؓ کا حلقہ درس قائم تھا لوگوں کی کثیر تعداد جمع تھی اتنے میں ایک آدمی  
مجلس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے اس کو روکنا چاہا لیکن آپؓ نے کمال شفقت کا اظہار  
کرتے ہوئے فرمایا: اس کو آنے دو۔ وہ آیا یہاں تک کہ آپؓ کے پاس بیٹھ گیا اور بولا:

أخبرنی لشیء حفظہ من رسول رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان  
اللہ ﷺ، فقال: سمعت کبجے۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو  
رسول اللہ ﷺ یقول: المسلم فرماتے ہوئے سنا ہے: مسلمان وہ ہے  
من سلم المسلمون من لسانہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے  
ویدہ، والمہاجر من ہجر ما مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ  
نہی اللہ عنہ (29) کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔

لوگ مختلف مسائل میں ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف  
رجوع کرتے تھے۔ بعض مسائل کے پوچھنے میں جھجک اور شرم مانع آتی تھی تو ام  
المؤمنین حضرت عائشہؓ سائلین کی حوصلہ افزائی فرماتیں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ  
کو ایک مسئلہ کے دریافت کرنے میں حیا اور شرم مانع ہوئی تو آپؓ نے ان کی حوصلہ  
افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

لا تستحی ان تسألنی عما تو اس بات کو پوچھنے میں شرم مت کر! جو تو اپنی  
كنت سائلاً عنه امك التی سگی ماں سے پوچھ سکتا ہے، جس نے تجھے جنا  
ولدتك فانما انا امك (30) ہے۔ میں بھی تو تیری ماں ہوں۔

دعوت میں ایجاز و اختصار

دعوت و تبلیغ کو موثر بنانے کے لیے مضامین دعوت کا واضح، دو ٹوک اور مختصر ہونا  
بھی ایک بہترین اسلوب ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دعوتی و تبلیغی خطبات میں فصاحت  
و بلاغت کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار کی جھلک بڑی نمایاں ہوتی تھی۔ ابو داکل بیان  
کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے ہمیں فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ لوگوں نے

(29) المسند، مسند عبد اللہ بن عمروؓ، ج: ۲، ص: ۳۹۶/۲، ۶۷۷

(30) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب یخرج الماء من الماء و وجوب الغسل، ج: ۲، ص: ۸۵۳



آپ کے بیان کی خوب تعریف کی، لیکن آپ کا بیان اس قدر مختصر تھا کہ لوگوں نے خواہش کی کہ کاش آپ مزید بیان فرماتے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

انی سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ان طول صلاة الرجل وقصر خطبته ہے: نماز کو طول دینا اور خطبہ کو مختصر کرنا مثنة من فقهه فاطيلوا الصلوة انسان کی سمجھ کی علامت ہے، پس تم واقصروا الخطبة (31)

صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں ایجاز و اختصار کے اسلوب کو نہ صرف خود اختیار فرمایا بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کی کہ وہ وعظ و نصیحت کو مختصر رکھیں۔ ایک دفعہ حجاج بن یوسف ابن عمرؓ کے ہمراہ خطبہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ ابن عمرؓ کے صاحبزادے سالم بن عبد اللہؓ بھی ساتھ تھے۔ انھوں نے حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اگر آج تم سنت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو مختصر خطبہ دینا اور نماز جلدی پڑھانا، حجاج بن یوسف ابن عمرؓ کی طرف دیکھنے لگا کہ اس بارے میں وہ کیا فرماتے ہیں، ابن عمرؓ نے یہ بات دیکھی تو فرمایا: سالم نے ٹھیک کہا ہے (32)

حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان اور خطبہ بڑا مختصر، جامع اور پر اثر ہوتا تھا۔ حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا پھر آپ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ نے بیان فرمایا اور دونوں حضرات نے اپنے بیان کو مختصر رکھا، ان کے بعد عبد اللہ بن مسعود کو حکم ہوا کہ کچھ بیان کریں۔ حکم کی تعمیل میں کھڑے ہوئے اور حمد و سلام کے بعد فرمایا:

ایہا الناس! ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان هذا نبینا۔ وأوما بیدہ الی النبی ﷺ، رضینا مارضی اللہ لنا ورسولہ والسلام علیکم اے لوگو! اللہ ہمارا رب اور اسلام ہمارا دین ہے اور آپ ﷺ ہمارے نبی ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوش ہوں اس

(31) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوة والخطبة، ج: ۲، ص: ۳۳۸-۳۳۹

المسند، حدیث ثار بن یاسرؓ، ج: ۳، ص: ۳۲۶/۵، ۱۷۸۵۳

(32) الموطا، کتاب الحج، باب الصلوة فی البیت وقصر الصلوة وتقلیل الخطبة لبرئہ، ج: ۲، ص: ۲۶۶

سے ہم بھی خوش ہیں، اور تم پر سلامتی ہو۔

اس کے بعد عبد اللہ بن مسعود بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مختصر مگر جامع بیان کی بہت تعریف و تحسین فرمائی اور فرمایا: ”ابن ام عبد نے سچ کہا“۔ (33)

مخاطب کی زبان میں گفتگو ابلاغ اور تفہیم کے لیے زبان و لسان کی اہمیت مسلم ہے۔ دعوت و تبلیغ میں تاثیر اور قوت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے، جب پیغام کی زبان آسان، نرم اور قابل فہم ہو، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ داعی مدعو کی زبان سے بھی واقفیت رکھتا ہو تو دعوت کا کام مزید آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ ہم زبانی سے انسیت میں اضافہ ہوتا ہے، اجنبیت دور ہوتی ہے اور گفتگو کا مقصد آسانی سے سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس اسلوب کو اختیار فرمایا۔ عرب اگرچہ عربی زبان ہی بولتے تھے لیکن ان کے مختلف قبائل اور علاقوں میں لہجوں کا اختلاف پایا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سے قبائل سے وفود آتے اور اسلام قبول کرتے تو آپ ﷺ ان کے ساتھ ان ہی کی زبان اور لہجے میں گفتگو فرماتے۔ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے کعب بن عاصم الاشعری کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مخصوص لہجے میں بات کرتے سنا:

عن عاصم الاشعری قال: سمعت رسول اللہ

ﷺ يقول: ليس من اميرامصيام في امسفر،

اراد ليس من البر الصيام في السفر (34)

اشعریوں کی لغت میں لام کو میم سے تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے لہجہ کو چھوڑ کر مخاطب کے لہجہ کو اختیار فرمایا۔ بلاشبہ اس سے مدعو پر خوشگوار اثر پڑتا ہے اور اپنائیت اور قربت پیدا ہوتی ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، تاکہ یہود سے انھیں کی زبان میں گفتگو کی جاسکے اور انھیں کی زبان میں ان کے خطوط کا جواب دیا جاسکے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے:

(33) تذکرۃ الخطا، تذکرہ عبد اللہ بن مسعود، ۱۵/۱ (34) خطیب بغدادی، ”کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ“،

ص: ۱۸۳، دائرة المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۵۷ھ



فتعلّمت کتابہم مامرت بی خمس عشرة  
ليلة حتى حذقته، و كنت اقرأ له كتبهم اذا  
كتبوا اليه، واجيب عنه اذا كتب (35)

ایک ایرانی عورت حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں استغاثہ لے کر آئی کہ  
میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب مجھ سے میرا بیٹا بھی چھیننا چاہتا ہے  
اس عورت نے یہ ساری گفتگو فارسی زبان میں کی اور ابوہریرہؓ نے بھی اس سے اسی  
زبان میں گفتگو کی اور پھر آپؐ نے بچہ عورت کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ (36)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے دوسری قوموں کی زبانیں  
صرف اس غرض سے سیکھ رکھی تھیں تاکہ مخاطب سے براہ راست تبادلہ خیال کر کے اس  
کے مسائل کا حل کیا جائے۔

صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کے بعض اجزا کا ترجمہ بھی دوسری زبانوں میں کیا  
تاکہ عربی زبان سے ناواقف لوگ اسلام کی حقیقی روح اور تعلیمات سے محروم نہ رہ  
جائیں۔ چنانچہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

روی ان الفرس كتبوا الى بيان کیا جاتا ہے کہ بعض نو مسلم ایرانیوں نے  
سلمانؓ ان يكتب لهم الفاتحة حضرت سلمانؓ کی خدمت میں لکھا کہ ان  
بالفارسية، فكانوا يقرؤن کے لیے سورة الفاتحة کو فارسی میں نقل کر دیا  
ذالك في الصلوة حتى لانت جائے، چنانچہ وہ لوگ (اسی ترجمہ کو) نماز میں  
پڑھتے تھے یہاں تک کہ وہ عربی سیکھ گئے۔

السنن للحرثي (37)

اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور بڑے فقیہ نے اپنی کتاب ”النهاية

(35) المسند، حدیث زید بن ثابت، ج: ۱۱، ۱۰۸، ۲۳۸/۶،

اسد الغابہ، تذکرہ زید بن ثابت

(36) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب من اتق بالولد، ج: ۲۲، ص: ۳۳۰

(37) سرخسی، شمس الدین، ”المبسوط“، کتاب الصلوة، ۳/۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء

محمد بن حسن الشیبانی، ”کتاب الاصل“، کتاب الصلوة، باب افتتاح الصلوة وما یصح الایام، ۱/۱۱

حاشیہ الہدایہ“ میں مزید تفصیل درج کی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے رسول اللہ  
ﷺ کی اجازت سے یہ کام انجام دیا اور ان کے ترجمے کا ایک جز بھی نقل کیا ہے،  
”بنام خداوند بخشنایندہ مہربان“ (38) یہ بسم اللہ کا ترجمہ ہے۔

شاہان عالم کی طرف بھیجے جانے والے نبوی سفراء کا معجزانہ طور پر انھیں قوموں  
کی زبان میں گفتگو کرنے لگ جانا بھی دعوت و تبلیغ میں زبان کی یکسانیت کی اہمیت کو  
واضح کرتا ہے۔ (39)

حضرت عمر فاروقؓ بھی دعوت و تبلیغ میں زبان و بیان کی اہمیت سے پوری طرح  
آگاہ تھے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو محاربہ عراق و ایران کے  
دوران اسلامی لشکر کا داعی مقرر کیا تھا۔ چنانچہ حضرت سلیمان فارسیؓ نے ہمیشہ بڑی  
حکمت، دانائی اور دلسوزی کے ساتھ دعوت اسلام کا فریضہ انجام دیا اور انھوں نے  
مقبوضہ علاقوں میں فارسی نژاد ہونے کی وجہ سے نو مسلموں کو اسلامی تعلیمات سے  
روشناس کرانے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ موالیوں اور نو مسلموں میں انھیں  
اس قدر مقبولیت حاصل تھی کہ وہ لوگ انھیں اپنا ہیرو اور بطل جلیل تصور کرتے تھے۔

### قصص

مخاطب کو دعوت کی طرف متوجہ کرنے کیلئے قصوں اور کہانیوں کی زبان میں بات  
کرنا انسانی نفسیات کا ایک عمدہ اسلوب ہے کیونکہ قصوں اور کہانیوں کے پیرائے میں  
اگر بات کی جائے تو مخاطب واقعات کا تسلسل جاننے کیلئے ہمہ وقت داعی کی طرف  
متوجہ رہتا ہے۔ اس لیے تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ میں قصوں اور کہانیوں کا استعمال  
دور قدیم سے ہی تمام معاشروں میں ایک معروف چیز رہی ہے، کیونکہ انسان قصہ اور  
کہانی کی زبان سے جو کچھ سنتا ہے اس سے اثر لیتا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی لوگوں کی  
اس فطرت کو جانتے ہوئے کہ وہ طبعاً قصص کی جانب مائل ہوتی ہے اور ان سے متاثر  
ہوتی ہے قصص کو بطور ذریعہ تربیت اختیار کیا ہے۔ قرآن حکیم نے انتہائی اختصار کے

(38) حمید اللہ، ڈاکٹر، ”صحیفہ ہمام بن منیہ“، ناشر رشید اللہ یعقوب، کائنات، کراچی، ص: ۱۹۳، ۱۹۸ء

(39) ابن سعد، ذکر بعث رسول اللہ ﷺ، الرسل بکتابہ الی الملوک، ۲۵۸/۱،



ساتھ قصوں کی دعوتی و تربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ "بے شک ان قصوں میں اہل فہم کیلئے بڑی عبرۃ" لَوْلَى الْآلِئَاب (40) عبرت ہے

رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے بھی دعوت و تبلیغ میں سابقہ اقوام کے واقعات کو حوالے کے طور پر استعمال کر کے بہت سی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کروائیں۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے وعظ فرمایا:

"ایک شخص جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی

نہ تھی مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی

میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا۔ لوگوں نے اس کی وصیت

پوری کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح سے سوال کیا: تو نے

اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ کہنے لگا: اے اللہ! تیرے

خوف اور ڈر سے۔ اس جواب پر دریائے رحمت جوش میں آیا

اور وہ شخص بخش دیا گیا۔" (41)

اس تمثیلی قصے کو بیان کرنے سے عبداللہ بن مسعود کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو یہ سمجھایا جائے کہ تمام اعمال حسنہ کی روح دراصل خشیت الہی ہی ہے۔

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ فوت ہو گئیں تو محمد بن کعب

قرظی تعزیت کیلئے تشریف لائے اور کہا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو فقیہ، عالم،

عابد اور مجتہد تھا۔ اسکی بیوی تھی جس کے ساتھ اسے غایت درجہ محبت تھی وہ فوت ہو

گئی تو اس آدمی کو بڑا دھچکا لگا اور شدت ملال کے باعث وہ گھر میں بیٹھ گیا، دروازہ

بند کر لیا اور لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اب اس کے پاس کوئی نہیں آسکتا تھا۔

ایک عورت نے جب یہ بات سنی تو اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے ان سے

ایک حاجت ہے جس کے سلسلے میں ان سے میں نے فتویٰ لینا ہے، بالمشافہ پوچھے بغیر

بات نہیں بن پڑے گی۔ لوگ تو چلے گئے لیکن وہ عورت دروازے پر جام ہو گئی اور کہا

(40) یوسف ۱۲: ۱۱۱ (41) المسند، مسند عبداللہ بن مسعود، ج: ۱، ۳۷۷، ۱۰/۱۵۸

کہ مجھے اس کے سوا چارہ نہیں، کسی نے اس عالم سے کہا کہ یہاں ایک عورت ہے جو آپ سے کوئی فتویٰ لینا چاہتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ میں بالمشافہ پوچھوں گی اور لوگ جاچکے ہیں، لیکن وہ دروازہ سے نہیں ملتی۔ کہا کہ اسے اندر آنے دو۔ وہ اندر آگئی اور اس نے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئی ہوں۔ کہا: وہ کیا ہے؟ عورت نے کہا: میں نے اپنی ہمسائی سے کچھ زیور ادھار لیے تھے میں انھیں پہنتی رہی اور مدتوں ادھار دیتی رہی۔ اب اس گھر والوں نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ زیور انھیں لوٹا دوں تو کیا میں ان کی طرف لوٹا دوں؟ کہا: اللہ کی قسم ضرور۔ عورت نے کہا: میرے پاس تو اس زیور کو مدت گذر گئی پھر واپسی کیسی؟ کہا کہ اس صورت میں تو واپس لوٹانے کا اور زیادہ حق ہو گیا کہ اتنی مدت ادھار دیئے رکھا۔ عورت گویا ہوئی کہ حضور والا! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ اس چیز پر افسوس کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ادھار دی، پھر واپس لے لی، کیا وہ اس کا آپ سے زیادہ حق دار نہیں؟ اس بات نے عالم کی آنکھیں کھول دیں اور اس کی بات سے اللہ تعالیٰ نے اسے فائدہ پہنچایا۔ (42)

### تشبیہ و تمثیل سے وضاحت

استعارہ، تشبیہ اور تمثیل فصیح و بلیغ کلام کا لازمی عنصر ہیں، جو کلام کا زیب و زینت اور زیور شمار کئے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے مفہوم و معنی قریب الفہم ہو جاتا ہے، نازک تشبیہ و تمثیل اور لطیف استعارے سے کلام میں جو زور، قوت اور وسعت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ میں ہر ملکتہ فکر اور مختلف رجحانات و خیالات کے افراد سے واسطہ پڑتا ہے، جس میں خواندہ و ناخواندہ، حضروی و بدوی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، چنانچہ داعی کو ہر ایک کی تفہیم کیلئے اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرنا پڑتی ہے، جس سے وہ بات سمجھ جائے اور پیغام کی طرف متوجہ ہو۔ صحابہ کرامؓ دعوت و تبلیغ اور لوگوں کی تربیت میں اس اسلوب کو اختیار کرتے تھے۔ امثال اور تشبیہات ان مجرد معانی کے ادراک میں بہت معاون

(42) الموطأ، کتاب الجنائز، باب جامع الحبیۃ فی المصیۃ، ج: ۳، ۲۷۳، ص: ۱۶۷



ہوتی ہیں جن کا موجودہ صورت میں سمجھنا دشوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام مخفی اور معنوی امور کو محسوسات سے تشبیہ دے کر سمجھاتے تھے۔

یہ ایسا اسلوب دعوت ہے جس میں مشکل ترین بات کو بھی عام فہم چیز کی مثال دے کر آسانی سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مشکل اور پیچیدہ خیالات کو معمولی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر نہایت عمدگی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک عمدہ اور اعلیٰ نسل کے درخت سے دی ہے، جس کی جڑیں زمین میں گہری جبی ہوئی ہیں۔ (43) اسی طرح کلمہ خبیثہ کی مثال بذات درخت سے دی گئی ہے جو بیکار سمجھ کر زمین سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ (44)

یہ دعوت کا ایسا اسلوب ہے جس سے معمولی فہم و فراست رکھنے والا انسان بھی مشکل مسائل کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ زید بن اسلم نے عبد اللہ بن ارقم سے کہا: مجھے صدقہ کے اونٹوں میں سے سواری کا ایک اونٹ بتائیے تاکہ میں امیر المؤمنین سے سواری کیلئے مانگ لوں عبد اللہ بن ارقم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

”کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ ایک موٹا آدمی گرمی کے دنوں میں اپنے تہبند کے نیچے کی جگہ اور چڑے دھو کر تمہیں دے تو کیا تم وہ پانی پی لو گے؟“  
زید بن اسلم ناراض ہو کر کہنے لگے: اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ مجھ سے کتنی نامناسب بات کہہ رہے ہیں، عبد اللہ بن ارقم نے کہا: صدقہ لوگوں کا میل ہے جس سے وہ اپنے آپ کو دھوتے ہیں۔“ (45)

اس مثال سے حضرت عبد اللہ بن ارقم کا مقصد مخاطب کے دل میں مال زکوٰۃ اور صدقات کے بارے میں نفرت پیدا کرنا تھا، کیونکہ جو شخص مال زکوٰۃ اور صدقات کا حقدار نہ ہو یا اشد ضرورت کے بغیر ہی اس کو حاصل کرنے کا متمنی ہو تو ایسے شخص کیلئے یہ مال گویا گندگی اور قابل نفرت چیز ہے۔

(43) ابراہیم، ۲۳: ۱۴

(44) ابراہیم، ۱۴: ۲۶

(45) الموطا، کتاب الصدقہ، باب ما یکرمہ من الصدقہ، ج: ۹۵۳، ص: ۶۱۳

معدان بن ابی طلحہ العمری کا بیان ہے: ایک دفعہ حضرت ابو الدرداءؓ نے مجھ سے پوچھا: تمہارا مکان کہاں ہے؟ میں نے کہا: حمص کے قریب ایک گاؤں میں ہے۔ فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جس جگہ اذان اور باجماعت نماز نہ ہوتی ہو وہاں شیطان داخل ہو جاتا ہے اور پھر ان کو تنبیہ کے انداز میں ارشاد فرمایا:

علیک بالجماعة فانما ”تم جماعت کے ساتھ (شہر میں) نماز پڑھا کرو بے شک يأکل الذئب القاصية (46) بھیڑ یا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو گھگھ سے دور رہتی ہے“  
ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:  
”یا ایہا الناس! اتقوا هذا الشربک“ ”اے لوگو! شرک سے بچو، بے شک یہ فائدہ اخفی من دیب النمل“ (47) چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے۔“  
ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو خط لکھا تو اس میں علم اور عالم کی عظمت کو تمثیلی اسلوب کے ذریعہ بڑی خوبصورتی سے بیان فرمایا، آپ کے تحریر کردہ خط کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”علم ایک چشمہ ہے جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور اللہ اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن اگر حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر علم لٹایا نہ جائے تو وہ مدفون خزانہ ہے۔ عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعادیں“ (48)

سوال و جواب / ابابہمی گفتگو

مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو ذہن نشین کرانے کیلئے ایک

(46) المسند، حدیث ابی الدرداءؓ، ج: ۲۶۹۶۸، ص: ۵۹۹/۷

(47) المسند، حدیث ابی موسیٰ اشعرئؓ، ج: ۱۹۱۰۹، ص: ۵۴۹/۵

(48) سنن الدارمی، المقدمة، باب البلاغ رسول اللہ ﷺ و تعلیم السنن، ج: ۵۶۳، ص: ۱۳۵/۱۳۶



مؤثر ذریعہ اور اسلوب باہمی گفتگو اور بات چیت کا بھی ہے، مکالمہ انداز اور سوال و جواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن و فکر کو متوجہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ واعظانہ اسلوب دعوت کے مقابلہ میں یہ اسلوب اثر انگیزی میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ اس صورت میں متکلم اور سامع کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق کو ہلکے پھلکے انداز میں مخاطب کے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ فروغ دعوت کیلئے سوال و جواب اور باہمی گفتگو کا اسلوب بہت مؤثر ہے بالخصوص اگر وہ سوال اور بحث کسی پوشیدہ حقیقت کی نقاب کشائی کیلئے ہو تو اس سے نہ صرف مسائل بلکہ دوسرے لوگ بھی گمراہی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے مثبت اور تعمیری سوالات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو پورے علمی اور تحقیقی انداز میں جوابات مرحمت فرمائے۔

عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا: کیا آپؓ نے غور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”بے شک صفا اور مروہ، اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے۔“ لہذا آدمی پر کچھ نہیں ہے جبکہ وہ دونوں کا طواف نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اگر بات یہی ہوتی جو تم کہہ رہے ہو تو حکم یوں ہوتا۔ ”فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطُوفَ بِهِمَا“ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مناتہ کیلئے حج کرتے تھے اور مناتہ نامی بت قدید کے بالمقابل تھا اور وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو برا سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔“ (49)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: اے ابو عبدالرحمنؓ! میں

(49) الموطأ، کتاب الحج، باب جامع السعی، ج: ۲، ص: ۲۵۱

صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ان الصفا والمروة من شعائر اللہ، ج: ۲، ص: ۴۹۵

نے ایک آدمی کو قرض دیا ہے اور اس سے شرط کی ہے کہ اس سے بہتر چیز لوں گا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: یہ تو سود ہے، کہا: اے ابو عبدالرحمنؓ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: قرض تین طرح کا ہے، ایک وہ قرض جو رضائے الہی کیلئے ہے، دوسرا وہ کہ دوست کی مدد کی جائے تو یہ دوست کی مدد ہے، تیسرا وہ ہے کہ پاک مال کے بدلے ناپاک مال لے اور یہ سود ہے۔ کہا: اے ابو عبدالرحمنؓ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: میرے خیال میں دستاویز کو پھاڑ دو۔ اگر وہ تمہارے جیسی چیز دے تو قبول کر لینا۔ اگر گھٹا دے تب بھی لے لینا کہ تمہیں اجر ملے گا۔ اگر تمہاری چیز سے بہتر اپنی خوشی سے دے تو یہ اس نے تمہارا شکر یہ ادا کیا اور تمہیں مہلت دینے کا اجر ملے گا۔ (50)

ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک شخص خراسان سے آیا اور عرض کی کہ ہمارا تعلق سر علاقہ سے ہے۔ اور پھر اس نے شراب کی چند اقسام کا ذکر کیا تو ابن عباسؓ نے فرمایا:

اجتنب ما أسکر من زبیب أو ”ہر نشہ آور چیز مثلاً منقہ اور کھجور وغیرہ سے بچو۔ تمر أو ما سوی ذالک، قال: آپ مشکیزے کی نبیذ کے بارے میں کیا کہتے ما تقول فی نبیذ الجر؟ قال: ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نہی رسول اللہ ﷺ عن نبیذ (روٹی) مشکیزے میں نبیذ بنانے سے منع کیا ہے۔“

الجر (51)

علاقہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے وعظ کرتے ہوئے فرمایا:

”لعن اللہ الواشمات، والمتوشمات،  
والمتنصصات المتفلحات للحسن المغیرات  
خلق اللہ“

(50) الموطأ، کتاب البیوع، باب ما لا یجوز من السلف، ج: ۲، ص: ۲۲۰

(51) المسند، مسند عبداللہ بن عباسؓ، ج: ۲، ص: ۲۷۱، ۲۷۲



ام یعقوب نامی ایک عورت کو پتہ چلا تو آپؐ کے پاس آئی اور کہا: مجھے معلوم ہوا کہ آپؐ نے یہ بات کہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ میں لعنت فرمائی ہے۔ اس نے کہا: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے میں نے یہ چیز اس میں نہیں پائی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن میں یہ پڑھا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَاللَّهُ كَمَا تَعْلَمُونَ أَعْيُنُكُمْ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (52) لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اس نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپؐ کے اہل خانہ ایسا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور دیکھو، وہ عورت گئی اور واپس آ کر کہا: وہاں میں نے کچھ نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا: اگر میری بیوی ایسا کرتی تو میں اسے اپنے پاس نہ رہنے دیتا۔ (53)

ابو الطفیل کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا: آپؐ کی قوم کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رمل کیا ہے اور یہ سنت ہے۔ بولے: انھوں نے سچ کہا اور جھوٹ کہا، ابو الطفیل نے عرض کیا: انھوں نے سچ کہا اور جھوٹ بھی، یہ کیسے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا:

قد رمل رسول الله ﷺ بالبیت ولبس بسنة، فلبغهم انهم يتحدثون أن بهم هذا، فأمر بهم أن يرموا البير بهم أن بهم قوة (54)

رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا رمل فرمایا جبکہ یہ سنت نہیں ہے آپؐ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی رمل کیا جبکہ مشرک قعقعان پر تھے، پس رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ

(52) الحشر، ۵۹: ۷

(53) المسند، مسند عبد اللہ بن مسعود، ج: ۳، ۱۱۸: ۳۹۳۵، ۱۱۵/۱

(54) المسند، مسند عبد اللہ بن عباسؓ، ج: ۳، ۲۰۳۰: ۳۸۰/۱

باتیں کر رہے ہیں کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ رمل کریں تاکہ ان کو دکھایا جاسکے کہ مسلمان طاقتور ہیں۔

سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے لعان کرنے والے میاں بیوی کے بارے میں سوال کیا کہ کیا ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں پھر لعان کی آیات کے شان نزول کو بیان فرمایا اور مسئلے کی تمام جزئیات کا تفصیلی جواب دیا۔ (55)

غلطی کرنے والے سے تبادلہ خیال کی کوشش کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اس طرح اس کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی سیدھی راہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

مصر سے ایک آدمی حج کی نیت سے مکہ آیا۔ اس نے بیت اللہ میں ایک جگہ لوگوں کا مجمع دیکھا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ قریش کے لوگ ہیں۔ اس نے کہا: ان میں سب سے بزرگ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: عبد اللہ بن عمرؓ۔ اس نے کہا: اے ابن عمرؓ میں تمہیں بیت اللہ کی عزت کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ عثمانؓ بن عفان یوم احد میں بھاگ گئے تھے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: کیا آپؐ کو معلوم ہے کہ وہ غزوہ بدر کے دن بھی غائب تھے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: آپؐ کو پتہ ہے کہ وہ بیعت رضوان میں بھی غائب تھے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، تو مصری نے کہا: اللہ اکبر۔

ابن عمرؓ نے فرمایا: ذہاد دھڑاؤ تاکہ میں ان چیزوں کی حقیقت بیان کر دوں جن کے بارے میں تو نے سوال کیا ہے، جہاں تک غزوہ احد میں حضرت عثمانؓ کے فرار ہونے کا تعلق ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وہ لغزش معاف کر چکا ہے، اور جہاں تک غزوہ بدر سے غائب ہونے والی بات ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زوجیت میں رسول اللہ ﷺ کی صابری ادبی تھیں اور وہ اس وقت بیمار تھیں۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ ان کیلئے بھی بدر میں حاضر ہونے والے آدمی



جتنا حصہ اور اجر ہے۔ بیعت رضوان میں آپؐ اس وجہ سے شامل نہ تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا اور بیعت رضوان ان کے جانے کے بعد ہوئی تاہم رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر ان کی طرف سے بھی بیعت کی تھی اور فرمایا تھا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے پھر ابن عمرؓ نے اس کو مطمئن کرنے کے بعد رخصت فرمایا۔ (56)

اس اسلوب دعوت کے اہم فوائد یہ ہیں:

☆ مکالمہ انداز کی اثر انگیزی مسلم ہے اور اس پیرائے میں جو بات بھی کی جائے گی وہ ضرور اثر کرے گی اور تادیر سامع کے دل و دماغ پر اس کے اثرات قائم رہیں گے۔

☆ سوال و جواب کے اسلوب میں گفتگو کا سلسلہ عام طور پر اس وقت ختم ہوتا ہے جب تھاق مخاطب پر پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں اور اس بات کا امکان کم ہی ہوتا ہے کہ گفتگو طرفین کے اطمینان کے بغیر ختم ہو جائے، اس لیے عام طور پر مکالمے کے اختتام پر مخاطب پر حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہوتی ہے۔

☆ اس اسلوب میں داعی اور مخاطب دونوں کی توجہ اور انہماک پورے عروج پر ہوتا ہے، اس لیے اس کی اثر انگیزی تقریر و تحریر کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر ہے۔

☆ مکالمہ انداز میں داعی کیلئے موقع ہوتا ہے کہ وہ غیر محسوس انداز میں اپنی دعوت کے دائرہ کو پھیلا کر مخاطب کو متاثر کرے۔

### جذبہ تجسس کا ابھارنا

مخاطب کے اندر جذبہ تجسس کو ابھارنے کے لئے استفہام عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے، جس کا مقصد محض استفہار اور کسی سے کوئی بات دریافت کرنا ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہ مختلف اغراض و مقاصد کیلئے آتا ہے۔ یہ کبھی تنبیہ، استعجاب، اثبات، نفی اور امر و تاکید کیلئے بھی آتا ہے تو کبھی اقرار و استدلال، نیز کسی امر پر مزید غور و فکر کی دعوت دینے کے لئے بھی آتا ہے، جس کا پتہ سیاق و سباق، موقع اور فریضہ سے چلتا

ہے۔ استفہام کے اسلوب سے کلام میں زور و قوت پیدا ہوتا ہے، اس کی تاثیر اور جاذبیت بڑھ جاتی ہے اور کلام کی بلاغت و لطافت دو چند ہو جاتی ہے اور اس اسلوب کو اختیار کرنے سے سامع اور مخاطب ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی بعض اوقات مخاطب کی توجہ حاصل کرنے اور اس کے جذبہ تجسس کو ابھارنے کے لئے اس اسلوب کو اختیار کیا۔

ایک دفعہ حضرت ابو درداءؓ نے لوگوں کو اپنی طرف مخاطب کرنے اور ان کے جذبہ تجسس کو ابھارنے کے لئے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

الا خبرکم بخیر اعمالکم، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے وارفعھا فی درجاتکم، اعمال میں سب سے بہتر ہو، تمہارے درجات و ازکاھا عند ملیکمکم، و خیر میں سب سے بلند ہو، تمہارے مالک کے لکم من اعطاء الذہب پاس سب سے پاکیزہ ہو، تمہارے لیے سونا والورق و خیر لکم من ان اور چاندی خیرات کرنے سے بہتر ہو اور تم تلقوا عدوکم فتضربوا دشمنوں سے ٹکرا جاؤ اور ان کی گردنیں اتار دو یا اعناقھم ویضربوا اعناقکم، وہ تمہاری گردنیں اتار دیں، اس سے بھی بہتر قالوا: بلی۔ قال: ذکر اللہ ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، فرمایا: تعالیٰ (57)

بسا اوقات صحابہ کرامؓ لوگوں کے اندر جذبہ تجسس کو ابھارنے کیلئے دیگر انداز بھی اختیار کرتے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں میں تمہیں بتاتا ہوں اور پھر اس کے بعد قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر بیان کی۔ (58)

ابو بکرؓ مولیٰ ابن عقیل انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ ابن عباسؓ اپنے حلقہ درس میں تشریف فرما تھے۔ آپؓ نے فرمایا: میں قرآن کی ایک ایسی آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ اس کے بارے میں مجھ سے آج تک کسی نے سوال نہیں کیا



اور مجھے نہیں معلوم کہ لوگ اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے نہیں پوچھا یا وہ اس آیت کو سمجھے ہی نہیں کہ اس کے بارے میں سوال کریں؟

اتنا کہہ کر ابن عباسؓ دوسری گفتگو میں مشغول ہو گئے اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔ ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو ملامت کیا کہ ہم نے ان سے اس آیت کے بارے میں کیوں سوال نہ کیا؟ ابوتی کہتے ہیں: میں نے کہا: جب وہ کل صبح دوبارہ تشریف لائیں تو میں سوال کروں گا، اور جب وہ اگلے دن صبح تشریف لائے تو میں نے ان سے کہا اے ابن عباسؓ! آپؓ نے کل قرآن کی ایک ایسی آیت کا ذکر کیا تھا جس کے بارے میں آپؓ سے آج تک کسی نے سوال نہیں کیا، وہ کون سی آیت ہے؟ آپؓ ہمیں اس کے بارے میں خبر دیجئے۔ ابن عباسؓ چاہتے تو فوری طور پر اس آیت کی تفسیر بیان فرما دیتے، لیکن آپؓ نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ لوگوں کے اندر تجسس پیدا ہو کہ وہ کون سی آیت ہے کہ جس کے بارے میں آج تک کسی نے سوال نہیں کیا اور پھر پورا دن لوگ تجسس ہی میں مبتلا رہے اور اگلے دن جب لوگوں نے پوری شعوری توجہ کے ساتھ سوال کیا تو آپؓ نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمادی۔

طارق بن شہاب کا بیان ہے: ہم لوگ عبداللہ بن مسعود کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے، ایک روز محفل جمی ہوئی تھی کہ ایک شخص ”علیک السلام یا ابا عبدالرحمن“ کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گزرا، انہوں نے جواب دیا ”صدق اللہ ورسولہ“ یہ کہہ کر داخل حرم ہوئے۔ ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت اور تعجب ہوا۔ باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون ان سے سوال کرے گا۔ میں نے کہا: میں پوچھوں گا۔ چنانچہ جب وہ تشریف لائے تو میں نے پوچھا، تو فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

أَنْ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيمٌ خَاصٌّ خَاصٌّ آمِيُونَ كُوسَلَامٍ كَرْنَاءَ تِجَارَةٍ كَاتِرَتِي الْخَاصَّةِ ، وَفَشُو التَّجَارَةِ ، كَرْنَاءَ ، اعْزَهُ كَسَاتِهُ بَدَسْلُوكِي كَرْنَاءَ ، جَهْوَتِي كُوَايِ وَقَطَعَ الْأَرْحَامَ ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ دِينَا وَرَحَقَ كُوْچَهْپَانَا قَرَبَ قِيَامَتِ كِي نَشَانِي هِيَ۔ وَكُتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ (59)

عبداللہ بن مسعود نے ایسا انداز اختیار فرمایا کہ سامعین میں تجسس پیدا ہو اور وہ خود سوال کریں۔ انسانی نفسیات یہ ہے کہ اگر اس کے اندر کسی حقیقت کو جاننے کا شوق پیدا ہو جائے اور پھر اس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے تو وہ اس بات کو کبھی بھولتا نہیں۔ عبداللہ بن مسعود نے بھی اپنے طرز عمل سے حاضرین میں تجسس پیدا کر دیا اور جب حاضرین نے حقیقت جاننے کیلئے سوال کیا تو اپنے طرز عمل کو پوری شرح و بسط سے بیان فرمادیا۔

ایک بار حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے صرف ایک چادر اوڑھ کر، اسے سر کے پیچھے گرہ لگا کر نماز پڑھی، حالانکہ ان کے کپڑے (قرب ہی) تپائی پر پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا: ”آپ ایک چادر میں نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اس لیے یہ کام کیا ہے تاکہ تجھ جیسا بے علم دیکھ لے۔ بھلا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟“ (60)

حضرت جابرؓ کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے اور اس کے لیے آپؓ نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ دیکھنے والوں میں ان کے طرز عمل سے تجسس پیدا ہو اور وہ خود سوال کریں، چنانچہ ان کی توقع کے مطابق ایک شخص نے سوال کیا تو آپؓ نے وضاحت فرمادی کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس طرح نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

ایک انصاری صحابی بیان کرتے ہیں: میں حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس کھڑا تھا کہ آپؓ نے فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے وضو کیا کرتے تھے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں؟ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے پانی طلب کیا اور وضو کر کے بتایا اور پھر فرمایا: ”هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ“ اس طرح رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے۔ (61)

اس اسلوب دعوت کا فائدہ یہ ہے کہ سامع اور مخاطب چونکہ ہم تن متوجہ ہوتا ہے اور اس چیز کو جاننے کی جستجو خود اس کے اپنے اندر پیدا ہو چکی ہوتی ہے، اس لیے جو چیز بھی اس کے سامنے بیان کی جائے گی وہ اس کے دل و دماغ پر نقش ہو جائے گی۔

(60) صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب عقد الازار علی القفانی الصلوٰۃ، ج: ۳، ۳۵۲، ص: ۶۳

ایضاً، باب الصلوٰۃ بغیر رداء، ج: ۳، ۳۷۰، ص: ۶۵

(61) المسند، مسند عثمانؓ بن عفان، ج: ۱، ۵۵۵، ۱۲۰/۱



## دعوت میں دلیل اور شائستگی کا لحاظ

اپنے نکتہ کی وضاحت اور اس کے حق میں دلیل دیتے وقت بعض اوقات مباحثہ ضروری ہو جاتا ہے لیکن بحث مباحثہ عمدہ طریقہ سے شائستگی کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ بحث مباحثہ میں شائستگی کے اسلوب کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (62)

اسی طرح اگر بات دلائل اور براہین کی روشنی میں کی جائے تو وہ زیادہ مؤثر ہوگی، کیونکہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ دلیل سے متاثر ہوتا ہے اور جو بات وہ دلیل کے بغیر ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا اس کو مضبوط دلیل کے ساتھ تسلیم کر لیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں فریق مخالف کو ہمیشہ مضبوط دلائل ہی سے قائل نہیں کیا بلکہ اپنے دلشیں انداز و مخاطب سے بھی مخاطب سے داد تحسین حاصل کی۔ اس اسلوب کی بہترین مثال حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ اور مقوس مصر کے درمیان ہونے والا مکالمہ ہے۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ جب حضرت حاطب رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ لے کر مقوس کے دربار میں پہنچے تو دونوں کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

مقوس: مجھے اپنے صاحب کی حالت بیان کرو، کیا وہ نبی ہیں؟

حاطبؓ: ہاں۔ بے شک وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔

مقوس: پھر انھوں نے اپنی قوم پر بددعا کیوں نہیں کی؟ جبکہ ان کی قوم نے ان کو ان کے شہر سے نکالا۔

حاطبؓ: عیسیٰ بن مریم کی نسبت تو آپ خود کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر جب ان کی قوم نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کیوں نہ انھیں بددعا دی۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا؟

مقوس: تم نے اچھا جواب دیا۔ تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے ہو۔ (63)

حضرت حاطبؓ نے مقوس کے ساتھ جو گفتگو کی اور اس میں دلیل کے ساتھ شائستگی کے

جس اسلوب کو اختیار کیا اس کے مؤثر ہونے کا اندازہ خود مقوس کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے کہ ”تم نے اچھا جواب دیا“۔

## قسم ۱ گواہی

قسم سے مراد کسی چیز کو اپنے قول و فعل کے حق میں بطور شہادت پیش کرنا ہے۔ قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب کہ قسم کے علاوہ کوئی اور چیز بطور شہادت پیش نہ کی جا سکے۔ اگر کسی چیز کا علم عینی شہادت سے نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں قسم کا سہارا لیا جاتا ہے اور قسم کو بطور گواہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانے سے مراد اللہ تعالیٰ کو جو کہ حاضر و ناظر ہے بطور شہادت پیش کرنا ہے۔ اپنی بات میں زور اور قوت پیدا کرنے کیلئے نیز مخاطب کی بھرپور توجہ حاصل کرنے کے لئے داعی قسم اٹھاتا ہے، تاکہ مخاطب داعی کی بات کو معمولی جان کر نظر انداز نہ کر دے۔ دعوت و تبلیغ دین میں صحابہ کرامؓ نے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حمران مولیٰ عثمان بن عفان کا بیان ہے: حضرت عثمانؓ چوتھے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مؤذن آیا اور انھیں نماز عصر کی خبر دی، انھوں نے پانی منگوا کر وضو کیا اور فرمایا: ”واللہ لا حدّ ثکم حدیثاً، لو اللہ کی قسم میں آپ حضرات سے ایسی لا انا فی کتاب اللہ ما بات بیان کرتا ہوں کہ اگر وہ اللہ کی کتاب حدّ ثکم وہ“ میں نہ ہوتی تو میں آپ سے بیان نہ کرتا۔

پھر بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی آدمی ایسا نہیں کہ وہ وضو کرتے وقت اچھی طرح وضو کرے، پھر نماز پڑھے، مگر اس کے دوسری نماز تک کے گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھے۔ (64)

حضرت ابوسعید مقبری نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: ”انا، لعمر اللہ اُخبرُک“ خدا کی قسم میں تمہیں بتاتا ہوں اور پھر ان کو اپنا ذاتی عمل اور نماز جنازہ کا پورا طریقہ بتایا۔ (65)

(64) الموطأ، کتاب الطہارہ، باب جامع الوضوء، ج: ۳۰، ص: ۴۷

(65) الموطأ، کتاب الجنائز، باب ما یقول المصلی علی الجنائز، ج: ۲۵۸، ص: ۱۶۲

(62) العنکبوت، ۲۹: ۳۶

(63) اسد الغابۃ، تذکرہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ، ۳۶۲/۱



مالک بن اوس بن حدثان نصری کو سودینار کے درہم کی ضرورت پڑی ان کا بیان ہے کہ مجھے حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے بلایا۔ ہم دونوں راضی ہو گئے، یہاں تک کہ مجھ سے بیع صرف کر لی کہ وہ دیناروں کو لے کر ہاتھوں میں پلٹنے لگے اور فرمایا: میرے خازن کو غابہ سے آجانے دو۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا: اللہ کی قسم ان سے جدا نہ ہونا جب تک وصول نہ کر لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”سونا چاندی کے بدلے سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ، گندم گندم کے بدلے سود ہے، مگر ہاتھوں ہاتھ، کھجوریں کھجوروں کے بدلے سود ہیں، مگر ہاتھوں ہاتھ، جو جو کے بدلے سود ہیں، مگر ہاتھوں ہاتھ۔“ (66)

حضرت علیؓ نے ایک حدیث بیان کی تو عبیدہ نے حضرت علیؓ سے عرض کی: کیا آپؓ نے یہ حدیث رسول اللہ سے سنی ہے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا: ای ورب الکعبة ای ورب ہاں! رب کعبہ کی قسم، ہاں! رب کعبہ کی قسم، الکعبة ای ورب الکعبة (67) ہاں! رب کعبہ کی قسم۔ مالک بن اوس بن الحدثان روایت کرتے ہیں:

كان عمرٌو يحلف على ايمان ثلاث يقول :  
والله ما أحد أحق بهذا المال من أحد وما أنا  
بأحق به من أحد ، والله ما من المسلمين  
أحد الا وله في هذا المال نصيب الا عبداً  
مملوكاً ولكننا على مناز لنا من كتاب الله  
تعالى وقسمنا من رسول الله ﷺ فالرجل و  
بلاؤه في الاسلام والرجل وقدمه في  
الاسلام ، والرجل وغناؤه في الاسلام ،

(66) الموطأ، کتاب البیوع، باب ما جاء فی الصرف، ج: ۵، ص: ۳۹۴

(67) المسند، مسند علی بن ابی طالب، ج: ۱، ص: ۱۵۳

والرجل وحاجته، والله لن بقیت لهم  
لیأتین الراعی بجبل صنعاء حظه من هذا  
المال وهو یرعی مکانہ (68)

”حضرت عمرؓ تین قسمیں اٹھایا کرتے تھے آپؓ فرمایا کرتے تھے اللہ کی قسم اس مال کا کوئی بھی دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں ہے اور میں بھی کسی سے زیادہ حقدار نہیں ہوں اور اللہ کی قسم کوئی مسلمان ایسا نہیں مگر اس کا اس مال میں حصہ ہے سوائے غلام کے مگر جو ترتیب کتاب اللہ اور رسول اللہ نے بیان فرمائی وہ ترتیب آدمی کی اسلام کیلئے آزمائش، قدیم الاسلام ہونا اور اسی طرح ضرورت مند ہونا۔ اور اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو جبل صنعاء پر چڑھا ہے کو بھی اس مال میں سے حصہ پہنچے گا جبکہ وہ وہاں چرا رہا ہو۔“

(68) المسند، مسند عمر بن خطابؓ، ج: ۲، ص: ۲۹۴/۱



## خلاصہ بحث

## انسانی نفسیات کا لحاظ

کسی بات کے مؤثر ابلاغ و افہام کے لیے جس طرح انسان کی نفسی کیفیات، جسمانی حالات اور علاقائی نفسیات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے عقلی، ذہنی اور فکری رجحانات و میلانات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ دین اسلام ساری دنیا کے لیے اور سب انسانوں کے لیے ہے، لیکن اسے پیش کرنے اور اس کو سب انسانوں تک پہنچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے مخاطب و مدعو کا تعین کیا جائے۔ پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس خطاب اور دعوت کا رخ اس کے ماننے والوں کی طرف ہے یا انکار کرنے والوں کی طرف، عوام سے ہے یا خواص سے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے ہے یا قدیم تعلیم یافتہ حضرات سے، نوجوانوں سے ہے یا سن رسیدہ بزرگوں سے۔ اسی طرح مخاطب اور مدعو بدلنے پر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس وقت دعوت کا مخاطب کون ہے؟ اور اس کے لیے کونسا طریقہ دعوت مناسب ہے۔ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کے ذہن و فکر کو سامنے رکھ کر کی جائے اور موقع و محل کی مناسبت سے کی جائے، جس طرح بیج کے نشوونما پانے کے لیے صرف بیج کی صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ زمین کی تیاری اور موسم کی سازگاری کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔

اسی طرح کلمہ حق کی تبلیغ میں صرف حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد کر کے بیٹھ جانا درست نہیں، بلکہ ایک تربیت یافتہ اور ذہین داعی کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ جن لوگوں کے سامنے دعوت پیش کی جا رہی ہے، اس وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے۔ کیونکہ بے محل گفتگو سے وہ فائدہ نہیں ہو سکتا جو مطلوب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھا اور صحابہ کرام کو بھی دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ فرمایا تو یہ وصیت فرمائی:

”تم عنقریب اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس پہنچو گے، جب تو ان کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس میں تیری اطاعت کر لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات کی پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ تیری بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ یہ زکوٰۃ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی اور جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو چین چین کر ان کا عمدہ مال نہ لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔“ (69)

یمن میں اس وقت اہل کتاب ہی نہیں مشرک بھی تھے، لیکن آپ ﷺ نے اہل کتاب کا خاص طور پر اس لیے ذکر فرمایا کہ وہ آسمانی کتابوں کے ماننے والے اور پڑھ لکھے تھے۔ اس لیے فطری طور پر ان سے خطاب کا طریقہ مشرک قوموں سے مختلف ہونا چاہیے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو مخاطب کے اعتبار سے دعوت کا حکم دیا نیز آپ کو دعوت میں تدریج کے اسلوب اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

(69) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ و معاذؓ الی یمن، ج: ۳، ص: ۴۶۰

المسند، مسند عبد اللہ بن عباس، ج: ۲، ص: ۲۰۷/۱۱۸



## فصل دوم

### غلطی پر تنبیہ کا اسلوب

دعوت و تبلیغ کے متعدد طریقے اور ذرائع ہیں، ان میں غلطی کی اصلاح بھی شامل ہے۔ غلطی کی اصلاح تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کا جزو لا ینفک ہے۔ غلطیوں پر تنبیہ کرنا اور اصلاح کی کوشش کرنا اس خیر خواہی میں شامل ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور اس کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے گہرا تعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی جن افراد کے درمیان گزری، ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے غلطی پر تنبیہ کا جو اسلوب اختیار کیا وہ ہر داعی کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلطی کرنے والے کو حتی الامکان بڑی نرمی، محبت اور دلسوزی، پیار و ہمدردی کے جذبات سے سرشار ہو کر نصیحت فرماتے، مگر جب حالات سختی اختیار کرنے کا تقاضہ کرتے تو صحابہ کرامؓ نے سختی سے بھی کام لیا۔ کبھی چہرے کے تاثرات سے، کبھی آواز کو بلند فرمالیتے، کبھی سخت لب و لہجہ اختیار فرماتے، کبھی ترک کلام اور ترک تعلق اختیار فرمالیتے تاکہ غلطی کرنے والے کو شدت کے ساتھ اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ الغرض غلطی کی نوعیت کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ نے زبرد و توبخ اور تنبیہ کے مختلف اسالیب اختیار کر کے مخاطب کی اصلاح کی۔ آنے والی سطور میں ان چند اسالیب کا ذکر کیا جا رہا ہے جو صحابہ کرامؓ نے غلطی کی اصلاح کرتے وقت اختیار فرمائے۔

### تنبیہ کرنے والے کے مقام و مرتبہ کا لحاظ

دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے مقام و مرتبہ کا غلط اندازہ نہ لگائے، اور خود کو اپنے حقیقی مقام سے بلند تر مقام پر رکھ کر اس انداز سے کام نہ کرے جو اس کے لیے مناسب نہ ہو، کیونکہ اس طرح لوگ اس سے دور نہیں گے اور اصل مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ بعض اوقات ایک شخص کی ایسی سختی برداشت کر لی جاتی ہے جو اگر دوسروں کی طرف سے ہو تو برداشت نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس کو وہ مقام حاصل ہوتا

ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں مثلاً باپ کو بیٹے پر، استاد کو شاگرد پر، حاکم کو عام آدمی پر وہ اختیار حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ رشتہ دار اور اجنبی برابر نہیں، صاحب اختیار کی حالت وہ نہیں جو اختیار نہ رکھنے والے کی ہے۔ اس فرق کو پیش نظر رکھ کر اصلاح کرنے والا ہر چیز کو اس کے مقام پر پرکھ سکتا ہے اور معاملات کو صحیح طور پر رکھ سکتا ہے، تنبیہ کس درجہ کی ہو اور اس میں سختی یا نرمی کا کیا معیار رکھا جائے، اس کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ مخاطب کے دل میں داعی کا کیا مقام اور کس درجہ کا رعب و دبدبہ ہے۔ اس لیے اگر مبلغ اپنے معاشرتی مقام و مرتبہ اور مخاطب کی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت پیش کرے گا تو اس کے نتائج یقیناً مثبت ہوں گے۔

حضرت سلیمان بن یسارؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی آیا۔ اس کا نام صبیغ تھا۔ وہ قرآن مجید کی متشابہ آیات کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے کھجور کی چھڑیاں منگوائیں اور اس شخص کو طلب فرمایا۔ آپؓ نے فرمایا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ایک چھڑی لے کر اسے پٹا اور فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمرؓ ہوں۔ آپؓ نے اسے اتنا پٹا کہ اس کے سر سے خون نکل آیا۔ تب اس نے کہا: امیر المؤمنین! بس کریں، میرے سر کی بیماری دور ہو گئی ہے۔ (1)

حضرت ابن ابی لیلیٰؓ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ مدائن میں تھے۔ آپؓ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک کسان چاندی کے برتن میں پانی لے آیا۔ آپؓ نے پیالہ اس کے منہ پر دے مارا۔ پھر فرمایا: میں نے اسے اس لیے دے مارا کہ میں نے اسے منع کیا تھا مگر یہ باز نہ آیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں باریک اور موٹا ریشم پہننے سے اور سونے چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا:

هن لهم في الدنيا، وهن لكم في الدنيا من كفروں کے لیے ہیں اور آخرت فی الآخرة (2) میں ہمارے لیے۔

(1) سنن الدارمی، المقدمة، باب من حاب الغنیاء و کره التقطع والتبذع، ج: ۱، ۱۳۴/۵۹۱

(2) صحیح البخاری، کتاب الاشراب، باب الشرب فی آئینہ الفضة، ج: ۲، ۵۶۳۲/۹۹۸

ایضاً، کتاب الاطعمه باب الاكل فی اناء مففض، ج: ۲، ۵۳۲۶/۹۶۸



حضرت ابوسعید الخدریؓ نماز پڑھ رہے تھے، اچانک مروان کا ایک بیٹا آپؐ کے سامنے سے گزرنے لگا۔ انھوں نے (اشارے سے) روکا، وہ نہ رکا، انھوں نے اسے مارا۔ بچہ رونے لگا اور مروان کو جا کر بتایا۔ مروان نے ابوسعیدؓ سے کہا: آپؐ نے اپنے بھتیجے کو کیوں مارا؟ انھوں نے فرمایا: میں نے اسے نہیں مارا بلکہ شیطان کو مارا ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

اذا كان احدكم في صلوة، جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے  
فأراد انسان يمر بين يديه سامنے سے کوئی انسان گزرنا چاہے تو جہاں  
فيدروہ ما استطاع، فان ابى تک ہو سکے اسے روکے، اگر نہ رکے تو اس  
فليقاتله فانه شيطان (3) سے لڑے، وہ شیطان ہے۔

حضرت ابو اسحق کا بیان ہے: میں کوفہ کی سب سے بڑی مسجد میں حضرت اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ امام شعی بھی تھے۔ شعی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے رہائش اور خرچ نہیں دلایا تھا۔ حضرت اسودؓ نے کچھ کنکریاں پکڑ کر شعی کو ماریں اور فرمایا: تم حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ہم ایک عورت کی وجہ سے اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں، اس خاتون کو واقعہ یاد بھی رہا ہے یا نہیں۔ بلکہ (تین طلاق والی) عورت کو (عدت کے دوران) رہائش اور خرچ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تُخْرِجُهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو، نہ وہ  
يَخْرِجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ (4)  
خود نکلیں، الا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کی مرتکب  
ہوں۔ (5)

دو آدمی کندہ کے دروازوں کی طرف سے آئے۔ ابو مسعود انصاریؓ ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے کہا: ہم کوئی شخص جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے؟

(3) سنن الترمذی، کتاب القسامۃ، باب من اقتص واخذ حقہ دون السلطان، ج: ۳۸۶۶، ص: ۶۸۰

(4) الطلاق، ٦٥:١

(5) مسلم كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا نفقها: ٣٤١٠، ص: ٦٣٢

حلقہ میں موجود ایک شخص جلدی سے بولا: میں کرتا ہوں۔ حضرت ابو مسعودؓ نے ہاتھ میں کنکریاں پکڑ کر اسے دے ماریں اور فرمایا:

الحکم (6) مہ اہ کان یکرہ التسرع الی رک. جاؤ، صحابہ کرامؓ اس طرح جلدی منصف بن جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

سالم بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک صاحب اس وقت مسجد آئے جب حضرت عمرؓ خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ آنے کا کون سا وقت ہے؟ بولے کہ اے امیر المومنین! جب بازار سے لوٹا تو میں نے اذان سنی اور جلدی سے وضو کر کے چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: صرف وضو؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم بھی فرمایا کرتے تھے۔ (7)

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ صحابی حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ (8)

یہ حضرت عمر فاروقؓ کا ہی مقام تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو برسر عام اس انداز میں تنبیہ فرماتے ہیں۔ جبکہ عام داعی کے لیے یہ اسلوب بھی مفید ہوگا جبکہ اس کو معاشرے میں ایسا مقام حاصل ہو کہ لوگوں کی طرف سے منفی رد عمل کا خدشہ نہ ہو۔

اسی طرح ایک شخص طوافِ رخصت کئے بغیر چلا گیا تو حضرت عمرؓ اس کو مرام الظہر ان سے واپس پکڑائے اور اس کو اس وقت چھوڑا جب اس نے طواف کر لیا۔ (9)

ایک مرتبہ شرجیل بن سعید نے بازار میں ایک چڑیا پکڑی۔ حضرت زید بن ثابت نے دیکھا تو ان کو ایک تھپڑ رسید کیا اور چڑیا چھین کر اڑادی، اور اس کے بعد فرمایا:

اما علمت یا عدوّ نفسک، ان او اپنی جان کے دشمن! کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ حرم مابین لا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے؟

بتیہا (10)

(6) سنن أبي داود كتاب القضاء باب في طلب القضاء والشرع إليه ج: ٣٥٤٤، ص ٥١٢

(7) صحيح مسلم كتاب الجمعة، ج: ٥، ص: ٣٢٠ المسند، مسند عمر بن خطاب، ج: ٢٠٢، ص: ٥٠١.

الموطأ كتاب الجمعة، باب العمل في غسل يوم الجمعة، ج: ١، ص: ٨٦

(8) صحيح مسلم كتاب الجمعة، ج: ١، ص: ١٩٥٦، (9) الموطأ كتاب الحج باب وداع البيت، ج: ٣، ص: ٢٢٩.

(10) الممسند، حدیث زید بن ثابت، ج: ۲۱۱۶۲، ۲۴۷/۶



زمانہ جاہلیت میں نکاح کی مختلف صورتوں میں سے ایک نکاح شغار بھی تھی۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا تھا کہ وہ اس کے بدلے میں اپنی لڑکی یا بہن اس کی زوجیت میں دیدے اور یہ تبادلہ ہی مہر بھی ہوتا تھا اور عورت کو علیحدہ سے مہر نہیں ملتا تھا۔ جس کی وجہ سے عورت کی حق تلفی ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار کی سختی سے ممانعت فرمادی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں عباس بن عبد اللہ اور عبد الرحمن بن حکم نے اسی طریقہ پر اپنی لڑکیوں کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ کر دی۔ امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے مروان بن حکم حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ ان کے درمیان تفریق کروادی جائے کیونکہ یہ نکاح شغار ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی تھی۔ (11)

طیجہ اسدیہ نامی ایک خاتون، رشید ثقفی کے نکاح میں تھی اس نے اس کو طلاق دے دی اور اس نے عدت کے دوران ہی آگے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اسے پیٹا اور اس کے خاوند کو کئی درے مارے اور ان دونوں کے درمیان تفریق کروادی۔ (12)

جو عورتیں بیوہ ہو جائیں ان کے لیے تکمیل عدت سے پہلے گھر سے نکلنا جائز نہیں حضرت عمرؓ اس معاملے میں اس قدر سختی کرتے تھے کہ فوت شدگان کی بیوگان کو بیداء سے لوٹا دیتے اور انھیں حج سے روک دیتے تھے۔ (13)

محمد بن کعب قرظی روایت کرتے ہیں: حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں حضرت عبد الرحمن بن سہل انصاری جہاد کے لیے نکلے، اس وقت حضرت معاویہؓ ملک شام کے حاکم تھے۔ اسی اثنا میں حضرت عبد الرحمنؓ کے سامنے سے ایک تاجر کے کچھ اونٹ شراب کی مشکیں لادے ہوئے گزرے۔ حضرت عبد الرحمنؓ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کی مشکوں کو اپنے نیزے سے چاک کرنا شروع کر دیا۔ تاجر کے غلاموں نے عبد الرحمنؓ سے مزاحمت کی۔ حضرت معاویہؓ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے تاجر کے غلاموں سے کہا: ان سے درگزر

(11) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الشغار، ج: ۵، ص: ۲۰۷، ۲۰۸

(12) الموطا کتاب النکاح، باب جامع الامور من النکاح، ج: ۲، ص: ۶۰۳

(13) الموطا کتاب الطلاق، مقام التوفی عنھا زوجھا یتھا حتی تحل، ج: ۵، ص: ۵۳۷، ۳۶۸

کرو، بڑھاپے کے باعث ان کی عقل جاتی رہی ہے۔ حضرت عبد الرحمنؓ نے یہ سن کر فرمایا: کلا واللہ ما ذہب عقلی ولكن رسول اللہ ﷺ نہانا ان ندخل بطوننا واسقیتنا خمرًا (14)

”اللہ کی قسم میری عقل نہیں گئی بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم اپنے شکم میں باپانی کے ظروف میں شراب کو داخل کریں۔“

عروہ بن رویم سے روایت ہے: عبد اللہ بن قراء ثعالبی ایک رات حمص میں پہرہ داری کر رہے تھے، یہ حضرت عمرؓ کی طرف سے حمص کے گورنر تھے، کہ ان کے پاس سے ایک بارات گزری اور وہ لوگ بارات کے آگے آگے چلائے ہوئے چل رہے تھے۔ حضرت عبد اللہ نے ان لوگوں کو درہ سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ یہ لوگ اپنی بارات چھوڑ کر بھاگ گئے۔

صبح حضرت عبد اللہؓ منبر پر بیٹھے، اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ابو جندلہؓ نے حضرت امامہؓ سے نکاح کیا اور ان کے لیے تھوڑا سا کھانا تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ ابو جندلہؓ اور امامہؓ پر رحمت نازل فرمائے اور اللہ تمہاری گزشتہ رات کی دلہن اور باراتیوں پر لعنت بھیجے جنھوں نے آگ روشن کر رکھی تھی اور کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے نور کو بجھانے والا ہے۔ (15)

مذکورہ بالا واقعات میں چند امور قابل توجہ ہیں:

☆ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی مقام و مرتبہ اور اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہو، اس کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح کا کام انجام دے اور اس بات کا احساس کرے کہ اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، اور لوگ دوسروں کی نسبت اس کی بات زیادہ مان سکتے ہیں، اور جو کچھ وہ کر سکتا ہے دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔

☆ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقام و مرتبہ اور حیثیت کا غلط اندازہ نہ لگائے اور

(14) اسد الغابہ، تذکرہ عبد الرحمن بن سہل بن عبد الرحمن بن سہل بن زید، ص: ۲۹۹، المستدرک، تذکرہ عبد الرحمن بن سہل بن زید، ص: ۳۰۱

(15) الاصابہ، تذکرہ ابو جندلہؓ، ص: ۳۸



خود کو اپنے حقیقی مقام سے بلند تر مقام پر رکھ کر اس انداز سے کام نہ کرے جو اس کے لیے مناسب نہیں، کیونکہ اس طرح لوگ اس سے دور نہیں گئے اور اصل مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

☆ ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو اللہ نے جو عظیم مقام عطا فرمایا تھا اور عام لوگوں کے دلوں میں ان کی جو ہیبت تھی، دعوت و تبلیغ میں وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

☆ عام داعی کے لیے تنبیہ کے اس اسلوب کو اختیار کرنا بھی فائدہ مند ہو سکتا ہے جبکہ اس کو معاشرہ میں ایسا مقام حاصل ہو کہ مخاطب کی طرف سے کسی قسم کے منفی رد عمل کی توقع نہ ہو۔

☆ صحابہ کرامؓ اپنے خاص متعلقین شاگردوں اور اصحاب کو کسی اعرابی یا اجنبی کی نسبت زیادہ سختی سے تنبیہ کرتے تھے اور یہ سب کچھ حکمت میں شامل ہے، اور تنبیہ کرتے وقت حالات کا درست اندازہ کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

### غلطی کی فوری اصلاح

غلطی پر تنبیہ کرنے میں تاخیر کی صورت میں بعض اوقات اصلاح کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور فائدہ نہیں ہوتا، بعض اوقات موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے یا بعد میں بات کرنے کی کوئی مناسبت نہیں بنتی، یا ذہنوں میں واقعہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے اصلاح کی گفتگو میں وہ تاخیر نہیں رہتی۔ صحابہ کرامؓ کا طرز عمل اس حوالے سے ایک بہترین مثال ہے کہ انھوں نے جہاں بھی فوری اصلاح کی ضرورت محسوس کی تو بلا تاخیر حق کو واضح کر دیا۔

رومیوں کے خلاف اسلامی لشکر برسرِ پیکار تھا۔ ایک شخص نے دشمن پر اس قدر جوش سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفوں میں گھس گیا۔ اس پر تمام لوگوں نے شور کیا کہ سبحان اللہ اس نے اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ (اور ان کا اشارہ قرآن مجید کی آیت ولا تلقوا بحکمہ الی التہلکۃ) اس لشکر میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی موجود تھے۔ انھوں نے کہا: تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو؟ حالانکہ یہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب

اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان و انصار پیدا ہو گئے، تو ہم میں سے بعض لوگوں نے چوری چھپے کہا کہ ہماری جائیداد برباد ہو گئی، اب اسلام کے بہت سے حامی اور انصار پیدا ہو گئے ہیں، اس لیے اب ہم کو اپنی جائیداد کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ تو اللہ نے ہمارے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: **وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (16)** ہلاکت میں مت ڈالو۔

اس بناء پر جہاد ہلاکت نہیں ہے بلکہ جہاد چھوڑ کر معاش کی فکر میں مصروف ہو جانا ہلاکت ہے۔ (17)

یہ ایک ایسی فکری غلطی تھی کہ اگر حضرت ابوالیوب انصاریؓ اس کی فوری اصلاح نہ فرماتے تو نہ صرف اللہ کی راہ میں بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوتی بلکہ قرآن کی ایک آیت کا غلط مفہوم لوگوں کے ذہنوں میں پختہ ہو جاتا۔ لہذا آپؐ نے فوراً ایک فکری مغالطہ کی اصلاح فرما کر اس فتنے کو ختم فرما دیا۔

سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ امیر معاویہؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ صلح کر رکھا تھا ابھی مدت معاہدہ گزرنے نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاری شروع کر دی تاکہ مدت گزرتے ہی دشمن پر حملہ کر دیا جائے۔ فوج نے کوچ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور فرمایا: اللہ اکبر اللہ اکبر ایفائے عہد کرنا چاہیے۔ بدعہدی جائز نہیں۔ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

من کان بینہ وبين قوم عہد جس شخص اور کسی قوم میں عہد ہو تو جب تک عہد فلا یشد عقدہ ولا یحلہا کی مدت نہ گزر جائے، تب تک اس عہد کو نہ حتیٰ ینقضیٰ امدھا او ینبذ توڑے اور نہ نیا عہد باندھے اور جب عہد کی الیہم علی سواء مدت پوری ہو جائے تو برابری پر عہد کو توڑے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے یہ سن کر فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ (18)

(16) البقرة ۲: ۱۹۵ (17) جامع الترمذی، ابواب النبیۃ سورۃ بقرۃ، ج: ۲، ص: ۲۶۸

(18) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام یكون بینہ وبين العدا عہد فیسیر نحوہ، ج: ۲، ص: ۴۰۱



ایک دفعہ حضرت حسن بن علیؑ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابورافع مولیٰ النبیؐ بھی اتفاق سے آگئے۔ دیکھا کہ بال گندھے ہوئے ہیں۔ فوراً ہاتھ سے کھول دیے۔ انھوں نے برہمی کا اظہار کیا تو بولے: نماز پڑھیے، برہم نہ ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: **ذالک کفل الشیطان (19)** یہ چوٹی شیطان کا ڈاڑھا ہے۔

کریب مولیٰ ابن عباسؓ نے بھی اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عباسؓ نے عبداللہ بن حارث کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جبکہ ان کے بال گندھے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور بال کھولنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے: میرے سر نے آپ کا کیا تصور کیا ہے؟ بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

انما مثل هذا مثل الذی یُصلی ”جو شخص اس طرح نماز پڑھتا ہے اس کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہے جو نماز پڑھے اور اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں۔“

رومیوں کے ساتھ جہاد کے زمانے میں ایک بار جہاز میں بہت سے قیدی افسر تفسیمات کی نگرانی میں تھے۔ حضرت ابویوب انصاریؓ جو خود بھی شریک جہاد تھے، کا ادھر سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ قیدیوں میں ایک عورت ہے جو زار و قطار رو رہی ہے۔ ابویوبؓ نے اس کے رونے کا سبب دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر الگ کر دیا گیا ہے۔ ابویوبؓ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔ افسر مجاز نے امیر لشکر عبداللہ بن قیس سے اس امر کی شکایت کی۔ امیر نے باز پرس کی تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

من فرق بین والدہ وولدها جس نے ماں اور اس کے بیٹے میں جدائی ڈال دی، فرق اللہ بینہ و بین الاحبة روز قیامت اللہ اس کے اور اس کے عزیزوں میں **یوم القيامة (21)** جدائی ڈال دے گا۔

(19) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ، باب الرجل یصلی عاقصاً شعرہ، ج: ۶، ص: ۶۳، ۱۰۴

(20) ایضاً ج: ۶، ص: ۶۳، ۱۰۴ المسند، مسند عبداللہ بن عباسؓ، ج: ۶، ص: ۶۳، ۱۰۴، ۲۹۹

(21) المسند، حدیث ابی ایوب انصاریؓ، ج: ۶، ص: ۶۳، ۱۰۴، ۲۹۹

مسند الداری، کتاب الجہاد، باب انھی عن التفریق بین الوالدۃ وولدھا، ج: ۵، ص: ۲۳۸، ۶، ۶۷

ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے امارت کوفہ کے زمانے میں نماز عصر دیر سے پڑھائی۔ ابوسعود عقبہؓ بن عمرؓ انصاریؓ ان کے پاس آئے اور کہا کہ: اے مغیرہؓ یہ کیا ہے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑگانہ جبرائیل کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق پڑھاتے تھے اور فرماتے تھے:

**بہذا امرت (22)** مجھے اس طرح پڑھانے کا حکم ہے۔

مغیرہؓ بن شعبہؓ خود بھی جلیل القدر صحابی ہیں لیکن ان سے ایک لغزش ہوئی جس کے اثرات عوام الناس پر بھی ہو سکتے تھے۔ اس لیے ابوسعودؓ نے فوراً اصلاح کرنا ضروری خیال کیا۔

ایک بار زیاد بن صبیحؓ کھنی نے ابن عمرؓ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی، انھوں نے نماز میں اپنے ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابن عمرؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

**هذا الصلب في الصلوة** یہ نماز میں پھانسی کی وضع ہے، رسول اللہ ﷺ **وكان رسول الله ﷺ ينهي** نے اس سے منع فرمایا ہے۔

**عنه (23)**

ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگرود دیکھا تو کاٹ ڈالا اور کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

**ان مع کل جرس شیطاناً (24)** ہر گھنگرو کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ایک نوع کی بدعت تھی اس لیے اس پر ایسے ہی فوری اور سخت رد عمل کی ضرورت تھی۔

ابو مسلم العبدی کا بیان ہے: میں حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ تھا۔ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کا وضو ٹوٹ گیا تھا اور وہ موزوں کو اتار کر وضو کرنا چاہتا تھا۔ سلمان فارسیؓ

(22) صحیح البخاری، کتاب مواظبت الصلوٰۃ، باب مواظبت الصلوٰۃ وفضلھا، ج: ۵، ص: ۵۲۱، ۸۸

الموطا کتاب وقوت الصلوٰۃ، ج: ۱، ص: ۳۳

(23) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ، باب فی الخضر والاقعاء، ج: ۳، ص: ۹۰۳، ۱۳۸

(24) ایضاً، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی الجلاء، ج: ۳، ص: ۴۲۳، ۵۹۳



نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے موزوں، عمامے اور پیشانی پر مسح کرے، اور فرمایا:  
رأيت رسول الله ﷺ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے موزوں اور  
يمسح على خفيه وعلى عمامة مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

خماره (25)

چونکہ وہ شخص ایک شرعی رخصت کے بارے میں لاعلم تھا، اس لیے اس کی فوری اصلاح ضروری تھی۔ نیز سلمان فارسیؓ نے رسول اللہ ﷺ کا عمل بیان کر کے مخاطب کو پوری طرح مطمئن بھی کر دیا۔

یہاں مولیٰ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے طلوع فجر کے بعد نماز پڑھی تو ابن عمرؓ نے فرمانے لگے: اے یار! تم نے کتنی رکعت پڑھی ہیں؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا، فرمایا: میں جانتا ہوں، ایک دفعہ اسی طرح ہم لوگ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

ألا ليلغ شاهدكم غائبكم، سنو! تم میں سے جو لوگ حاضر ہیں وہ غائب  
 أن لا صلوة بعد الصبح الا تک پہنچا دیں کہ طلوع صبح کے بعد دو سجدوں  
 کے علاوہ نماز نہیں ہے۔  
 سجدتان (26)

ایک دفعہ حضرت عبادہ بن صامت نے عبداللہ بن عباد زرقی کو دیکھا کہ وہ چڑیاں رہے ہیں۔ چڑیاں ہاتھ سے چھین کر اڑا دیں اور بڑی شفقت سے فرمایا:

ای بنی! ان رسول اللہ ﷺ اے بیٹے! بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان کو حرم ما بین لا بتیہا کما وادیوں کے درمیان (یعنی مدینہ) کو حرم بنایا ہے۔ حرم ابراہیم مکہ (27) جس طرح ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا ہے۔

حضرت جعفر طہن ابی الحکم نے عبد الحکیم کو دیکھا کہ وہ کھانا کھاتے ہوئے ادھر ادھر ہر طرف سے کھا رہے تھے تو انھوں نے بڑی شفقت سے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مہ یا ابن اخی! ہکذا یا اکل اے میرے بھتیجے ایسا نہ کرو اس طرح شیطان کھاتا الشیطان، ان النبی ﷺ ہے۔ نبی کریم ﷺ جب کھانا کھاتے تو کبھی اپنے کان اذا اکل لم تعیدہ سامنے سے ہاتھ آگے نہ بڑھاتے تھے۔

(بین یدیدہ 28)

ایک دفعہ ابن عمرؓ کی بن سعید کے ہاں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ان کا ایک صاحبزادہ ایک مرغی پر تیر اندازی کر رہا ہے۔ ابن عمرؓ نے مرغی اور صاحبزادے دونوں کو پکڑ لیا اور ان کو یحییٰ بن سعید کے پاس لائے اور فرمایا: اس جانور کو ظلماً قتل کرنے پر ان صاحبزادے کی ذرا سرنش کریں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ جانوروں کو ظلماً قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ ہاں اگر تمہارا ارادہ اس کو ذبح کرنے کا ہے تو اس کو ذبح کرو۔ (29)

ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ بنت الحارث کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اپنی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپؓ نے دیکھ کر فرمایا: بیٹا پر اگندہ سر ہونے کا کیا سبب ہے؟ بولے ام عباسؓ نسوانی مرض (حیض) میں مبتلا ہے (وہی کنگھی وغیرہ کرتی تھی)۔ فرمایا اے بیٹے! کیا ہاتھ بھی حیض میں مبتلا ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹے اور قرآن پڑھتے اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں۔ پھر ہم میں سے کوئی اٹھ کر آپؐ کی چٹائی مسجد میں رکھ آتی تھی اور وہ اسی حالت میں ہوتی تھی۔ اے بیٹے! بھلا حیض اور ہاتھ کا کیا تعلق؟ (30)

ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی کنیز ابن عباسؓ کے گھر گئیں، دیکھا کہ میاں بیوی کے بستر الگ الگ ہیں۔ خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش وغیرہ ہوگئی ہوگی، لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رنجش تو کوئی نہیں البتہ حالت حیض میں میاں بیوی اپنے بستر الگ کر لیتے ہیں۔ کنیز نے واپس آ کر سیدہ میمونہؓ سے بیان کیا تو انھوں نے اس کو اسی وقت ابن عباسؓ کے پاس واپس بھیجا اور فرمایا کہ ان سے جا کر کہو: رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے اس

(28) اسد الغابہ، تذکرہ جعفر بن ابی الحکم، ۱/۲۸۶

(29) المسند، مسند عبد الله بن عمر، ج: ٥٦٣٩، ٢، ٢٢٣

(30) المسند حدیث میمونہ بنت الحارث زوج النبی ﷺ، ج: ۲۶۲-۲۶۵



قدر اعراض کیوں ہے؟ آپ ﷺ اسی حالت میں ہم لوگوں کے بستر پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ (31)

اسلام میں مطلقہ عورت کو حکم ہے کہ وہ عدت اپنے شوہر ہی کے گھر گزارے۔ اس حکم کے مخالف صرف فاطمہ بنت قیس کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے طلاق دی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا کر رہیں۔

بنو امیہ کے عہد خلافت میں جب یحییٰ بن سعید نے اپنی بیوی، جو کہ عبدالرحمن بن حکم کی بیٹی تھیں، کو طلاق دے دی تو ان کے والد نے فاطمہ بنت قیس والی شہادت کی بنا پر اپنی بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوایا۔ حضرت عائشہؓ نے اس عام حکم اسلامی کی مخالفت پر سخت اعتراض کیا۔ مروان اس زمانے میں مدینہ کا گورنر تھا۔ اس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو۔ اور فاطمہ بنت قیس والی حدیث کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں ہے، کیونکہ فاطمہؓ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارے پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دی تھی۔ (32)

گویا حضرت عائشہؓ کے نزدیک یہ واقعہ فاطمہ بنت قیس کے ساتھ خاص تھا اور اس سے عام استدلال درست نہیں اس لیے آپؐ نے اس غلطی کی فوری اصلاح کرنا ضروری خیال فرمایا۔

غلطی کرنے والے کا بایکاث رشدید اظہار ناراضی

دعوت و تبلیغ اور غلطی کی اصلاح کا یہ وہ اسلوب ہے جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا۔ بالخصوص جب غلطی یا گناہ بہت عظیم ہو تو اس وقت یہ اسلوب بہت مؤثر ہے، کیونکہ تعلقات منقطع کر لینے سے غلطی کرنے والے کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس اسلوب کی مثال حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھی صحابہؓ کا مشہور واقعہ ہے جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ تحقیق کر لی اور خود

(31) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب قصۃ فاطمہ بنت قیس، ج: ۵، ص: ۵۳۲۴، ۹۵۲

سنن ابی داؤد کتاب الطلاق، باب من انکر ذلک علی فاطمہ بنت قیس، ج: ۲، ص: ۲۲۹۵، ۳۳۳

(32) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، ج: ۲، ص: ۴۳۱۸، ۴۵۲/۴۵۹

انھوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ ان کے پاس جہاد سے پیچھے رہ جانے کا کوئی عذر نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو پوری شدت سے ان کا بایکاث کرنے کا حکم دیا۔ اس بایکاث کا ان صحابہؓ پر جو شدید اثر ہوا وہ حضرت کعبؓ کے الفاظ سے واضح ہے: اور زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو گئی۔ بالآخر اللہ نے ان حضرات کی توبہ قبول کر لی، امام بخاری نے یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (33)

صحابہ کرامؓ نے بھی غلطی پر تنبیہ کے لیے جو مختلف اسالیب اختیار کر کے اصلاح کا فریضہ انجام دیا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے بعض دفعہ غلطی کرنے والے کا بایکاث کر کے اور بسا اوقات اس سے شدید اظہار ناراضی کر کے اس کو اپنی غلطی کا احساس دلایا۔

اسحاق بن قیسہ روایت کرتے ہیں کہ فاروقی عہد خلافت میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری امیر معاویہؓ کی زیر قیادت رومیوں سے جہاد میں شریک تھے۔ انھوں نے لوگوں کو دیکھا کہ سونے کے ٹکڑے دیناروں سے اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے بیچ رہے ہیں، فرمایا:

یا ایہا الناس! انکم تاكلون اے لوگو! بے شک تم سود کھا رہے ہو، الربا، سمعت رسول اللہ ﷺ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ”يقول: لا تبتاعوا الذهب سونے کی سونے کے ساتھ خرید و فروخت نہ بالذهب الا مثلا بمثل لا کرو مگر جب برابر برابر ہو، اس میں نہ زیادتی زیادة بينهما ولا نظرة“ ہے اور نہ ادھار“

اس پر حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا: اے ابوولید! (عبادہ بن صامت کی کنیت) میرے خیال میں صرف ادھار کی صورت میں سود ہے۔ عبادہ بن صامت ان پر انتہائی برہم ہوئے اور فرمایا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے ظاہر کرتے ہو۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو جس سرزمین میں مجھ پر تمھاری حکومت ہے اس میں قیام نہ کروں گا۔ چنانچہ پلٹے تو سیدھے مدینہ چلے آئے۔ اور حضرت عمرؓ کو سارے واقعہ کی اطلاع دی تو انھوں نے

(33) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، ج: ۲، ص: ۴۳۱۸



امیر معاویہؓ کو خط لکھا کہ حق وہی ہے جو عبادہ بن صامت کہتے ہیں لہذا لوگوں کو اسی کے مطابق حکم دو۔ (34)

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ اس سے زیادہ سونے یا چاندی کے عوض خریدا، حضرت ابودرداءؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے سے منع فرماتے، مگر یہ کہ برابر برابر ہوں۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا: میرے خیال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابودرداءؓ کہنے لگے: ”معاویہؓ کے مقابلے میں میرا عذر کون قبول کرے گا؟ میں انہیں رسول اللہ ﷺ کا حکم بتا رہا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتا رہے ہیں، میں اس ملک میں نہیں رہوں گا جس میں آپؐ ہیں۔“

پھر حضرت عمرؓ کے پاس آگئے اور یہ بات انہیں بتائی تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ ایسی بیع نہ کیا کریں مگر وزن برابر ہو۔ (35)

غیلان بن سلمہؓ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ان میں کوئی چار اختیار کرلو۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں انھوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپؓ نے فرمایا:

”انی لأظن الشيطان فيما يسترق من السمع  
سمع بموتك فقدفه في نفسك، ولعلك ان  
لا تمكث الا قليلا، وأيم الله لتراجعن نساءك  
ولترجعن في مالك أولاً ورثهن منك ولأمرن  
بقبرك فيرجم كما رجم قبر أبي رغال“ (36)

”اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ شیطان جو چوری چھپے سنا

کرتے ہیں اس نے تیری موت کے بارے بھی سنا ہے اور تیرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تم تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہو گے۔ اور اللہ کی قسم! تم ضرور اپنی عورتوں اور مال سے رجوع کرو گے ورنہ میں ان کو تیری طرف سے وارث بنادوں گا اور تیری قبر پر سنگباری کا حکم دوں گا۔ جس طرح ابورغالؓ کی قبر کی گئی۔“

عبدالرحمن بن نعیم الاعرجی روایت کرتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے عورتوں سے متعہ کرنے کے بارے میں سوال کیا۔ ابن عمرؓ غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

والله ما كنا على عهد رسول الله ﷺ زانين ولا مسافحين“ حیاتی کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

ابن عمرؓ کا یہ اظہار ناراضی درحقیقت سائل سے زیادہ اس کے سوال کی نوعیت سے ہے۔ تاکہ مخاطب کے دل میں اس چیز سے نفرت پیدا ہو جائے۔ ایسا رو بہ سائل کے لیے اپنے اندر یہ پیغام رکھتا ہے کہ داعی کے دل میں اس برائی کے خلاف شدید نفرت موجود ہے اور وہ اس پر سمجھوتہ کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہے۔ (37)

ایک دفعہ حضرت فضالہ بن عبید کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ پانسوں سے کھیل رہے ہیں۔ وہ انتہائی غصہ میں اٹھے اور نہایت سختی کے ساتھ منع کیا اور ان لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو! نزد سے کھیلنا، سور کا گوشت کھانے اور خون سے وضو کرنے کے برابر ہے۔ (38)

(37) المسند،

(38) ادب المفرد، باب الغناء، ج: ۱، ص: ۳۲۶

☆ عبد الله بن عمروؓ سمعت رسول الله ﷺ يقول حين خرجنا معه الى الطائف فمررنا بقبر فقال رسول الله ﷺ: ”هذا قبر أبي رغال وهو أبو ثقفب وكان من ثمود وكان بهذا الحرم يدفع عنه فلما خرج اصابته النقيمة التي اصابت قومه بهذا المكان قد فن فيه وآية ذلك انه دفن معه غصن من ذهب ان انتم نشبتم عنه اصبتموه“ (البدایة والنہایة، ۳/۳۴۷)

(34) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ والتغلیظ علی من عارضه، ج: ۱۸، ص: ۳۰

(35) الموطا کتاب البیوع، بیع الذہب بالفضة تبرأ عینا، ج: ۵۷۰، ص: ۳۹۳

(36) المسند، مسند عبد الله بن عمرؓ، ج: ۴، ص: ۸۲، ۸۳



ایک دفعہ حضرت علیؑ نے پانسہ کھیلنے والے چند لوگوں کو دیکھا وہ ان کے پاس گئے اور انہیں صبح سے رات تک کے لیے قید کر دیا، ان میں سے بعض کو دو پہر تک کے لیے قید کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جو لوگ شرط لگا کر کھیلتے تھے انہیں رات تک کے لیے قید کیا اور جو لوگ یوں ہی کھیلتے انہیں دو پہر تک کے لیے قید کیا اور حضرت علیؑ حکم دیتے تھے کہ ان لوگوں کو کوئی سلام نہ کرے۔ (39)

اسلام میں خواتین کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ باریک لباس زیب تن کریں جس سے ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔ اسی طرح خواتین کیلئے ایسا تنگ لباس پہننا جس سے جسمانی اعضاء نمایاں ہوں قطعاً درست نہیں ہے۔ قرونِ اولیٰ میں صحابیات نہ صرف لباس کے معاملہ میں خود بہت حساس تھیں، بلکہ اگر ان کو اس نوعیت کی کوئی خرابی کہیں بھی نظر آئی تو انھوں نے پوری شعوری کوشش سے اس کا سد باب کیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبد الرحمنؓ نہایت باریک کپڑا اوڑھ کر پھوپھی کے پاس آئیں۔ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو شدید غصہ کی حالت میں دوپٹہ پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد دوسرا موٹا کپڑا منگوا کر اوڑھادیا۔ (40)

حضرت عائشہؓ کے ایک مکان میں کرایہ دار رہتے تھے۔ ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نزد کھیلتے ہیں، سخت برا فروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ نزد کی گویوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں تمہیں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔ (41)

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے سے خفا ہو جانا، تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے، ایک مفید تربیتی اسلوب ہے، لیکن یہ اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب غلطی کرنے والے کے دل میں خفا ہو جانے والے کا ایسا مقام ہو کہ وہ اس کی ناراضی یا بایکاٹ کو کسی صورت برداشت نہ کر سکتا ہو، ورنہ بصورت دیگر اس اسلوب کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوگا۔

(39) ادب المفرد، باب من لم یسلم علی اصحاب النور، ج: ۱، ص: ۳۲۶

(40) الموطا، کتاب اللباس، ما یکرہ للنساء، لیسہ من الثیاب، ج: ۱، ص: ۵۶۱

(41) ادب المفرد، باب الادب واخراج الذین یلعون بالنور، ج: ۱، ص: ۳۲۷

## غلطی کے ازالہ کے لئے حکم شرعی کا بیان

بعض اوقات پیش آمدہ حالات میں شرعی اصول ذہن سے اتر جاتا ہے، لہذا بعض اوقات محض اس اصول وقاعدہ کے اعلان و اظہار سے غلطی کرنے والا راہِ راست پر واپس آ جاتا ہے اور وہ خواب غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے۔ غلطی پر تنبیہ کے اس اسلوب کی سیرت صحابہ سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبدالرحمنؓ بن سمرہ کابل میں اسلامی فوج کے ہمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے اسلامی فوج کو دشمن پر غلبہ دیا، اہل فوج نے مال غنیمت لوٹ لیا، عبدالرحمنؓ بن سمرہ لوگوں میں خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

سمعت رسول اللہ ﷺ ینہی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ عن النہی فرڈوا ما أخذوا علیہ نے لوٹ مار کی ممانعت فرمائی فقسمہ بینہم (42) ہے۔ سب نے اپنا اپنا حصہ واپس کر دیا اور انھوں نے دوبارہ اس کو لوگوں میں تقسیم کیا۔

انس بن مالکؓ حکم بن ایوب کے پاس آئے دیکھا کہ چند نو جوان ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہے ہیں تو فرمایا:

نہی رسول اللہ ﷺ أن تصبر رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو ظلماً قتل کرنے سے منع فرمایا ہے البہائم (43)

ابن عمرؓ نے بازار میں ایک شخص سے زیتون کا تیل خریدا، مال ابھی وہیں رکھا تھا کہ دوسرا خریدار پیدا ہو گیا۔ اس نے ابن عمرؓ سے کہا کہ اتنا نفع دیتا ہوں مجھ سے سودا کر لیجئے بات کو پختہ کرنے کے لئے عبداللہ ابن عمرؓ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارنا چاہتے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا، دیکھا تو زید بن ثابتؓ تھے، کہنے لگے نہ پتہ پہلے مال یہاں سے اٹھوا لو کیونکہ:

(42) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی النہی عن النہی، ج: ۳، ص: ۲۷۰، ص: ۳۹۲

(43) سنن ابی داؤد، کتاب الفضایا، باب فی الرقیق بالذبیحہ، ج: ۱، ص: ۲۸۱، ص: ۴۱۰



فان رسول الله ﷺ نهی ان تُباع السلع حيث  
تبتاع حتى يحوزها التجار الى رحالهم (44)

سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ مروان کے زمانہ امارت میں جب ہنڈی کا رواج  
عام ہونے لگا اور ابوہریرہؓ کو خبر ہوئی تو مروان کو مخاطب کر کے فرمایا:

”احللت بيع الربا“ فقال ”تم نے سود حلال کر دیا“ مروان کہنے لگا:  
مروان: ”ما فعلت“ فقال ابو ”میں نے تو ایسا نہیں کیا“ ابوہریرہؓ نے فرمایا:  
”احللت بيع تم نے ہنڈی کو رائج کیا، حالانکہ رسول  
الصکا، وقد نهى رسول الله ﷺ نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت  
الله ﷺ عن بيع الطعام حتى تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع  
يستوفى“ اس کو ناپ نہ لے

چنانچہ اس حکم شرعی کے بیان کے بعد مروان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔ (45)

جاہلیت میں اہل عرب جنگی قیدیوں کو باندھ کر وحشیانہ انداز میں قتل کر دیتے  
تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی اور اس ظالمانہ فعل کو عملاً ختم کر دیا۔  
حضرت خالد بن ولید کے صاحبزادے عبدالرحمن کے پاس کسی جنگ میں چار قیدی لائے  
گئے تو انھوں نے ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا، چنانچہ ان قیدیوں کو باندھ کر بڑے وحشیانہ  
انداز میں قتل کر دیا گیا۔ حضرت ابویوب انصاریؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فرمایا:

سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن قتل الصبر،  
فوالذى نفسى بيده لو كانت دجاجة ما صبرتها  
”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ اس قسم کے وحشیانہ قتل سے منع فرماتے  
تھے، اور میں تو اس طرح مرغی کا مارنا بھی پسند نہیں کرتا“

راوی کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو آپ ﷺ کی اس برافروختگی اور زجر

(44) سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی بیع الطعام قبل ان يستوفى، ج: ۳۳۹۹، ص: ۵۰۳

المسنند، حدیث، نہ یذہبن ثابت، ج: ۲۱۱۶۰، ص: ۲۳۶۶

(45) صحیح مسلم، کتاب المویع، باب بطلان بیع المویع قبل القبض، ج: ۳۸۳۹، ص: ۴۴۳

توبخ کا علم ہوا تو انھوں نے بطور کفارہ چار غلام آزاد کئے۔ (46)

عینیہ بن عبدالرحمن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جو عثمان بن ابی العاص کے  
جنارہ میں شریک تھے۔ وہ کہتے ہیں: ہم لوگ آہستہ آہستہ چل رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ بھی  
ہمارے ساتھ ہو گئے (جب انھوں نے ہماری رفتار کو اس قدر تیز دیکھا) تو کوڑا اٹھا کر کہا:

نحن مع رسول الله ﷺ فمئل ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوڑتے  
ہوئے چلتے تھے

رملا (47)

قیس بن ابی حازم کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو ایام حج میں قبیلہ احس کی زینب نامی  
خاتون کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ حج کے دوران کسی سے بات نہیں کر رہی۔ سیدنا ابو بکرؓ  
اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بات نہ کرنے کی وجہ پوچھی، لوگوں نے بتایا کہ  
اس نے خاموش حج کرنے کا ارادہ کیا ہے، فرمایا:

تکلمی! فان هذا لا يحل، ”بات کرو! بے شک یہ اسلام میں جائز  
هذا من عمل الجاهلية“ نہیں، یہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ اس عورت  
فتكلمت فقالت: من أنت؟ نے کہا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: ابو بکرؓ۔“

قال: انا ابو بکرؓ (48)

حضرت ابویوب انصاریؓ نے پاخانے قبلہ رخ بنے دیکھے تو ان پر سخت ناپسندیدگی کا  
اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ پاخانوں کے ساتھ کیا معاملہ  
کروں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ الْغَائِطَ ”جب تم میں سے کوئی پاخانہ یا  
أَوِ الْبَوْلَ، فَلَا يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ پیشاب کرنے جائے تو قبلہ کی جانب منہ کر  
وَلَا يَسْتَدْبِرُهَا بَعْدَ رَجْعِهِ“ (49) کہ نہ پیٹھے اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرے۔“

(46) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب قتل الاسیر بالليل، ج: ۲۲۸۷، ص: ۲۸۹

(47) ایضاً کتاب الجناز، باب الاسرع بالجنازة، ج: ۳۱۸۲، ص: ۳۶۳-۳۶۵

(48) صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاہلیۃ، ج: ۳۸۳۳، ص: ۶۳۳

(49) الموطا کتاب القبلة، باب النہی عن استقبال القبلة، ج: ۲۲۱، ص: ۱۳۱



ابن عباسؓ کا کچھ لوگوں پر گزر ہوا جو ایک مرغی کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ ان سے فرمایا:

نہی رسول اللہ ﷺ ان يتخذ "رسول اللہ ﷺ نے جاندار کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

الروح غرضاً (50)

مجاہدؒ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس سے جنازہ گذرنا تو ابن عمرؓ نے فرمایا آؤ جنازہ میں شامل ہو جائیں، یہ کہہ کر آپؐ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا جب ہم قبرستان کے قریب ہوئے تو ابن عمرؓ نے پیچھے سے رونے والی کی آواز سنی۔ ابن عمرؓ میرے ہمراہ واپس پلٹے اور اس کے پاس آکر گویا ہوئے: یہ بہت بری چیز ہے اور پھر فرمایا:

نہی رسول اللہ ﷺ أن "رسول اللہ ﷺ نے ایسے جنازہ کے ساتھ چلنے تتبع جنازة معها رنة (51) سے منع کیا ہے جس کے ساتھ رونے والی عورتیں ہوں۔"

ان واقعات میں درج ذیل امور قابل توجہ ہیں:

☆ تنبیہ کا یہ اسلوب غافل کو یاد دہانی کا ایک عمدہ طریقہ ہے جس کی وجہ سے مخاطب کے راہ راست پر آنے کی قوی امید ہوتی ہے۔

☆ اس اسلوب میں چونکہ داعی اپنی رائے کے اظہار کی بجائے حکم شرعی بیان کرتا ہے اس لیے اس کی بات میں زیادہ قوت اور زور ہوتا ہے جس کی وجہ سے مخاطب کا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔

☆ اس اسلوب کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر غلطی کی تلافی ممکن ہو تو مخاطب ایسا کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مالی غنیمت لوٹ لینے والی فوج کے سامنے جب حضرت عبدالرحمنؓ نے حدیث رسولؐ کی صورت میں حکم شرعی بیان کیا تو انھوں نے فوراً مالی غنیمت واپس کر دیا اور اس کو دوبارہ شرعی طریقے سے تقسیم کر دیا گیا اسی طرح مروان نے ہنڈی کے طریقہ کو صورت مسئلہ واضح ہونے پر منسوخ کرنے کا حکم دیا۔

(50) المسند، مسند عبد اللہ بن عباسؓ، ج: ۱، ۲۳۷، ۳۵۱/۱

(51) المسند، مسند عبد اللہ بن عمرؓ، ج: ۱، ۵۱۳، ۲۲۱/۲

☆ اگر غلطی کی عملی تلافی ممکن نہ ہو تو کم از کم غلطی کرنے والے کو توبہ کا موقع مل جاتا ہے۔ جیسا کہ عبدالرحمن بن خالدؓ بن ولید نے چار قیدیوں کو باندھ کر قتل کروایا تو جو نبی انھیں اپنی غلطی کا احساس دلایا گیا تو انھوں نے توبہ کی اور فدیہ میں چار غلام آزاد کئے۔

غلطی کا نقصان واضح کرنا

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لیے غلطی سے پیدا ہونے والی خرابیوں اور اس کے برے نتائج کی وضاحت بڑی اہم چیز ہے بعض اوقات غلطی کا نتیجہ خود غلطی کرنے والے کے حق میں ہی برا ہوتا ہے۔ اس لیے مخاطب کو غلطی کے ارتکاب کی صورت میں اس کے نتائج و عواقب سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ بعض اوقات اس کے نتیجہ میں دوسروں کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے، اس کی وضاحت بھی ضروری ہوتی ہے، صحابہ کرامؓ نے بارہا ہر دو قسم کے نقصانات کو بیان کر کے مخاطب کو غلطی کے ارتکاب سے بچایا۔

رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی جن رسومات کو مٹا دیا تھا ان میں سے ایک رسم مردے کی لاش پر نوحہ کرنے کی بھی تھی۔ اہل کوفہ نے اس رسم کو پھر زندہ کرنا چاہا، چنانچہ علی بن ربیعہ سے روایت ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے قرظہ بن کعب کی میت پر نوحہ کیا گیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معلوم ہوا تو کہا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من ینح علیہ فانہ یعذب بما ینح "جس شخص پر نوحہ کیا گیا اس پر روز قیامت علیہ یوم القيامة (52) اس کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ جب ابو لؤلؤ فیروز کے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئے اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو آپؓ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ شدت غم سے رونے لگیں حضرت عمرؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

مهلأ یا بنیۃ! الم تعلمی ان رسول اللہ ﷺ قال: ان المیت

یعذب ببکاء اہلہ علیہ (53)

(52) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ، ج: ۱، ۲۱۵، ۳۷۶

(53) ایضاً کتاب الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ، ج: ۱، ۲۱۳، ۳۷۳



”اے بیٹی مت رو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے

عذاب دیا جاتا ہے ☆۔“

اس طرح بعض اوقات غلطی کرنے والے کو غلطی سے روکنے کا یہ بھی ایک مؤثر طریقہ ہے کہ اسے بتایا جائے کہ غلطی کے ارتکاب کی صورت میں خود اس کو گھائے اور شدید نقصان کا خطرہ ہے۔

نضر بن انس کا بیان ہے کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جبکہ وہ لوگوں کو فتویٰ دے رہے تھے کہ اسی دوران ان کے پاس عراق سے ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں تصویریں بناتا ہوں۔ اس بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا اس کو میرے قریب کر دو پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

☆ ان احادیث کو یہاں موضوع کی وضاحت کے لئے درج کیا گیا ہے ورنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ اور اس مفہوم کی دیگر تمام احادیث کی رو سے انکار کیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ وفات پا گئے ان کے اس قول کا میں نے حضرت عائشہؓ سے ذکر کیا تو وہ فرماتے لگیں:

یرحمہ اللہ عمر، لا واللہ! ما حدث رسول اللہ ﷺ! ان اللہ یعذب المؤمن بیکاء احد ولكن قال: ان اللہ یزید الکافر عذاباً بیکاء اہلہ علیہ، وحسبکم

القرآن، ولا تذر وازرة وذر اخری (i)

عمر پر اللہ رحم فرمائے! اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا، اللہ مومن کو کسی کے رونے سے عذاب دیتا ہے، بلکہ آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے اہل خانہ کے اس رونے سے عذاب دیتا ہے۔ اور تمہیں قرآن کا یہ حکم، اور کسی دوسرے کا بوجھ

دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا، کافی ہے۔ (ii)

حضرت عائشہؓ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک یہودی کی قبر پر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ”اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے جب کہ اس کے اہل خانہ اس پر رورہے ہیں۔ (iii)

(i) فاطر ۱۸ (ii) صحیح مسلم، کتاب الجنائز باب المیت یعذب بیکاء اہلہ، ج: ۲، ۲۱۵۰، ۲۷۴

(iii) سنن ابی داؤد کتاب الجنائز، باب فی النوح، ج: ۲، ۳۱۲۹، ۳۵۸

من صور صورة فی الدنیا ”جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی، قیامت یکلف یوم القيامة أن ینفخ کے دن اسے حکم دیا جائے گا کہ اس میں روح فیہ الروح ولیس بنافخ (54) ڈالو اور وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔“

دوسری روایت میں مزید وضاحت ہے کہ آپؐ نے اس کو اپنے قریب کیا اور پھر بڑے پیار اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”کل مصور فی النار، یجعل“ ”ہر مصور جہنم میں ہوگا، جس جاندار کی اس نے بکل صورة صورھا نفس تصویر بنائی ہوگی اسی کے ذریعہ اسے جہنم میں تعذبه فی جہنم، فان کنت عذاب دیا جائے گا۔ اور اگر تم نے ضرور ہی لابد فاعلاً فا جعل الشجر تصویریں بنائی ہیں تو درختوں اور غیر جاندار ومالا نفسه“ (55) چیزوں کی بناؤ۔“

فلسطين میں کچھ لوگوں کو جزیہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے سخت سزا دی جا رہی تھی۔ حضرت ہشام بن حکیم کا ادھر سے گذر ہوا تو سخت انداز میں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

”ان اللہ یعذب یوم“ ”بے شک اللہ تعالیٰ روز قیامت ان لوگوں کو عذاب القیامة الذین یعذبون دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔“

الناس فی الدنیا (56)

امیر معاویہؓ نے حضرت مالک بن عبد اللہؓ کو یہ لکھا کہ خمس علیحدہ کرتے وقت مال غنیمت میں سے بہترین مال میرے لیے منتخب کر لیا جائے، لیکن حضرت مالک بن عبد اللہؓ

(54) صحیح البخاری کتاب اللباس والزیۃ تحریم تصویر صورة الخی ان..... ج: ۵۵۴۱، ص: ۹۳۵

المسند، مسند عبد اللہ بن عباسؓ، ج: ۲، ۲۱۶۳، ۳۰۰۱

(55) المسند مسند عبد اللہ بن عباسؓ، ج: ۲، ۲۶۰۶، ۵۰۶۱

(56) المسند حدیث ہشام بن حکیم، ج: ۱۵۴۱۹، ۵۱۰/۴



نے اس حکم کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ جب امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئے تو امیر معاویہؓ نے اس معاملہ کی باز پرس کی، تو انہوں نے بڑی دلیری اور سچائی کے ساتھ جواب دیا:

”خدا ہم دونوں کو غرق کرے۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تو جہنم کے ایک کونے میں گھسا بیٹھا ہو اور دوسرے کونے میں میں، فرشتوں نے مجھے جکڑ رکھا ہو۔ تو مجھ پر لعنت بھیجے میں اسے تیرا فعل قرار دوں اور تو اسے میرا فعل قرار دے۔“ (57)

ایک بار رات کے وقت خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان نے اپنے خادم کو آواز دی اس نے آنے میں دیر کر دی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت ام الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں۔ صبح ہوئی تو فرمایا تم نے رات اچھے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ میں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے۔

”لَا يَكُونُ اللَّعَانُونَ شَفَعَاءَ وَلَا“ (58) ”لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شہداء، یوم القیامة“ (58) شفعاء یا شہداء نہ ہونگے۔“

اگر داعی غلطی کرنے والے کی اصلاح کرتے وقت تنبیہ کے اس اسلوب کو اختیار کرے تو قوی امید ہے کہ اس کی دعوت کارگر ہوگی، کیونکہ فطری طور پر کوئی بھی انسان نقصان کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ نقصان اس کا اپنا ہو یا کسی دوسرے مسلمان بھائی کا۔ بالخصوص اگر غلطی کے مرتکب شخص پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ غلطی کے ارتکاب کی صورت میں فائدہ بالکل ہی نہیں اور نقصان ایسا ہے کہ جس کی تلافی بھی ممکن نہیں تو قوی امید ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس برائی میں مبتلا ہونے سے بچالے گا۔

لا علم اور جان بوجھ کر غلطی کرنے والے میں فرق کرنا

غافل کو یاد دہانی اور جاہل کو تعلیم دینے کی ضرورت ہے، جسے کوئی شبہ یا غلط فہمی ہو اسے

(57) اسد الغابہ تذکرہ مالک بن عبد اللہ، ۲/۲۸۴

(58) صحیح مسلم کتاب البر والصلة والادب، باب النبی عن لعن الدواب وغیرہا،

پوری وضاحت اور دلائل کے ساتھ بات سمجھانے کی ضرورت ہے۔ جبکہ غلطی پر اصرار کرنے والے کو نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا یہ کسی طرح بھی درست نہیں کہ مسئلہ سے واقف اور ناواقف کو ایک ہی انداز سے تنبیہ کی جائے۔ بلکہ جاہل پر ترقی کرنے سے عام طور پر اس کے دل میں نفرت اور انکار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور بسا اوقات یہ ردِ عمل بڑا نا مناسب اور سخت بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ مخاطب کے مخالفانہ رویے سے بچنے کے لیے پہلے اس کو نرمی اور محبت کے ساتھ تعلیم دے اور اس کی غلط فہمی کو دور کرے۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے: ایک آدمی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں اور میرے ایک ساتھی نے تنگ گھاٹی میں گھوڑے ڈالے تو ہم نے احرام کی حالت میں ایک ہرن مار گرایا آپؐ کا کیا خیال ہے؟ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی سے فرمایا جو ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آؤ تاکہ میں اور آپؐ حکم کریں۔

راوی کا بیان ہے کہ دونوں نے ایک بکری کا حکم کیا۔ وہ آدمی واپس جاتے ہوئے کہہ رہا تھا: یہ امیر المؤمنینؓ ہیں جو ایک ہرن کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ ایک آدمی کو بلا کر فیصلہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بات سن کر اسے بلایا اور فرمایا: کیا تم سورۃ المائدہ پڑھتے ہو؟ کہا: نہیں، فرمایا: کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے میرے ساتھ فیصلہ کیا؟ کہا: نہیں، فرمایا: اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم نے سورۃ المائدہ پڑھی ہے تو میں تمہاری پٹائی کرتا۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (59)

اور یہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں۔ (60)

افریقہ کے قاضی عبدالرحمن بن رافع القوخی کا بیان ہے کہ جب حضرت معاویہؓ بن جبل شام گئے تو انھوں نے دیکھا کہ اہل شام وتر نہیں پڑھتے۔ انہوں نے امیر معاویہؓ سے پوچھا

(59) المائدہ، ۵: ۹۵

(60) الموطا، کتاب الحج، باب فدیۃ ما صیب من الطیر والوحش، ج: ۵، ص: ۲۷۵



کیا وجہ ہے میں دیکھتا ہوں کہ اہل شام وتر نہیں پڑھتے؟ امیر معاویہؓ نے کہا: کیا یہ ان پر واجب ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔

زادنی ربی صلاة وہی ”میرے رب نے مجھ پر ایک نماز زائد کر دی  
الوتر، وقتها ما بین العشاء الی ہے اور وہ وتر ہے، جس کا وقت عشاء اور طلوع  
طلوع الفجر (61) فجر کے درمیان ہے۔“

ایک شخص ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا، جس سے وہ حاملہ ہو گئی۔ حضرت  
عمرؓ کو پتہ چلا تو سخت ناراضی کی حالت میں چادر گھسیٹتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا:

هذه المتعة ولو كنت  
تقدمت فیہا لرجمت (62) اعلان کیا ہوتا تو اس شخص کو سنگسار کرتا۔“

ایک دن حضرت ام سلمہؓ نے اپنے بھتیجے کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، چونکہ سجدہ گاہ غبار  
آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: پھونکیں مت مارو  
کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے رباح نامی غلام نے جب حالت نماز میں ایسا کیا تھا تو  
آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

ترب وجهک یا رباح ”اے رباح! تو اپنا چہرہ (اللہ کی راہ میں) غبار آلود  
کرتا ہے (لہذا اس کو صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے)۔“ (63)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ لا علمی میں غلطی کرنے والے کو معذور  
سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ نرم رویہ رکھتے تھے اور اس کو تعلیم دینا ضروری خیال کرتے تھے۔  
جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اعتراض کرنے والے شخص کو محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کیونکہ وہ مسئلہ  
کی حقیقت سے لاعلم تھا، نیز آپؐ نے اس کو حکم شرعی کی تعلیم بھی دی۔

(61) المسند، حدیث معاویہ بن جبل، ج: ۲، ۲۱۵۹۰: ۳۲۰/۶

(62) الموطا کتاب النکاح، باب نکاح المتعہ، ج: ۲، ۶۱۷: ۳۲۱

(63) المسند حدیث ام سلمہ زوج النبی ﷺ، ج: ۲، ۲۶۲۰۳: ۳۵۵۷

لا علمی میں غلطی کرنے والا شخص غیر شعوری طور پر راہِ راست سے ہٹ جاتا ہے بلکہ  
بعض اوقات وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے، لہذا ایسے شخص کی غلط فہمی کو دور کرنا داعی کا اولین  
کام ہے۔ اور اگر وہ غلط فہمی میں گناہ کا ارتکاب کر چکا ہو تو ایسے شخص اور جان بوجھ کر غلطی  
کرنے والے کی اصلاح کرتے وقت ایک ہی صف میں کھڑا کرنا درست نہیں ہے۔

کسی کو غلطی پر قرار دینے میں جلدی نہ کریں

داعی اور مبلغ کسی مسئلہ میں حکم شرعی سے واقف ہو اور پھر اس کے سامنے اس کے  
خلاف دوسرا قول یا حکم شرعی بیان کیا جائے تو اسے چاہیے کہ تحقیق کے بغیر اسے غلط قرار نہ  
دے، ممکن ہے کہ اس قول کو قبول کرنے کی گنجائش موجود ہو۔ اس نکتہ کی توضیح میں حضرت عمرؓ  
کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بہترین مثال ہے وہ خود فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک بار میں نے ہشام بن حکیم بن  
حزام کو سورة الفرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ میں ان کی  
قرأت توجہ سے سننے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کئی الفاظ اس انداز  
سے پڑھ رہے ہیں جس طرح مجھے رسول اللہ ﷺ نے نہیں  
پڑھائے تھے۔ میرا جی چاہا کہ انہیں نماز ہی میں پکڑ لوں، لیکن  
میں نے صبر کیا، حتیٰ کہ انھوں نے سلام پھیر لیا۔ تب میں نے انھیں  
ان کی چادر سے پکڑ کر کہا: ”آپؐ کو یہ سورت کس نے سکھائی  
ہے جو میں نے آپؐ کو پڑھتے سنا ہے؟“ انھوں نے کہا: ”مجھے  
رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے؟“ میں نے کہا: ”آپؐ غلط کہتے  
ہیں جس طرح آپؐ نے پڑھی ہے، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس  
سے مختلف انداز سے پڑھائی ہے۔“ میں انھیں پکڑ کر رسول  
اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گیا اور عرض کیا: میں نے انھیں  
سورة الفرقان کے کئی الفاظ اس طرح پڑھتے سنا ہے جس طرح  
آپ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



”انہیں چھوڑ دیجیے“ اور فرمایا: ”ہشام! پڑھیے انہوں نے سورت اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح نازل ہوئی ہے۔“ پھر فرمایا: عمر! آپ پڑھیے، میں نے اسی طرح پڑھی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح نازل ہوئی ہے۔“ اور پھر ارشاد فرمایا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةٍ ”یہ قرآن سات طریقوں پر نازل احرف فاقروا ماتیسر من (64) ہوا ہے۔ لہذا جو طریقہ آسان معلوم ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو۔“

نافع اور عبد اللہ بن دینار کا بیان ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو فہم میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس گئے جو وہاں کے امیر تھے۔ انہیں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا۔ سعد بن ابی وقاص نے ان سے فرمایا کہ جب اپنے والد محترم کی خدمت میں جاؤ تو ان سے دریافت کرنا۔ عبد اللہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ سے اس بارے میں پوچھنا بھول گئے، یہاں تک کہ حضرت سعد شریف لے آئے اور فرمایا: کیا تم نے اپنے والد سے پوچھا تھا؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ کے سوال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ جب تم اپنے پاک پیروں میں موزے پہنا کر تو موزوں پر مسح کر لیا کرو۔ حضرت عبد اللہ نے عرض کیا کہ خواہ کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے؟ فرمایا: ہاں۔ (65)

(64) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب انزل القرآن علی سبعة احرف، ج: ۴، ص: ۴۹۴

جامع الترمذی، ابواب القرآن، باب ما جاء ان القرآن انزل سبعة احرف، ج: ۴، ص: ۶۹۳،

الموطا، کتاب القرآن، باب ما جاء فی القرآن، ج: ۲، ص: ۲۳۵،

المسند عمر بن خطاب، ج: ۱، ص: ۱۵۹،

(65) الموطا، کتاب الطہارة، باب ما جاء فی المسح علی الثمین، ج: ۳، ص: ۵۱،

حضرت ابو سعید خدریؓ جب ایک سفر سے اپنے گھر واپس لوٹے اور گھر والوں نے ان کے آگے گوشت رکھا تو فرمایا: کہیں یہ گوشت قربانی کا تو نہیں؟ بتایا گیا قربانی کا ہے۔ تو حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا؟ عرض کی گئی کہ آپ کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ تحقیق کے لئے باہر نکلے تو انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تین روز کے بعد قربانی کا گوشت نہ

کھانا لیکن اب کھاؤ، خیرات کرو اور جمع کرو“ (66)

ان واقعات میں ہر داعی کے لئے چند امور قابل توجہ ہیں:

☆ داعی کے سامنے اگر کوئی دوسرا قول پیش کیا جائے جس سے وہ واقف نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ تحقیق کے بغیر اس کو غلط قرار نہ دے، ایسا نہ ہو کہ جلدی میں کئے گئے فیصلہ پر بعد میں پچھتا نا پڑ جائے۔

☆ اگر کسی مسئلہ میں مختلف آراء اور متضاد اقوال سامنے آئیں تو بہتر یہ ہے کہ داعی خود تحقیق حال کیلئے نکلے جیسا کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ نے خود مسئلہ کی تحقیق فرمائی۔

☆ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیم بن حزام کے واقعہ میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ غلطی کے ارتکاب پر سزا دینے میں جلدی کرنا بھی درست نہیں ہے۔

### یاد دہانی

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے درست سمجھ کر ہی ٹکر رہا ہوتا ہے۔ اس صورت میں داعی کیلئے فقط اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مخاطب کو اصل مسئلہ یاد دلادے اور غلطی سے آگاہ کر دے۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت سے اس اسلوب دعوت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت حمام کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت حذیفہؓ نے مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کی۔ حضرت ابو مسعودؓ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا، وہ نماز

(66) الموطا، کتاب الضحایا، باب ادخار الخوم الاضاحی، ج: ۴، ص: ۳۰۸،



سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

ألم تعلم انهم كانوا ينهون عن "کیا تمہیں خبر نہیں کہ (عہد نبوت میں) ذالک" قال: بلی قد ذكرت لوگ اس سے روکے جاتے تھے، بولے: تم حین مدد تنی (67) نے دامن کھینچا تو مجھے یاد آیا۔

مدائن میں ایک دوسرے موقع پر حضرت عمار بن یاسرؓ چبوترے پر چڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے تو حضرت حذیفہؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چبوترے سے نیچے کھینچ لیا۔ عمار بن یاسرؓ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ان کو یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا:

ألم تسمع رسول الله ﷺ يقول: "کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں اذا ام الرجل القوم فلا يقيم في سنا کہ جب کوئی کسی قوم کی امامت کروائے تو مکان ارفع من مقامهم قال ان سے بلند جگہ پکھڑا نہ ہو؟ حضرت عمارؓ عمار: لذالک اتبعک حین نے فرمایا: اسی لیے جب تم نے میرا ہاتھ پکڑا أخذت علی یدی (68) تو میں پیچھے ہٹ گیا۔

یزید بن اوسؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کی عیادت کے لیے گیا۔ اس وقت ان پر موت کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ ان کی بی بی رونے لگی، ابو موسیٰ اشعرؓ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أما سمعت ما قال رسول "کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی خبر الله ﷺ؟ قالت: "بلی" قال: نہیں؟ وہ نور آپ ہو گئیں۔ فسکت

راوی کہتے ہیں کہ جب ابو موسیٰؓ کی وفات ہو گئی تو میں نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ کون سا فرمان تھا جس کی یاد دہانی ابو موسیٰؓ نے آپ کو کرائی تھی اور آپ خاموش ہو گئی تھیں کہنے لگیں آپ ﷺ کا یہ فرمان:

(67) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم، ج: ۵۹۷، ص: ۹۸

(68) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم، ج: ۵۹۸، ص: ۹۸

ليس منّا من حلق و من سلق "جو شخص (میت کے غم میں) سرمند و اڈالے و من خرق (69) یا چلا کر روئے یا کپڑے پھاڑے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت مقدمؓ بن معد یکدب، عمرو بن اسود اور بنی اسد کا ایک آدمی وفد کی صورت میں امیر معاویہؓ کے پاس آئے، حضرت مقدمؓ نے امیر معاویہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: میں آپؓ سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں اگر سچ ہوں تو ماننا اور اگر جھوٹ ہوں تو رد کر دینا، انھوں نے کہا: فرمائیے، مقدمؓ نے کہا: میں تم کو خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے ریشم پہننے سے منع نہیں فرمایا؟ انھوں نے کہا: ہاں، پوچھا: میں تم کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہیں سنی؟ کہا: ہاں، پوچھا: میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھال پہننے اور اس کے بچھانے سے منع نہیں فرمایا؟ کہا: ہاں، حضرت مقدمؓ نے کہا: خدا کی قسم میں یہ تمام چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں۔ اس پر امیر معاویہؓ نے کہا: مقدمؓ! مجھ کو یقین ہے کہ میری تمہارے سامنے پیش نہ چلے گی، چنانچہ اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور حکم دیا کہ مقدمؓ کو ان کے ساتھیوں کی نسبت زیادہ انعام دیا جائے۔ (70)

حضرت خالد بن حکیمؓ بن حزام کا گذر ابو عبیدہ بن الجراحؓ پر ہوا، دیکھا کہ وہ کچھ لوگوں کو جزیہ کی وجہ سے سزا دے رہے ہیں حضرت خالدؓ نے ان کو یاد دہانی کے انداز میں کہا: أما سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان اشد الناس عذابا فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ قیامت میں سب سے پوم القيامة اشدّهم عذابا فی زیادہ سخت سزا اس شخص کو ملے گی جو دنیا میں الدنيا فقال: اذهب فخلّ دوسروں کو سخت سزا دیتا ہے۔ ابو عبیدہؓ نے جواب سبيلهم (71) دیا: اچھا جاؤ ان کو چھوڑ دو۔

(69) سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح، ج: ۳۱۳۰، ص: ۵۹۷

(70) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی جلود النور و السباع، ج: ۴۱۳۱، ص: ۵۸۱

(71) اسد الغابہ، تذکرہ خالد بن حکیم بن حزام، ج: ۸۰، ص: ۷۸



عبدالرحمن بن زید انصاری کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک جب عراق سے آئے تو حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت ابی بن کعب ان کے پاس تشریف لائے۔ انھوں نے ان کے سامنے آگ سے پکا ہوا کھانا پیش کیا۔ انھوں نے اس سے کھایا پھر حضرت انسؓ کھڑے ہوئے اور وضو کیا تو ابوطلحہؓ اور ابی بن کعب نے فرمایا: اے انسؓ! کیا یہ عراق کا اثر ہے؟ انسؓ فرماتے ہیں "لیتینی لم افعل" کاش میں ایسا نہ کرتا، پھر ابوطلحہؓ اور ابی بن کعب نے بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ (72)

یعلیٰ بن امیہ کا بیان ہے:

طففت مع عمر بن الخطاب فاستلم الركن، قال يعلیٰ: فكننت مما يلي البيت فلما بلغت الركن الغربي الذي يلي الا سود جررت بيده ليستلم، فقال: ماشأنك؟ فقلت: ألا تستلم؟ قال: ألم تطف مع رسول الله ﷺ؟ فقلت: بلى، فقال: أفرأيت يستلم هذين الركنين الغربيين قال: قلت: لا، قال: أفليس لك فيه أسوة حسنة؟ قال: قلت: بلى، قال: فانفذ عنك" (73)

"میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ طواف کیا تو انھوں نے حجر اسود کا استلام کیا۔ یعلیٰ کہتے ہیں: پس میں بیت اللہ کے سامنے تھا، جب میں مغربی کوئے تک پہنچا جو حجر اسود کے ساتھ ملا ہوا ہے تو میں نے ان کے ہاتھ کو کھینچا تا کہ وہ رکن یمانی کا استلام کریں۔ عمرؓ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: کیا آپ رکن یمانی کا استلام نہیں کریں گے۔ تو عمرؓ نے فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طواف کیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو

ان دو مغربی رکنوں کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: کہا تمہارے لیے آپ ﷺ کی ذات میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: آگے چلتے رہو۔

مجاہد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ طواف کیا تو امیر معاویہؓ نے تمام ارکان کا استلام کرنا چاہا، ابن عباسؓ کہنے لگے: آپ ان دو رکنوں کو کیوں چومتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہیں چوما؟ تو امیر معاویہؓ نے جواب دیا: کیا ان کو چھوڑ دینا چاہیے؟

تو ابن عباسؓ نے فرمایا:

«لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» (74) میں بہترین نمونہ ہے۔ امیر معاویہؓ نے کہا: فقال معاوية صدقت آپؐ نے سچ کہا۔ (75)

شرحبیل بن سعد مدینہ میں اپنے ایک باغ میں شکار کی غرض سے جال لگا رہے تھے، زید بن ثابتؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو آپؓ زور سے چلائے اور فرمایا:

«ألم تعلموا ان رسول الله ﷺ حرم صيدها» (76) "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں شکار کی ممانعت کی ہے۔"

غلطی پر تنبیہ کا یہ اسلوب اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب داعی کو یقین ہو کہ مخاطب مسئلہ کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس وقت اس سے جو غلطی سرزد ہو رہی ہے وہ محض اس کی غفلت یا بھول پن کی وجہ سے ہے۔ اس صورت میں داعی کا کام صرف یہ ہے کہ وہ غلطی کا ارتکاب کرنے والے کو یاد دہانی کروادے کہ جو وہ کر رہا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اور یہ ایسا طریقہ ہے جس میں مخاطب کے راہ راست پر آ جانے کے امکانات قوی تر ہوتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

(74) الاحزاب، ۲۱: ۳۳

(75) المسند، مسند عبداللہ بن عباسؓ، ج: ۱، ۱۸۸۰، ۳۵۹

(76) المسند، حدیث زید بن ثابتؓ، ج: ۲، ۲۱۱۵۵، ۲۴۵

(72) الموطا، کتاب الطہارۃ، باب ترک الوضوء، مامریۃ النار، ج: ۳، ص: ۶۶

(73) المسند، مسند عمر بن خطابؓ، ج: ۱، ص: ۳۱۵



## فرضی اغیر ضروری سوالات کی حوصلہ شکنی

غیر ضروری سوالات اور ان کے جوابات سے نہ صرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ انسان اپنی آزاد رائے کو پابند اور راستہ کو تنگ کر لیتا ہے۔ اس لیے اسلام کی تربیت یہ ہے کہ غیر ضروری سوالات سے احتراز کرتے ہوئے انسان اپنی آزاد رائے کو استعمال کرے، جس سے اس میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوگا اور عقل و فہم اور شعور میں پختگی آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے اگر کسی نے غیر ضروری سوال کیا تو انہوں نے ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی کی۔

حضرت خارجہ بن زید کہتے ہیں: میرے والد حضرت زید بن ثابت سے جب کوئی سوال پوچھا جاتا تو اس وقت تک اس کے بارے میں اپنی سمجھ سے کوئی جواب نہ دیتے جب تک یہ نہ پوچھ لیتے کہ یہ بات ہو چکی ہے یا نہیں؟ اگر وہ نہ ہوئی ہوتی تو اس کا جواب نہ دیتے اور اگر ہو چکی ہوتی تو پھر اس کے بارے میں گفتگو فرماتے۔ اور جب بھی ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو پہلے پوچھتے کہ کیا یہ پیش آچکا ہے؟ تو اگر کوئی آدمی ان سے کہتا: اے ابو سعید! ابھی پیش تو نہیں آیا لیکن ہم پہلے سے اس کا جواب تیار کر رہے ہیں تو آپؓ فرماتے اسے چھوڑ دو۔ اور اگر پیش آچکا ہوتا تو اس کا جواب دیتے۔ (77)

مسروقؓ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابی بن کعب سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کیا یہ پیش آچکا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: جب تک یہ پیش نہ آئے اس وقت تک مجھے آرام سے رہنے دو۔ (78)

حضرت عمار بن یاسرؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپؓ نے سائل سے فرمایا: کیا یہ مسئلہ پیش آچکا ہے؟ لوگوں نے بتایا: نہیں، تو فرمایا: جب تک یہ مسئلہ پیش نہ آجائے اس وقت تک ہمیں چھوڑے رکھو، جب یہ پیش آجائے گا تب زور لگا کر اس کا صحیح جواب نکال کر تمہیں بتائیں گے۔ (79)

(77) جامع بیان العلم، ذم کثرۃ المسائل، ۱۳۲: ۱۳۳

(78) جامع بیان العلم، ذم کثرۃ المسائل، ۱۳۲: ۱۳۳ ابن سعد، تذکرہ ابی بن کعب، ۵۰۰: ۳

(79) ابن سعد، تذکرہ عمار بن یاسرؓ، ۲۵۶: ۲

فوری اور ضروری مسائل کو چھوڑ کر غیر ضروری اور فرضی مسائل کو جاننے کی کوشش کرنا سعی لا حاصل ہے، چونکہ یہ بھی ایک نوع کی غلطی اور غیر نفع مند فکری رجحان ہے، اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس کی حوصلہ شکنی کی، تاکہ کہیں لوگ فرضی مسائل میں پڑ کر ضروری مسائل کی تعلیم ہی سے دور نہ ہو جائیں۔

## تائید حق

اگر کسی جگہ کوئی فرد یا جماعت اعلاء کلمۃ الحق کے لیے سرگرم ہو اور کچھ لوگ ان کی راہ میں مزاحمت کر رہے ہوں تو ایسے لوگوں کی تائید بھی درحقیقت اشاعت حق کی ایک صورت ہے اور یہ بھی گویا دعوت و تبلیغ کی ایک بالواسطہ صورت ہے۔ اس قسم کی صورت حال میں داعی کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم، تجربے، اور شخصیت کا وزن حق کی آواز بلند کرنے والے کے ساتھ ملا کر اس کی مدد کرے اور رائے عامہ کو اس کے حق میں استوار کرے۔ اس تائید میں دوسرے فریق کے لیے بھی ایک قسم کی تنبیہ کا سامان موجود ہوتا ہے۔ دعوت کے اس بالواسطہ اسلوب کی وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے۔

طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ مروان حاکم مدینہ نے عید کے دن منبر نکلوایا اور نماز سے قبل خطبہ پڑھنا شروع کر دیا، ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا:

يا مروان! خالفت السنة اخراج المنبر في يوم  
عيد ولم يخرج فيه وبدأت بالخطبة قبل  
الصلوة، فقال ابو سعيد الخدري! من هذا؟ قالوا فلان  
بن فلان فقال: اما هذا فقد قضى ماعليه، سمعت  
رسول الله ﷺ يقول: من رأى منكراً فاستطاع ان  
يغيره بيده فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان  
لم يستطع فبقلمه و ذالك اضعف الايمان (80)

(80) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب الخطبۃ یوم العید، ۱۱۳۰: ۱۷۱



”اے مروان تو نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے، تو نے عید کے دن منبر نکالا حالانکہ یہ اس سے قبل نہیں نکالا گیا اور تو نے عید سے قبل خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔“ ابو سعید خدریؓ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: فلاں ہے۔ فرمایا: خواہ کچھ ہو مگر اس نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: جو شخص منکر کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم دل سے ضرور برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔“

حجاج بن یوسف خطبہ حج کے لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہمراہ نکلا۔ سالم بن عبداللہ بھی ہمراہ تھے انہوں نے حجاج بن یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ان كنت تريد ان تصيب السنة اليوم، ”اگر آج تم سنت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو فاقصر الخطبة وعجل الصلوة، فجعل مختصر خطبہ دینا اور نماز جلدی پڑھانا، حجاج ينظر الى عبداللہ بن عمرؓ کی ما بن یوسف عبداللہ بن عمرؓ کی طرف دیکھنے لگا يسمع ذلك منه فلماراي ذلك کہ اس بارے میں ان سے سنے، جب عبداللہؓ قال: صدق سالم (81) عبداللہ بن عمرؓ نے یہ بات دیکھی تو فرمایا: ”سالم نے ٹھیک کہا ہے۔“

### لہجے کی درستگی سے غلطی پر تنبیہ

غلطی واقع ہونے پر یا اس کا علم ہوتے ہی مبلغ اور داعی کا متوازن ردِ عمل جس کا اثر اس کی آواز اور اندازِ کلام سے ظاہر ہو رہا ہو، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں برائی کے خلاف سخت نفرت موجود ہے اور وہ اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس سے مخاطبین کے دلوں میں اس برائی سے خوف پیدا ہو جاتا ہے اور مربی کی اس جذباتی کیفیت کا ان کے دلوں پر بہت اثر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر غلطی پر پردہ ڈال دیا جائے یا ردِ عمل ظاہر کرنے

میں تاخیر کی جائے تو بعد میں اس پر تبصرہ کرنے سے مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس اسلوبِ دعوت کی افادیت مسلمہ ہے۔ اس کی وضاحت حطّان بن عبداللہ الرقاشی کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں:

میں ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا۔ ابو موسیٰؓ نماز ختم کر چکے تو پوچھا: یہ کلمہ کس نے کہا تھا؟ لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا: فلاں بات کس نے کہی تھی؟ لوگ پھر چپ رہے۔ تو بولے: حطّان! شاید تم نے کہا ہوگا؟ انہوں نے کہا: میں نے نہیں کہا۔ مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے۔ اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا: میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدعتی نہ تھی بلکہ بھلائی تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کسی قسم کی ترش روئی کا اظہار نہ کیا، بلکہ بڑی نرمی اور شفقت سے مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا۔ (82)

حاکم مدینہ مروان بن حکم مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتیں تلاوت کرتا تھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے مروان کے اس عمل پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا ہے؟ کہ تم مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ طویل سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (83)

چونکہ چھوٹی سورتوں کا پڑھنا جائز تھا اس لیے حضرت زیدؓ نے اس کو غلط تو نہیں کہا تاہم اس عمل پر مداومت اختیار کرنا چونکہ ان کے نزدیک درست نہ تھا اس لیے انھوں نے بڑے سچے تلے انداز میں اس پر اپنی ناراضی کا اظہار فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پہلو میں ایک شخص نے نماز پڑھی۔ جب وہ چوتھی رکعت

(82) صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب التشديد في الصلوة، ج: ۹۰۴ ص: ۱۷۱

المسند، حدیث ابی موسیٰ الاشعری، ج: ۱۹۱۶۶ ص: ۵۵۹

(83) صحیح البخاری، کتاب الاذان باب القرأت فی المغرب، ج: ۶۳ ص: ۱۲۳

المسند حدیث زید بن ثابتؓ، ج: ۲۱۱۳۲ ص: ۲۴۲



میں بیٹھا تو چارزانو بیٹھا اور اپنے دونوں پاؤں لپیٹ لیے جب حضرت عبداللہؓ فارغ ہوئے تو انہوں نے اس بات کو ناپسند فرمایا، اس آدمی نے کہا کہ آپؐ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا مجھے تکلیف ہے۔“ (84)

محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے: میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کی خدمت میں ایک یمنی نے حاضر ہو کر کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اس پر بھی کچھ اضافہ کیا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ (اس وقت وہ ناپینا بوجھتے تھے) لوگوں نے کہا: وہی یمنی ہے جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہے۔ تو اسے پہچان کر فرمایا: سلام تو ”وہ برکاتہ“ پر ختم ہو جاتا ہے۔ (85)

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے حضرت مقداد بن اسود اس وقت حضرت علیؑ کے پاس گئے جبکہ وہ اپنی بکری کے بچوں کو آٹا وغیرہ گھول کر پلا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان جج اور عمرہ کے درمیان قرآن سے منع کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ نکلے، یہاں تک کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا: آپ جج اور عمرہ کے درمیان قرآن سے منع کرتے ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے کہا میری تو بی بی رائے ہے۔ حضرت علیؑ ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے چلے آئے: ”لبيك اللهم لبيك بحجة وعمره معاً“ گویا اپنے عمل سے جواز ثابت کیا۔ (86)

جبکہ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ کو تبلیہ کہتے سنا تو فرمایا: کیا آپؐ کو معلوم نہیں کہ میں نے اس سے منع کیا ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: ہاں لیکن میں آپؐ کے کہنے پر رسول اللہﷺ کے حکم کو ترک نہیں کر سکتا۔ (87)

(84) الموطا کتاب الصلوٰۃ، باب العمل فی الجلیوس فی الصلوٰۃ، ج: ۱۰۹، ص: ۷۸

(85) الموطا کتاب السلام باب العمل فی السلام، ج: ۹۲۹، ص: ۵۸۸

(86) الموطا کتاب الحج باب القرآن فی الحج، ج: ۳۸۳، ص: ۲۲۸

المسند مسند عثمان بن عفان، ج: ۱۳۲، ص: ۹۷

(87) المسند علی بن ابی طالب، ج: ۳۵، ص: ۱۵۳

ربیعہ بن دراج سے روایت ہے:

ان علی بن ابی طالب سبَّ بعد ”حضرت علیؑ بن ابی طالب نے مکہ کی راہ العصر رکعتین فی طریق مکہ، میں عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، فراہ عمرؓ فغیظ علیہ، ثم قال: حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ان سے سخت ناراض اما واللہ لقد علمت ان رسول ہوئے اور فرمایا: اللہ کی قسم تجھے معلوم ہے کہ اللہﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔“ (88)

بدعات کے استیصال میں شدت

غلطی جتنی بڑی ہو اس کی اصلاح کا اہتمام اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیے، اس لیے جن غلطیوں کا تعلق عقیدہ سے ہے ان کی اصلاح کا اہتمام آداب وغیرہ سے تعلق رکھنے والی غلطیوں کی نسبت زیادہ ہونا چاہیے۔ رسول اللہﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے بھی کفر و شرک کی ہر قسم سے تعلق رکھنے والی غلطیوں کی اصلاح میں نسبتاً زیادہ شدت کا مظاہرہ کیا۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سعد بن عبیدہ کا بیان ہے: میں ایک حلقہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ انھوں نے دوسرے حلقہ میں موجود ایک شخص کو کہتے سنا: ”میرے باپ کی قسم! ابن عمرؓ نے اسے کنکریاں ماریں اور فرمایا: عمرؓ نے یہ قسم کھائی تھی ☆ رسول اللہﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا: ”یہ شرک ہے۔“ (89)

(88) المسند مسند عمر بن خطابؓ، ج: ۱۰۲، ص: ۳۰۱

(89) المسند مسند عبداللہ بن عمرؓ، ج: ۵۲۰، ص: ۱۶۱

☆ ابن عمرؓ کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے: ایک قافلہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے باپ کی قسم کھائی تو رسول اللہﷺ نے سب لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے فرمایا:

”الا ان الله ينهاكم ان تحلفوا باي انكم فمن كان حالفاً فليحلف بالله والا فليصمت (i)

سنو! اللہ تمہیں اپنے باپوں کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے، جسے قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔“

(i) صحیح البخاری ”کتاب الادب، باب من لم ير الكفار“ ج: ۱۰۸، ص: ۱۰۶



نہیں بہت ابی معاویہ زوجہ عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے: ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا تھی جو عمرہ (دہائی بیماری جس سے بار بار بخار آتا ہے اور جلد پر سرخ دانے نکل آتے ہیں) سے جھاڑ پھونک کر رہی تھی، میں نے فوراً اس کو چار پائی کے نیچے گھسا دیا، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود تشریف لائے اور میرے ایک جانب بیٹھ گئے۔ جب انھوں نے میرے گلے میں ایک دھاگا دیکھا تو دریافت فرمایا: یہ دھاگا کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ ایک دھاگا ہے جس میں میرے لیے کچھ پڑھ کر پھونکا گیا ہے، انہوں نے اسے پکڑا اور توڑ ڈالا پھر فرمانے لگے: بے شک عبداللہ کی آل شرک سے بے پرواہ ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

”ان الرقی والتمايم والتولة“ بے شک جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور شرک“  
میاں بیوی کے درمیان محبت ڈالنے والے  
تعویذ وغیرہ شرک ہیں۔“

عبداللہ بن مسعود کی بیوی کہتی ہیں میں نے عرض کیا: آپؐ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ میری آنکھ خراب تھی، بہہ رہی تھی اور میرا فلاں یہودیہ کے پاس آنا جانا تھا، جو جھاڑ پھونک کرتی تھی، تو اس نے مجھے بھی جھاڑ پھونک کی تو آنکھ رک گئی اور درست ہو گئی۔ فرمایا: یہ شیطان کی طرف سے ہے جو خود اپنے ہاتھ سے خراب کرتا ہے پھر کوئی تعویذ اور جھاڑ پھونک کرتا ہے تو اس سے رک جاتا ہے، تیرے لیے وہی بہتر ہے جو رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور پھر ان کو یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی:

”اذهب البأس رب الناس اشف وأنت الشافی

لاشفاء الا شفاؤك لا یغادر سقمًا (90)

”اے انسانوں کے رب! بیماری دور کر دے، شفاء بخش دے اور تو ہی شفاء دینے والا ہے، شفاء نہیں ہے مگر وہ جو تیری طرف سے ہو

(90) المسند مسند عبداللہ بن مسعود، ج: ۳، ۳۶۰، ۶۲۹/۱

ایسی شفاء جو بیماری کو بالکل نہ چھوڑے۔☆

صحابہ کرامؓ کے اخیر زمانہ میں نو مسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضاء و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چکی تھی۔ ایک دفعہ ابن عباسؓ کو ایک ایسے شخص کی خبر دی گئی جو تقدیر کا منکر تھا۔ اس وقت ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی لیکن کفر و شرک اور بدعات سے ان کو جو شدید نفرت تھی، اس کی بناء پر لوگوں سے فرمایا: مجھے اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے کہا: آپؓ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ فرمایا: اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا، اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

”میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خنزرج کا طواف کر رہی

ہیں اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں۔“

تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک محدود نہ رہے گی، بلکہ جس طرح انھوں نے اللہ تعالیٰ کو شرکی تقدیر سے معطل کر دیا ہے اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔ (91)

حضرت عمرو بن یحییٰ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد سے سنا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ہم لوگ صبح کی نماز سے پہلے عبداللہ بن مسعود کی

(91) المسند، مسند عبداللہ بن عباس، ج: ۳، ۳۰۴، ۵۴۳/۱

نہ وہ جھاڑ پھونک یا تعویذ گنڈے جو شرکیہ ہوں یا کسی کافر سے کروائے جائیں، ان کے حرام ہونے میں کوئی شک اور اختلاف نہیں، البتہ کلام اللہ کی سورتوں اور آیتوں وغیرہ کو پڑھ کر دم کرنا یہ بالکل صحیح ہے۔ (۱)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات،

ج: ۵، ۵۰۱، ۸۹۹،

ایضاً، ج: ۵، ۵۴۸، ۶۳۱۹، المسند، مسند جابر بن عبداللہ، ج: ۱، ۱۴۹۱۲، ۳۸۸/۱

صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب رقیۃ الریش، ج: ۵، ۵۷۰، ۹۷۲،

ایضاً، ج: ۵، ۵۷۱، ۵۷۱۶، ۵۷۱۹،



ڈیوڑھی پر (انتظار میں) بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب وہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو ہم ان کے ساتھ مسجد جاتے۔ ایک دن ہمارے پاس ابو موسیٰ اشعریؓ تشریف لائے اور فرمایا: کیا ابھی تک ابو عبد الرحمنؓ (ابن مسعود کی کنیت) باہر نہیں آئے؟ ہم نے کہا: جی نہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، حتیٰ کہ وہ باہر تشریف لے آئے، جب وہ آئے تو ہم سب اسٹھے ہی اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ ابو موسیٰؓ نے کہا: اے ابو عبد الرحمنؓ! میں نے ابھی ابھی مسجد میں ایک کام دیکھا ہے جو مجھے عجیب سا محسوس ہوا ہے، ویسے الحمد للہ میں نے اچھی چیز ہی دیکھی ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا: وہ کام کیا ہے؟ انھوں نے کہا: زندگی رہی تو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے۔ پھر فرمایا: میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو نماز کے انتظار میں حلقہ بنا کر بیٹھ دیکھا ہے، ان کے سامنے کنکریاں پڑی ہیں ہر حلقہ میں ایک آدمی ہے، وہ کہتا ہے: سو بار اللہ اکبر پڑھو، وہ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے: سو بار لا الہ الا اللہ کہو، وہ سو بار لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے: سو بار سبحان اللہ کہو، وہ سو بار سبحان اللہ کہتے ہیں (اسی طرح ذکر میں مشغول ہیں) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: پھر آپؐ نے انہیں کیا کہا؟ انھوں نے کہا: میں نے کچھ نہیں کہا، بلکہ آپؐ کی رائے اور حکم کا انتظار کیا۔ انھوں نے فرمایا: آپؐ نے انہیں یہ حکم کیوں نہ دیا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں اور انہیں یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ ان کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی؟

اس کے بعد وہ (مسجد کی طرف) چل پڑے۔ ہم لوگ بھی آپؐ کے ساتھ چلے حتیٰ کہ آپؐ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس جا کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں یہ کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمنؓ! یہ کنکریاں ہیں، ہم ان کے ساتھ گن کر تکبیر، تہلیل اور تہلیل کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا: اپنے گناہ شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ اے محمدؐ کی امت پر افسوس ہے، کتنی جلدی تم ہلاکت کے راستے پر چل پڑے ہو، ابھی تو تمہارے نبیؐ کے صحابہؓ بکثرت موجود ہیں، ابھی تو رسول اللہؐ کے کپڑے بھی نہیں پھنے، ابھی تو رسول اللہؐ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یا تو تم محمدؐ کے راستے سے بھی زیادہ ہدایت والے راستے پر ہو، یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے

ہو، انھوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمنؓ! اللہ کی قسم ہمارا ارادہ تو صرف نیکی کا ہے۔ فرمایا: بہت سے لوگ نیکی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن انہیں نیکی تک پہنچنا نصیب نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا تھا کہ کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (دل پر قرآن کا کوئی اثر نہ ہوگا)۔ اللہ کی قسم! معلوم نہیں شاید ان میں سے اکثر تم لوگ ہی ہو! یہ کہہ کر ان کے پاس سے چلے آئے۔ (92)

ذکر کا یہ طریقہ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں تھا اس لیے ابن مسعودؓ نے اس بدعت سے سختی سے منع فرمایا، نیز یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ غلطی کرنے والے کی خیر خواہی تنبیہ کرنے والے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، کیونکہ بسا اوقات غلطی اس چیز یا الفاظ میں نہیں ہوتی جو کہے گئے ہیں، بلکہ جس موقع پر وہ الفاظ کہے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتا اور یہ بھی بدعت ہی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی تھی جب ان کے قریب ایک شخص کو چھینک آئی اور اس نے کہا:

الحمد لله والسلام على رسول الله ﷺ

تو ابن عمرؓ نے فرمایا: یہ تو میں بھی کہتا ہوں:

الحمد لله والسلام على رسول الله ﷺ

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح کہنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد لله کہیں۔ (93)

سحر و ساحری اور شعبہ بازی شرک ہی کی ایک قسم ہے اس لیے اسلام نے اس کی شدید مخالفت کی ہے۔ حضرت جندبؓ بن کعب اس بارے میں نہایت سخت اور تشدد تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں ایک شعبہ باز آیا، ایک دن وہ ولید بن عقبہ حاکم کوفہ کو تماشا دکھا رہا تھا اور آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دیتا تھا۔ عوام اس شعبہ کو دیکھتے اور متحیر ہو کر کہتے سبحان اللہ، یہ شخص مردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔

(92) سنن الدارمی، المقدمة، باب فی کدھۃ اخذ الدای، ج: ۱، ۲۱۰، ۲۱۱

(93) جامع الترمذی کتاب الادب باب ما یقول العاطس اذا عطس، ج: ۲، ۲۳۸، ۲۳۹، (۲) الانبیاء، ۳: ۲۱



حضرت جندب بن کعب بھی تماشہ دیکھنے والوں میں شامل تھے عوام کے عقائد میں ترزل دیکھ کر ایک ہی وار میں شعبہ باز کا کام تمام کر دیا، اور کہا اب اپنے آپ کو زندہ کرو، پھر یہ آیت تلاوت کی:

أَفْتَاتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ "کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سننے آتے ہو" تُبْصِرُونَ (94)

پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جادو کی سزا تلوار کی ایک ضرب ہے، چونکہ انھوں نے خلاف قانون قتل کیا تھا اس لیے ولید بن عقبہ حاکم کوفہ نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ (95)

صفیہ بنت ابی عبید سے روایت ہے: ابن عمرؓ نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر میں چوٹی تھی تو آپؓ نے فرمایا:

أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ نے انہی أَنْ تَحْلُقَ الصَّبِيَّانَ نے بچوں کی چوٹی بنانے سے منع فرمایا ہے" (96)

مدینہ میں جب بچے پیدا ہوتے تو پہلے تبرکاً وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں لائے جاتے، وہ ان کے لیے برکت کی دعا کرتی تھیں۔ ایک بچے کو دیکھنے گئیں تو اس کے تکیے کے نیچے ایک استرہ پایا۔ گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس سے جن بھوت بھاگ جاتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے استرہ اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ شگون اور ٹونک کو ناپسند فرماتے تھے۔ (97)

یہودیوں کا دستور تھا کہ کسی عورت کے بال چھوٹے ہوتے یا بال گر جاتے تو وہ مصنوعی

(94) الانبیاء، ۲۱: ۳۰

(95) اسد الغابہ، تذکرہ، جندب بن کعب، ۳۰۵/۱

(96) المسند، مسند عبد اللہ بن عمرؓ، ۵۸۱۲،

(97) ادب المفرد، باب الطیر فی من الجن، ج: ۱، ۲۳۵: ۹۱۲

بال جوڑ کر بڑے کر لیتی۔ ان کو دیکھ کر عرب عورتوں میں بھی اس بدعت نے رواج پکڑ لیا۔ ایک دفعہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری بیٹی کے بیماری کی وجہ سے بال جھڑ گئے ہیں اس وقت وہ دلہن بنی بیٹھی ہے۔ کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْوَاصِلَةَ "رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والوں اور جوڑنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔" (98)

عورتوں کو ایسا زیور یا گھٹنے وغیرہ کا پہننا جس سے آواز پیدا ہو ممنوع ہے۔ ایک دفعہ ایک لڑکی گھنگرو پہن کر حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، فرمایا: اس کے گھنگرو کاٹ ڈالو! گھنگرو پہننا کر میرے پاس مت لایا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ جُرُسٌ جس گھر میں گھنگنا ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔" (99)

(97) المسند، حدیث السیدۃ عائشہؓ، ج: ۲، ۲۳۳۲۹: ۵۹۳۷۷

(98) سنن ابی داؤد کتاب الخاتم باب ما جاء فی الجلاب، ج: ۱، ۴۲۳۱: ۵۹۳



## خلاصہ بحث (غلطی پر تنبیہ کا انداز و اسلوب)

انسان خطا کا پتلہ ہے اور اس سے غلطی کا سرزد ہونا ایک فطری امر ہے، اس لیے داعی کا افراد سے اعلیٰ ترین کردار کی توقع کرتے ہوئے ان کا محاسبہ کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ گناہ کے مرتکب افراد سے اظہارِ نفرت کرتے ہوئے ان کو بالکل ہی چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اس سے دعوت کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوگی، اس لئے داعی کا فرض ہے کہ وہ گناہگار سے نہیں بلکہ گناہ سے نفرت کے اسلامی اصول کی پیروی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی کوشش کو ترک نہ کرے۔ کیونکہ غلطیوں کی اصلاح دعوت و تبلیغ کا لازمی حصہ ہے اور یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی کی ایک صورت ہے۔ غلطی کی اصلاح کا بھی بہترین اسلوب یہ ہے کہ صرف غلطی کی نشاندہی پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان احکام کا بتانا بھی ضروری ہے جن کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور بسا اوقات احکام کا بتانا، سمجھانا اور سکھانا بھی ضروری ہوتا ہے۔

غلطی کی اصلاح کے لیے کسی ایک طریقہ کو مخصوص کر لینا بھی دعوت میں حکمت کے اصول کے خلاف ہے۔ بلکہ غلطی کی نوعیت اور مخاطب کے حالات کو پیش نظر رکھ کر موقع کی مناسبت سے تنبیہ کے مختلف اسالیب اختیار کرنا زیادہ مفید ہے۔ غلطی کی اصلاح کے لیے کہیں صرف زبان سے کہہ دینا ہی کافی ہے تو کہیں سخت زجر و توبیخ کی ضرورت ہوتی ہے، کہیں صرف اعراض سے کام چل جاتا ہے تو کہیں غلطی کرنے والے کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے صحابہ کرامؓ کی سیرت کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے غلطیوں کی اصلاح کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں بہت تنوع پایا جاتا ہے، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حالات اور افراد کے بدلنے سے تنبیہ کا انداز اور اسلوب بھی بدل جاتا ہے۔ لہذا جو داعی اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے وہ پیش آمدہ حالات اور واقعات میں غور و فکر سے کام لیتے ہوئے ان نظائر کو سامنے رکھ کر موقع کی مناسبت سے کوئی سا اسلوب اختیار کر کے اصلاح کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

## فصل سوم

### دعوت دین کا عملی تجرباتی اسلوب

اکثر اوقات نظری دعوت کی بجائے عملی زیادہ موثر ہوتی ہے دعوت و تبلیغ کے میدان میں یہ تجربہ بے انتہا اہمیت کا حامل ہے۔ سنی سنائی یا کتاب میں پڑھی ہوئی بات کا جو اثر ذہن انسانی پر مرتب ہوتا ہے اس سے کئی گناہ زیادہ اثر انسانی تجربہ میں آئی ہوئی بات کا ہوتا ہے۔ تجربہ سے حاصل کردہ علم زیادہ پختہ اور دیر پا ہوتا ہے عملی تعلیم کی اسی افادیت کے پیش نظر ہی صحابہ کرامؓ نے بارہا مسئلہ کی وضاحت عملی طور پر فرمائی ہے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

عبدخیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ ہمارے پاس تشریف لائے نماز پڑھی اور اس کے بعد وضو کے لئے پانی طلب کیا۔ ہم نے کہا۔ آپ پانی کا کیا کریں گے؟ حالانکہ آپ نماز تو پڑھ چکے تھے۔ ان کا ارادہ صرف یہ تھا کہ ہمیں سکھائیں۔ چنانچہ پانی ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو انہوں نے عملی طور پر وضو کر کے سکھایا اور پھر فرمایا من سورہ ان يعلم وضوء رسول اللہ جس کو یہ چیز پسند ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وضو سے آگاہ ہو تو وہ یہ ہے۔“ (1)

اسی باب میں ایک دوسری حدیث میں آپؐ کے یہ الفاظ ہیں: ..... انما احببت ان اریکم بے شک میں پسند کرتا ہوں کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ ظہور رسول اللہ ﷺ (2) کے طریقہ وضو کو (عملی طور پر کر کے دکھاؤں) عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا: اتحبون ان اریکم کیف کان کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ بتوضاً (3) رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے؟ اور اس کے بعد پھر آپؐ نے وضو کے تمام مسائل اور جزئیات کی عملی تعلیم دی۔

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب صفۃ النبی ﷺ، ۲۶، ۲۷، ۲۸

(2) ایضاً المسند، مسند علی بن ابی طالب، ج: ۱، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الوضوء مرتین، ج: ۱، ۱۳۷، ۱۳۸



اسی مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن زید، حضرت عثمان بن عفان اور امیر معاویہؓ کے متعلق بھی ملتی ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو وضو کی عملی طور پر تعلیم دی۔ (4) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ لوگوں کو جہاں اجتماعی طور پر تعلیم دیتے تھے وہاں بعض اوقات انفرادی توجہ کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ تاکہ سائل اور طالب علم اس چیز کی تمام جزئیات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؓ ہمارے پاس تشریف لائے آپؓ نے وضو کا پانی طلب فرمایا اور پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

یا ابن عباسؓ الا اریک کیف اے ابن عباسؓ! کیا میں تمہیں نہ دکھاؤں کان یتوضأ رسول اللہ ﷺ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے وضو کرتے تھے؟ اس کے بعد آپؓ نے وضو کے تمام فرائض و سنن کا طریقہ عملی طور پر کر کے سمجھایا۔ (5) یحییٰ مازنی نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے کہا:

هل تستطيع ان ترینی کیف کیا آپ مجھے یہ چیز دکھائیں گے کہ رسول کان رسول اللہ ﷺ یتوضأ؟ اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن زید نے اثبات میں جواب دیا اور پھر وضو کے لئے پانی طلب کیا اور ان کو مکمل وضو کر کے دکھایا۔ (6)

عبدالرحمن بن غنم فرماتے ہیں کہ ایک بار ابو مالک الاشعریؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

لا احدتکم بصلوة النبی کیا میں تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق روایت نہ کروں؟

یہ کہہ اٹھے صف بندی کی، پہلی صف میں مردوں کو اور ان کے پیچھے بچوں کو کھڑا کیا، نماز پڑھائی اور پھر فرمایا:

### هكذا صلاة (7)

یہ ہے نماز

ابو قلابہؓ سے روایت ہے کہ ابو سلیمان مالک بن الحویرث ہمارے پاس مسجد میں آئے اور فرمایا:

والله انی لا صلی وما ارید الصلوة ولكنی ارید ان اریکم کیف رایت رسول اللہ ﷺ یصلی (8)

”اللہ کی قسم میں نے نماز پڑھی حالانکہ میرا نماز پڑھنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ میرا یہ ارادہ تھا کہ تم کو دیکھاؤں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

ایک بار حضرت ابو حمید ساعدی نے دس صحابہؓ کے مجمع میں کہا: میں تم سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے واقف ہوں۔ صحابہؓ نے کہا۔ وہ کیسے؟ تم نہ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے اور نہ ہم سے زیادہ قدیم صحبت۔ جب صحابہ کرامؓ نے ان سے اپنے دعویٰ کی دلیل طلب کی تو انہوں نے نبوی ﷺ نماز کا نقشہ اس انداز میں کھینچا اور تمام جزئیات کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ آخر میں تمام صحابہؓ نے اعتراف کیا صدقت هكذا کان یصلی تم نے سچ کہا رسول اللہ ایسے ہی نماز پڑھتے تھے (9) رسول اللہ ﷺ

شہر بن حوشب سے روایت ہے: ہم میں اشعری قبیلے کے ایک صحابی مالک لا اشعری تھے جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل تھا۔ ایک دفعہ وہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہیں دین کی تعلیم دوں اور اس طرح نماز پڑھاؤں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمیں پڑھایا کرتے تھے۔ روای کہتے ہیں کہ ہم جمع ہوئے تو انہوں نے پانی کا برتن طلب کیا۔ پھر عملی طریقہ سے ہمیں وضو اور نماز کی تعلیم دی۔ (10)

(7) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب مقام الصبیان من الصف، ۶۷۷: ج ۱۰

(8) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب النهوض فی الفرد، ۸۴۲: ج ۲، ۸۴۳: ج ۳

المسند، حدیث مالک بن الحویرث، ج ۲، ۱۵۱: ج ۹۵

(9) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب افتتاح الصلوة، ج ۷، ۷۳۰: ج ۱۱

(10) اسد الغابہ تذکرہ مالک الاشعری، یا بن مالک، ۲۷۲: ج ۲

(4) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارة، باب فی صفة الوضوء النبی ﷺ، ۱۰۸: ج ۱۱، ۱۱۸: ج ۱۲

(5) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارة، باب فی صفة الوضوء النبی ﷺ، ج ۱۱، ۱۱۷: ج ۲

المسند، مسند علی بن ابی طالب، ج ۱، ۲۲۲: ج ۶ (6) الموطا، کتاب الطہارة، باب العمل فی الوضوء، ج ۱، ۱۶: ج ۳



مذکورہ بالا احادیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ دعوت کی عملی تعلیم کی تا  
شیر کے مسلم ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے تعلیم و تربیت اور دعوت دین میں اس  
اسلوب کو کثرت سے استعمال کیا کیونکہ انسانی تجربہ میں آئی ہوئی بات کے بھولنے کے  
امکانات نسبتاً کم ہوتے ہیں نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دین و شریعت کا  
جو علم بھی امت کو ملا ہے وہ صحابہ کرامؓ اور امت کے تواتر سے ثابت ہے۔ اور صحابہ کرامؓ  
نے اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی حجیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

سرگزشت رواقعی بیان

کسی امر کو ہو بہو واقعہ کے مطابق بیان کرنا واقعاتی بیان کہلاتا ہے۔ دعوت و  
تبلیغ میں واقعاتی بیان کی بڑی اہمیت ہے۔ کسی واقعہ یا مشاہدہ کو بالکل ٹھیک ٹھیک بلا کم  
و کاست بیان کر دینا دعوت کا ایسا اسلوب ہے جو مخاطب کو مسحور کر دیتا ہے اور داعی ایسا  
نقشہ کھینچتا ہے کہ مخاطب اپنے آپ کو بھی خود اس واقعہ کا ایک کردار اور اس محفل کا ایک  
فرد سمجھنے لگتا ہے گویا وہ اس حقیقت کا عینی شاہد ہے۔ بسا اوقات صحابہ کرامؓ بھی ماحول  
کی عملی ترجمانی کرتے ہوئے مسائل دینیہ کو واقعاتی انداز میں بیان کرتے تھے۔  
ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود نے لوگوں کو نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا۔

واذ اركع احد كم فليفرش ذراعيه على فخذيه  
وليطبق بين كفيه فكأنني انظر الى اختلاف اصابع  
رسول الله ﷺ (11)

اور جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنے بازوؤں کو  
اپنی رانوں پر پھیلا دے اور دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا دے گویا میں  
رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے ملنے کو دیکھ رہا ہوں  
جعفر بن عمرو بن حرث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

(11) ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تفریع ابواب الركوع والاسجد وضع الیدین علی الرکبتین، ج: ۸، ص: ۸۶۸، ۱۱۳۴

المسند، مسند عبداللہ بن مسعود، ج: ۳، ص: ۳۵۷، ۱۲۳۶

ان رسول الله ﷺ خطب الناس رسول الله ﷺ نے خطبہ پڑھا اور آپ  
و علیہ عمامة سوداء..... کانئى ﷺ پر سیاہ عمامہ تھا۔ گویا میں رسول اللہ  
انظر الى رسول الله ﷺ على ﷺ کو منبر کے اوپر دیکھ رہا ہوں جب کہ  
المنبر وعليه عمامة سوداء قد آى ﷺ کے سر پر سیاہ عمامہ ہے کہ آپ  
ارخى طرفيها بين كتفيه (12) ﷺ نے اس کے دونوں کناروں کو اپنے  
شانوں کے بیچ لٹکا رکھا ہے۔“

ابتداء اسلام میں نماز میں اشارہ کرنا اور بات چیت کرنا جائز تھا۔ رسول اللہ  
ﷺ لوگوں کو سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے اس کی  
کیفیت پوچھی تو انہوں نے اس طرح ہاتھ کو گردش دی جس طرح رسول اللہ ﷺ اس  
حالت میں گردش دیا کرتے تھے۔ (13)

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا  
کہ قربانی دینے کے لئے کیسے جانور سے بچا جائے۔ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے  
اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ چار سے۔ حضرت براءؓ بھی اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے  
فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے بہت چھوٹا ہے۔ وہ لنگرا  
جو چل نہ سکے۔ جس کا کانا ہونا ظاہر ہے، جس کی بیماری ظاہر ہو اور ایسا دبلا جانور جس  
میں گودا نہ رہے۔ (14)

حمران بن ابان بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عثمان بن عفان نے پانی  
طلب کیا پھر وضو کیا اور آخر میں مسکرائے پھر کہا: کیا تم مجھ سے مسکرانے کی وجہ نہیں پوچھو  
گے۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین آپ کیوں مسکرائے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ  
ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پانی طلب کیا وضو کیا اور پھر مسکرائے اور فرمایا: کیا تم مجھ  
سے مسکرانے کی وجہ نہ پوچھو گے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کیوں  
مسکرائے فرمایا:

(12) مسلم، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغیر احرام، ج: ۳، ص: ۵۷۲

(13) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب رد السلام فی الصلوٰۃ، ج: ۱، ص: ۹۲۷

(14) الموطا، کتاب الاضغیا، باب ما نضحی عنہ من الضغیا، ج: ۳، ص: ۳۸۶



”بے شک جب بندہ وضو کے پانی سے چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے اور جب بازو دھوتا ہے تو بازوؤں کے اور اسی طرح تمام اعضاء کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ (15)

ابو عثمانؓ روایت کرتے ہیں: میں حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ انہوں نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی، جس سے اس کے پتے گر گئے۔ پھر مجھ سے کہنے لگے۔ اے ابو عثمانؓ کیا تم مجھ سے یہ نہ پوچھو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا بتا دیجئے کیوں کیا؟ کہنے لگے میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا آپ ﷺ نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا، جس سے اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اے سلمان! پوچھتے کیوں نہیں کہ میں نے اس طرح کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا بتا دیجئے کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان المسلم اذا تو ضاً فاحسن الوضوء ثم صلى الصلوات الخمس تحات خطا يا ه كما يتحات هذا الورق وقال ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذَكَرْتِ لِلَّذِي كَرِهْتَ﴾ (16)

جب مسلمان اچھی طرح سے وضو کرتا ہے، پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے تو اس کی خطائیں اس سے ایسے ہی گر جاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: اور آپ نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بے شک نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔ یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔ (17)

حضرت ابو الدرداءؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو

(15) المسند، مسند عثمان بن عفان، ج: ۱، ص: ۹۵/۱، (16) ہون، ص: ۱۱۳

(17) المسند، حدیث سلمان الفارسی، ج: ۱، ص: ۶۲۱/۲، ۶۰۹

نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے حتیٰ کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کرنے کے بعد تبسم فرمایا ہوتا تو ابو الدرداءؓ بھی حدیث بیان کرنے کے بعد تبسم فرماتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر آپؓ کی زوجہ محترمہ ام الدرداءؓ نے کہا: آپ جب بھی حدیث بیان کرتے ہیں تو تبسم کرتے ہیں (کہیں لوگ آپ کو بے وقوف نہ کہنے لگیں) تو آپؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا کہ آپ ﷺ جب کوئی حدیث بیان فرماتے تو تبسم فرماتے۔ (18)

ایک دفعہ حضرت علیؓ سوار ہونے لگے تو رکاب میں بسم اللہ کہہ کر پاؤں رکھا پشت پر پہنچے تو الحمد للہ کہا پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (19)

پھر تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ دعا پڑھی۔

”سبحانک انی ظلمت نفسي فاغفر لی انه لا یغفر الذنوب الا انت“

اور پھر ہنس پڑے۔ لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو بولے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ ان ہی پابندیوں کے ساتھ سوار ہوئے تھے اور اخیر میں ہنس پڑے۔ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: بے شک رب تعالیٰ اپنے بندہ سے خوش ہوتا ہے جب وہ علم و یقین کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے۔“ (20)

شرکت عمل و معاونت

دیگر امور کی طرح دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام میں شرکت عمل یا مدد سے اس کو آسان بنایا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کار نبوت کی انجام دہی میں حضرت موسیٰ کے

(18) المسند، حدیث ابی الدرداء، ج: ۱، ص: ۲۱۲/۲، ۲۵۷

(19) الخرف، ص: ۱۳۳/۱۳۴

(20) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب ما یقول الرجل اذا رکب، ج: ۲، ص: ۲۶۱/۲، ۳۷۶



ہاتھ بٹانے کیلئے ان کے بھائی ہارون کو بنی بنایا، تاکہ دعوت و تبلیغ کے کام میں موسیٰ کا ہاتھ بٹائیں۔ گویا معاشرتی میں انسان جس طرح ایک دوسرے کے مدد اور معاونت کا محتاج ہے اسی طرح دینی امور میں بھی ایک دوسرے کی معاون کر کے دعوت و تبلیغ کے کام کو سہولت سے انجام دیا جاسکتا ہے۔

حسن بھریؒ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے بصرہ کی مسجد میں رمضان کے آخر میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صدقہ فطر کی ترغیب دی۔ یہ لوگ صدقہ فطر کے مسائل سے ناواقف تھے۔ چنانچہ آپؓ نے فرمایا۔

من ههنا من اهل المدينة ؟ قوموا الي اخوانكم فاعلموهم فانهم لا يعلمون فرض رسول الله ﷺ هذه الصدقة صاعا من تمر او شعير او نصف صاع من قمح على كل حر او مملوك ذكرا او انثى صغير او كبير (21)

”یہاں مدینہ کے لوگ کون ہیں؟ انھیں اور اپنے بھائیوں کو تعلیم دیں۔ کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر آزاد غلام، مرد، عورت اور چھوٹے، بڑے پر ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گھیوں صدقہ فطر میں مقرر فرمایا ہے۔“

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ تعداد میں حاضر ہوتی تھیں۔ عام نسوانی مسائل کے ساتھ ساتھ آپؐ مردوں کی اصلاح کے لئے ان سے مدد لیتی تھیں کہ وہ اپنے شوہروں کو ان چیزوں سے آگاہ کر دیں۔ چنانچہ ایک نفع بصرہ سے کچھ عورتیں حاضر خدمت ہوئی تو آپؐ نے ان کو ہدایت کی کہ مجھے مردوں کو ٹوٹتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے شوہروں کو آگاہ کر دو کہ پانی سے طہارت حاصل کیا کریں کیونکہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ (22)

مشورہ رائے طلبی

کسی بھی اہم کام کی انجام دہی میں صاحب الرائے، عقل مند اور تجربہ کار

(21) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من روى نصف صاع من تمر، ج: ۱، ۱۶۲، ص: ۳۰

(22) المسند، حدیث السیدۃ عائشہؓ، ج: ۲، ۲۳۳، ۱۷۳، ۱۷۴

لوگوں سے مشورہ ضروری ہوتا ہے تحصیل علم میں بھی اساتذہ اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ ضروری ہے اسی طرح دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی اپنے سے زیادہ صاحبان علم سے کسی مسئلہ میں مشورہ اور رائے طلب کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں مبلغ کسی بڑی غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جو بعد میں اس کے لئے ندامت کا باعث بن سکتی ہے۔

عبداللہ بن حنین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مسورؓ بن مخرمہ میں محرم کے سردھونے کے بارے میں اختلاف ہوا۔ ابن عباسؓ کا موقف تھا کہ محرم سردھوسکتا ہے۔ جب کہ ابن مخرمہ اس کے خلاف تھے۔ اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے عبداللہ بن حنین کو ابویوب انصاریؓ کے پاس تحقیق مسئلہ اور ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا، چنانچہ ابویوب انصاریؓ نے ابن عباسؓ کے موقف کی تصدیق کی اور عملی طور پر بھی سردھو کر دکھایا اور فرمایا۔

هكذا رايته يفعل (23) میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا۔

معاویہ بن ابوعیاش انصاری کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ اور عاصم بن عمر بن خطابؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ محمد بن ایاس بکیر آئے اور کہا کہ ایک بدو نے اپنی بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے تین طلاقیں دے دیں۔ آپ دونوں حضرات کی کیا رائے ہے؟ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ لہذا تم عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس جاؤ جنہیں میں حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ آیا ہوں اور ان سے پوچھ کر ہمیں بھی مطلع کرنا۔ وہ گئے اور دونوں حضرات سے پوچھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ابو ہریرہؓ سے کہا۔ اے ابو ہریرہؓ فتویٰ دیجئے کیونکہ آپ کے پاس مشکل سوال آیا ہے۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا ایک طلاق عورت کو بائن اور تین طلاقیں حرام کر دیتی ہیں

(23) سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب المحرم يغتسل، ج: ۱، ۱۸۴، ص: ۷۰

الموطا، کتاب الحج، باب غسل المحرم، ج: ۲، ۳۵۷، ص: ۱۹

المسند، حدیث ابی یوب انصاری، ج: ۲، ۶۳۰، ۵۹۵

(24) الموطا، کتاب الطلاق، باب القضاء فیمن وجد مع امرأته رجلا، ج: ۲، ۹۷۵، ص: ۵۵



یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لے اور ابن عباسؓ نے بھی یہی فرمایا۔ (24)

سعید بن مسیب سے روایت ہے ایک شامی نے جس کو ابن خبیری کہا جاتا تھا، اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو دیکھ کر اسے قتل کر دیا یا دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو اس فیصلے میں دقت پیش آئی تو انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ یہ مسئلہ حضرت علیؓ سے پوچھ کر انہیں بتایا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ واقعہ میرے ملک میں نہیں ہوا۔ میں آپؓ کو قسم دیتا ہوں کہ مجھے پوری بات بتائی جائے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے انہیں واقعہ بتا دیا کہ امیر معاویہؓ نے مجھے آپؓ سے پوچھنے کے لئے لکھا تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا:

ان لم یات باریعة شهداء فلیعط اگر چار گواہ نہ لاسکے تو اپنی گردن پیش کر دینی برمة (25)

حضرت امیر معاویہؓ نے زید بن ثابتؓ کو خط لکھا اور ان سے دریافت کیا کہ دادا کا وراثت میں کیا حصہ ہے؟ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ نے ان کو جواب لکھا، آپؓ نے مجھ سے دادا کی میراث کے متعلق پوچھا ہے۔ آپؓ سے پہلے دو خلفاء ایک بھائی کے ساتھ اسے نصف دلاتے دو کے ساتھ تہائی اور اگر بھائی زیادہ ہوں تو تہائی سے کم نہ کرتے۔ (26)

ایک دادی کو اپنا حصہ پوچھنے کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ کی کتاب میں تمہارے لئے کوئی حصہ نہیں اور میرے علم میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی سنت بھی نہیں تم جاؤ میں لوگوں سے پوچھتا ہوں۔ آپؓ نے لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے چھٹا حصہ دلایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کی تصدیق کی۔ چنانچہ ابو بکرؓ نے

(25) الموطا، کتاب الطلاق، باب طلاق البکر، ج: ۶، ص: ۶۵۹، ۶۶۰

(26) الموطا، کتاب الاقضية، باب میراث البکر، ج: ۵، ص: ۳۲۲

(27) الموطا، کتاب الفرائض، باب میراث البکر، ج: ۵، ص: ۵۰۳

دادی کو چھٹا حصہ دلا دیا۔ (27)

ابو امامہ سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے ایک شخص کو تیر مارا۔ جس سے وہ ہلاک ہو گیا سوائے خلیفہ کے اس کا کوئی وارث نہ تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے عمر فاروقؓ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے خط لکھا تو حضرت عمرؓ نے ان کو جوابی خط میں لکھا۔

اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ له جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی اللہ اور والنحال وارث من لا وارث له (28) رسول اللہ ﷺ ہیں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث خالو ہے۔

شرح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: علیؓ سے پوچھو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے اس لئے اس مسئلہ میں وہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں جب کہ مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات کا حکم دیا ہے۔ (29)

(28) المسند، مسند عمر بن خطابؓ، ج: ۱۹۰، ص: ۲۸۱

(29) المسند، مسند علی بن ابی طالبؓ، ج: ۵۰، ص: ۱۵۵



## فصل چہارم: ترغیب و ترہیب

انسانی زندگی کو با مقصد بنانے کے لئے مقصد کا تعین ضروری ہے اور مقصد کے تعین کے لئے انسانی زندگی میں اس کے حصول کا شوق پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ شوق مختلف طریقوں سے پیدا کیا جاسکتا ہے جن میں سے ایک طریقہ ترغیب و ترہیب کا بھی ہے، ترغیب یہ ہے کہ کسی فعل کو اس لئے کرنا کہ اس کے بعد نفع کی توقع ہو اور ترہیب سے مراد کسی ناپسندیدہ عمل سے اس لئے باز رہنا کہ اس کے کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو۔

قرآنی اور نبوی ﷺ اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے بھی لوگوں کو اطاعت الہی پر آمادہ کرنے، عبادات اور فرائض کی طرف مائل کرنے اور حدود اللہ کی پامالی سے دور رہنے کے لئے ترغیب و ترہیب سے کام لیا۔ تنہا ترغیب یا ترہیب کا اسلوب استعمال کرنے کی بجائے دونوں کا ساتھ ساتھ استعمال زیادہ موثر ہے۔ صرف ترغیب سے بسا اوقات لوگ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امیدیں قائم کرنے میں اسراف سے کام لیتے ہیں اور دخول جنت کی تمنا میں غلو کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعمال پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور بعض واجبات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ترغیب کی طرح ترہیب بھی کسی برے عمل کے خلاف تحریک پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے ترغیب و ترہیب دونوں کا ایک ساتھ استعمال دعوت و تبلیغ میں زیادہ مفید ہے۔ اس لئے حضرت علیؓ نے حقیقی عالم اور داعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

من لم يقنط الناس من رحمة جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ  
اللہ ولم يرخص لهم فی کرے اور نہ اللہ کی نافرمانی کی انہیں کھلی  
معاصی اللہ تعالیٰ ولم يؤمنهم چھٹی دے اور نہ انہیں اللہ کی پکڑ سے بے  
خوف اور بے فکر ہونے دے۔

مکر اللہ (1)

(1) حلیۃ الاولیاء، تذکرہ علی بن ابی طالب، ۱۱۸/۱

کنز العمال، مستطیع بن ابی طالب، ج: ۲۹۳۸، ۲۹۱/۱۰

جامع العلم باب من یستحق أن یسأل فقیہاً أو عالماً..... ۳۳/۲

تاہم سیرت صحابہؓ کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعوت و تبلیغ میں ترغیب کی نسبت ترہیب کے اسلوب کو نسبتاً کثرت کے ساتھ استعمال کیا۔ آنے والی سطور میں ترغیب و ترہیب کے چند ایسے اسالیب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کو صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں استعمال کیا۔ نعمتوں کے چھن جانے کا خوف دلانا

ترغیب و ترہیب کے اسالیب میں سے ایک یہ ہے کہ مخاطبین دعوت کو اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں حاصل ہیں انہیں یاد دلانی جائیں اور انہیں انتخاب کیا جائے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں تاکہ یہ نعمتیں برقرار رہیں اور انہیں باخبر کیا جائے کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کیا اور کفر اختیار کیا تو یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی اور عذاب الہی ان کا مقدر ہوگا۔

ابونہیک اور عبد اللہ بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک لشکر میں حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ تھے ایک عرب نے کسی شخص کو بہت زیادہ مارا پیٹا اس شخص نے حضرت سلمان فارسیؓ کے پاس شکایت کی اس پر آپؓ نے تمام عربوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر العرب! ألم تکنوا شر الناس دیناً، وشر الناس داراً، وشر الناس عیشاً؟ فاعزکم اللہ واعطاکم اللہ، أتریدون أن تأخذوا الناس بعزہ اللہ؟ واللہ لتنهون اولیاء خذن اللہ ما فی ایدیکم فلیعطینہ غیر کم (2)

”اے اہل عرب! کیا تم مذہب کے اعتبار سے بدترین لوگ نہ تھے؟ گھر بار کے لحاظ سے برے نہ تھے؟ اور زندگی کے لحاظ سے بدترین لوگ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں (اسلام کے ذریعے) عزت عطا فرمائی اور نعمتیں

(2)

حلیۃ الاولیاء، تذکرہ سلمان فارسیؓ، ۲۶۰/۱

عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ لعن اللہ الواصلتہ والمستوصلتہ والواشمتہ

والمستوشمتہ (i) (i) صحیح بخاری، کتاب اللباس، ج: ۵۹۳۳، ص: ۱۰۴۱



بخشیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم لوگوں سے اللہ کے دیئے ہوئے شرفِ انسانی کو چھین لو؟ اللہ کی قسم! تم لوگ ایسی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ تم سے واپس لے لے گا جو تمہارے پاس ہے اور اسے غیروں کو عطا کر دے گا۔“

### انذار/انتباہ

دعوتِ دین کا ایک طریقہ اور اسلوب یہ بھی ہے مخاطب کو ڈرایا اور متنبہ کیا جائے اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ جو کچھ تم کر رہے یا کہہ رہے ہو اس کا نتیجہ نقصان، تباہی یا بربادی کی صورت میں نکلے گا۔ اس اسلوب دعوت کا بنیادی مقصد لوگوں کو بے عملیوں اور بد عملیوں سے آگاہ کر کے اور سزا کا خوف دلا کر راہِ راست کی طرف لانا ہے۔ تمام انبیاء نے دعوتِ دین کے اس اسلوب کو اختیار فرمایا۔ قرآن مجید میں اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے بھی دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کو اختیار فرمایا۔

قدیم زمانے میں یہودیہ عورتوں میں جو بد اخلاقیات پھیل گئی تھیں۔ ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال گر جاتے وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رسم بد کی ممانعت فرمادی تھی لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں عرب خواتین بھی اس قبیح رسم میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ۵ھ میں جب وہ حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مصنوعی بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں لے کر منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور حاضرین کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

یا اهل المدينة! این علماء کم؟ ”اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟“ سمعت النبی ﷺ ینتھی عن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ مثل هذه ویقول: انما هلكت بنو نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا بے اسرائیل حین اتخذ هذه نساء شک بنی اسرائیل اس وقت برباد ہوئے ہم (3) جب ان کی عورتوں نے اس عمل کو اختیار کیا۔“

(3) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ۵۴، ج: ۳، ۳۲۸، ۳۳۸، ص: ۵۸۵

ایضاً، کتاب اللباس، باب وصل الشعر، ج: ۵، ۵۹۳۲، ۵۹۳۸، ص: ۱۰۳۰

الموطا، کتاب الشعر، باب السنۃ فی الشعر، ج: ۷، ۷۶۰، ص: ۵۸۱

ایک شخص ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ میں ایک ایسا آدمی ہوں جو تصویر بناتا ہوں مجھے اس بارے میں فتویٰ چاہیے آپؓ نے اسے اپنے قریب کیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان الفاظ میں انتباہ کیا:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کل مصوّر فی النار یجعل لہ ہے ہر تصویر بنانے والا جہنمی ہے۔ ہر تصویر بکل صورة صورھا نفسا جو اس نے بنائی ہوگی اس کو زندہ کر دیا جائے فتعذبه فی جہنم (4) گا۔ پس وہ اس کو جہنم میں عذاب دے گی۔

ابوزرہ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ہمراہ مروان حاکم مدینہ کے گھر گیا دیکھا کہ وہاں تصویریں آویزاں ہیں تو آپؓ مروان کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ : قال اللہ ومن اظلم ممن تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے زیادہ ظالم ذہب یخلق خلقا کخلقی، کون ہے جو میری مخلوق کی طرح مخلوق فلیخلقوا ذرّة او لیخلقوا حبة بناتا ہے۔ اگر تخلیق کا دعویٰ ہے تو کوئی او لیخلقوا شعيرة (5) ذرہ، غلہ یا جو پیدا کر کے دکھائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک آدمی کو نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لا تجلس هکذا! فان هکذا اس طرح نہ بیٹھو! یہ ان لوگوں کی نشت ہے یجلس الذین یعذبون (6) جن کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت ہشام بن حکیمؓ نے حمص میں چند قبیلوں کو دھوپ میں کھڑے دیکھا جن کو جزیہ کی عدم ادائیگی کی بنا پر یہ سزا دی جا رہی ہے فرمانے لگے یہ کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔

(4) مسلم، کتاب اللباس والزیّنه، باب تحریم تصویر صورة الحيوان۔ ج: ۵، ۵۵۳۰، ص: ۹۳۵

(5) ایضاً، ج: ۵، ۵۵۳۳، ص: ۹۳۶

(6) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب کراهیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوٰۃ، ج: ۹، ۹۹۴، ص: ۱۵۱



ان الله يعذب الذين يعذبون الناس في النار (7)

”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔“  
سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے ساتھ میرا گزر مدینہ کی ایک ایسی گلی سے ہوا جہاں پر چند نوجوان ایک مرغی کو باندھ کر نشانہ بازی کر رہے تھے۔ ابن عمرؓ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا یہ کس نے کیا ہے؟ سب لوگ بھاگ گئے۔ آپؓ نے فرمایا

”لعن رسول الله ﷺ من يمثّل بالحيوان“ (8)

”رسول اللہ ﷺ نے حیوان کا مثلہ کرنے والے پر لعنت کی ہے۔“

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت ام سلمہؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے ماں! مجھے مال کی کثرت کے سبب ہلاکت کا خوف ہے۔ کیونکہ اس وقت قریش میں سب سے زیادہ مال میرے پاس ہے؟ فرمایا اے بیٹے اس کو خرچ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

ان من اصحابي من لا يراني بعد أن أفارقه (9)

”میرے صحابہ میں سے بہت سے ایسے ہوں گے کہ میری وفات کے

بعد مجھے پھر بھی نہ دیکھ سکیں گے۔“

حضرت عبدالرحمنؓ کے صاحبزادے ابوسلمہؓ اور چند لوگوں کے درمیان زمین کے ایک قطعے کے بارے میں جھگڑا تھا، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابوسلمہؓ کو بلا بھیجا اور ان کو سمجھاتے ہوئے فرمایا۔ اے ابوسلمہؓ اس زمین سے باز آ جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من ظلم قيد شبر من الارض طوقه من سبع ارضين (10)

”جس نے بالمش بھر زمین کسی سے ظلماً ہتھیالی تو زمین کے ساتوں

(7) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی التشديد فی جباية الجذبة، ج: ۳۰، ص: ۳۳۶

(8) المسند، مسند عبداللہ بن عباسؓ، ج: ۳، ص: ۵۵۶/۱، ۳۱۲۳

(9) المسند، حدیث ام سلمہؓ زوج النبی ﷺ، ج: ۲، ص: ۲۵۹۵، ۲۱۳۷

(10) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب اسم من ظلم شيئا من الارض، ج: ۲، ص: ۳۱۹۵، ۳۹۵

طبقے (روز قیامت) اس کے اگلے میں ڈال دیئے جائیں“

مسلم بن یناق بیان کرتے ہیں۔ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک قریشی نوجوان گزرا جس کا تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ ابن عمرؓ نے اس کو بلایا اور فرمایا۔ تمہارا کس قبیلہ سے تعلق ہے؟ اس نے کہا: قبیلہ بنی بکر سے ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو محبوب رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمہاری طرف نظر رحمت فرمائیں؟ اس نے کہا ہاں، آپؓ نے فرمایا: اپنے تہبند کو اٹھا لو میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

من جرّازاره لا يريد الا جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے ازار بند الخيلاء لم ينظر الله اليه يوم القیامة (11)

عبداللہ بن عمرؓ کا حلقہ درس قائم تھا کبھی اثناء میں ایک خاتون وہاں سے گزری جس کی چال ڈھال مردوں جیسی تھی۔ آپؓ نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپؓ کو بتایا گیا یہ ام سعید بنت ابی جھل ہے تو آپؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

ليس منا من تشبه به عورتیں جنہوں نے مردوں سے مشابہت بالرجال من النساء ولا اختیاری کی اور وہ مرد جنہوں نے عورتوں سے من تشبه بالنساء من مشابہت اختیار کی ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ الرجال (12)

ایک دفعہ شام سے کچھ عورتیں حضرت عائشہؓ کی زیارت کو حاضر ہوئیں۔ شامی عورتوں میں ایک بڑی اخلاقی خرابی یہ تھی کہ وہ حمام میں جا کر برہنہ غسل کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اس اخلاقی برائی پر ان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو؟ یاد رکھو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

(11) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ج: ۲، ص: ۵۳۰، ۱۷۳

(12) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ج: ۲، ص: ۶۸۳، ۳۰۸



ما من امرأة وضعت ثيابها في جو عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے غیر بیتھا الا هتكت سترها بینھا اتارتی ہے وہ اپنے اور اللہ کے درمیان پر و بین اللہ (13) دے کو پھاڑ ڈالتی ہے۔“

ایک دفعہ حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو جھٹ پٹ وضو کرتے دیکھا تو ان کو فوراً ٹوکا اور متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اے عبدالرحمن وضو اچھی طرح کیا کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔ وضو میں جو اعضا نہ بھیگیں ان پر جہنم کی پھنکار ہو۔ (14)

بشارت انعام کا وعدہ

کسی انسان کو اگر یہ ترغیب دی جائے کہ اگر وہ فلاں ہدف کو پالے یا فلاں عمل بجالائے تو اس سے کوئی انعام یا نفع ملے گا تو وہ شخص اپنی ساری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے۔ اور اس راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے اس انعام اور نفع کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور جوں جوں ترغیبات کی قدر و قیمت اور ان کے حصول کی توقع بڑھتی جائے گی اس قدر جذبہ محرکہ کی قوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ عام طور پر کسی مقصد کے حصول کے لئے ترغیبات بہت موثر کردار ادا کرتی ہیں۔ مکی دور میں رسول اللہ ﷺ لوگوں سے آخرت میں ثواب عظیم اور دخول جنت کا وعدہ فرما کر ان کو ایمان اور توحید کو اختیار کرنے اور شرک سے دور رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔ بیعت عقبہ میں آپ ﷺ نے انصار سے بیعت لینے کے بعد ان کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

فان وقیتم فلكم الجنة وان اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے غشیتم من ذالک شیا فامر لئے جنت کی بشارت ہے اور اگر تم نے کم الی اللہ ان شاء غفر وان اس میں کوتاہی کی تو تمہارا معاملہ اللہ کے شاء عذب (15) پاس ہے اگر چاہے تو تمہیں معاف کر دے اور اگر چاہے تو سزا دے۔

(13) المسند، حدیث السیدۃ عائشہؓ، ج: ۹، ۲۳۸/۷، ۲۳۸/۷

(14) المسند، حدیث السیدۃ عائشہؓ، ج: ۲۳۸/۷، ۱۶۲/۷

(15) المسند، حدیث عبادہ بن صامت، ج: ۲۳۸/۷، ۲۳۸/۷، ۲۳۸/۷، ۲۳۸/۷

صحابہ کرامؓ نے بھی نبوی اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کے جذبہ محرکہ کو ابھارنے کے لئے انعام اور بشارت کے انداز کو اختیار کیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت شداد بن اوسؓ ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مریض سے پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے فضل سے اچھا ہوں تو آپؐ نے فرمایا۔ ابشر بکفارات السيئات میں تم کو مرض کے کفارہ گناہ ہونے کی و حط الخطايا بشارت سناتا ہوں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب میں کسی شخص کو آزمائش میں مبتلا کروں اور وہ میری حمد کرے تو وہ گناہوں سے ایسے ہی پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے اپنے ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہو۔ (16)

ایک دفعہ حضرت ابوالدرداء دمشقیؓ کی جامع مسجد میں شجر کاری کر رہے تھے ایک آدمی ادھر سے گزر رہا تو آپؐ کے اس عمل پر تعجب کا اظہار کرنے لگا۔ آپؐ نے اس حیرت کو زائل کرنے اور اسے بھی اس عمل کی ترغیب دلانے کے لئے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

من غرس غر ساء لم ياكل منه جس کسی نے کوئی پودا لگایا اور اس میں سے اگر آدمی ولا خلق من خلق اللہ کسی آدمی یا اللہ کی مخلوق میں سے کسی مخلوق الا كان له صدقة (17) نے کھایا تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ فوری فوائد کا وعدہ

ترغیب و ترہیب کی اصل تو یہ ہے کہ مخاطبین دعوت کے سامنے آخرت کی جزا اور سزا بیان کی جائے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مخاطبین دعوت کے سامنے قبولیت دعوت سے حاصل ہونے والے دنیوی فوائد اور اس کے عدم قبول سے ہونے والے نقصان کو بھی بیان کی جائے، خود قرآن مجید نے ترغیب و ترہیب کے ضمن میں دنیاوی فوائد و نقصانات کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کیا ہے ارشاد ہے:

(16) المسند، حدیث شداد بن اوسؓ، ج: ۱۶۶۶۹، ۱۶۶۶۹

(17) ایضاً، حدیث ابوالدرداءؓ، ج: ۲۶۹۶۰، ۲۶۹۶۰



وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ اللَّهُ تَعَالَى نے تم میں سے ان لوگوں سے  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ وَعَدَ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل  
فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ كُنْهُمُ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے  
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمْ گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں  
الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ كُوخِلِفَةٍ بنایا تھا اور ان کے لئے ان کے  
بَعْدَ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا دِينَ كُومُتَحَكَمُ کر دے گا جسے اس نے ان کے  
يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ لَئِي پسند فرمایا ہے اور وہ ضرور ان کی  
ذَالِك فَالْوَلِيكَ هُمْ حالت خوف کو حالت امن میں بدل دے  
الْفَاسِقُونَ (18) گا وہ میری ہی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو

میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی وہی لوگ نافرمان ہیں  
الغرض ترغیب سے مراد ایسے امور کا اختیار کرنا ہے جو مخاطب دعوت میں  
قبول حق کا اشتیاق اور اس پر ثابت قدمی کا عزم پیدا کرنے والے ہیں اور ترہیب سے  
مراد وہ امور ہیں جن سے مخاطب دعوت قبول حق سے انکار اور احتراز سے ڈرے اور  
قبول حق کے بعد اس پر ثابت قدم نہ رہنے میں خوف محسوس کرے۔ قرآن مجید اور  
رسول اللہ ﷺ کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کا کثرت سے  
استعمال کیا جس سے قطعی طور پر اس اسلوب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ داعی کو  
چاہیے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حسن جزاء کی ترغیب دلائے اور عذاب  
آخرت سے ترہیب دلائے۔ یہی انبیاء و رسل کا طریقہ رہا ہے اور صحابہ کرامؓ نے بھی  
اس اسلوب دعوت کو اختیار کیا۔

انسان چونکہ اس مادی دنیا میں رہتا ہے۔ مادی اشیاء کو دیکھتا اور محسوس کرتا  
ہے اور دنیا کی رنگینیاں اس کے قلب و نگاہ پر غفلت کے پردے ڈال دیتی ہے جس  
سے انسان کے تعلق دنیا میں مضبوطی اور آخرت سے غفلت میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے

داعی کے لئے لازم ہے کہ مخاطبین دعوت کو دنیا میں اس قدر منہمک ہونے سے روکے  
انہیں دنیا سے فرار پر آمادہ نہ کرے تاہم دنیا اور آخرت کی حقیقت سے انہیں آگاہ  
کرے اور دنیا کی نعمتوں کا اخروی نعمتوں سے موازنہ کر کے اخروی نعمتوں کی قدر و  
منزلت اور ان کے دوام سے انہیں آگاہ کرے۔

حضرت عقبہ بن غزوہؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بصرہ کو آباد کیا۔  
یہ حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے وہاں کے سردار اور امیر تھے۔ لوگوں کا دنیاوی  
زندگی کے اندر انہماک دیکھا تو ان کے سامنے جمعہ کے دن دنیا کی بے ثباتی اور حیثیت  
پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”اے لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ دنیا بہت جلد ختم ہو جائے گی اور اس میں کچھ  
باقی نہ رہے گا۔ سوائے اس پس خوردہ کی طرح جو تم میں سے کوئی برتن میں چھوڑ دے۔  
تم لوگ ضرور دنیا سے منتقل کئے جاؤ گے۔ لہذا جب تم منتقل ہو جاؤ تو نیکی کے ساتھ منتقل  
ہو جو دنیا میں تمہارے سامنے ہے۔ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک پتھر جہنم کے  
کنارے ڈالا جائے تو وہ ستر برس تک دوزخ میں گرتا رہے گا مگر اس کی تہہ تک نہ پہنچے  
گا، اور اللہ کی قسم وہ دوزخ بھردی جائے گی اور مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے  
کوڑوں میں سے دو کوڑوں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔ اور خدا کی قسم اس  
پر بھی ایک دن آئے گا کہ وہ بھی آدمیوں سے بھری ہوگی اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں  
کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھوں اور اللہ کی نظر میں حقیر سمجھا جاؤں۔“ (19)



### خلاصہ بحث

(صحابہ کرامؓ کے اختیار کردہ اسلوب دعوت کے نمایاں پہلو)

دعوت و تبلیغ ایک مقدس فرض ہے۔ دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں ایک داعی اور دوسرا مدعو، تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے مبلغ کا کام انسان سازی اور رجال کار کی تیاری ہے اس میں اس کا علم اور حکمت دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ داعی کو مخاطب کے رجحانات، میلانات اور اس کے پس منظر کا لحاظ کرتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ دعوت دیتے وقت کون سا اسلوب مناسب اور موزوں ہے اس پس منظر میں کہا جاسکتا ہے کہ اصل قوت محرکہ داعی کی شخصیت ہے وہ جس قدر متحرک اور تربیت یافتہ ہوگا اسی قدر مخاطبین کے لئے حقیقی مربی کا کردار ادا کر سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کی ذہنیت کو تبدیل کرنا اور اس کے نقطہ نظر یا نصب العین کو تبدیل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے غیر معمولی ذہانت حکمت و تدبیر اور انسانی نفسیات سے گہری واقفیت ضروری ہے۔ نیز مخاطب کے میلانات و رجحانات کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ایسے نفسیاتی محرکات کو بھی بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ جو مخاطب کو ذہنی طور پر تیار و ہموار کر کے نئی بات قبول کرنے پر آمادہ کر سکیں۔ جس طرح ایک بیج کی نشوونما کے لئے تنہا بیج کی صلاحیتوں پر ہی نظر نہیں رکھنی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل و موسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک داعی کو بھی لازماً ایمان کی آبیاری کے لئے قلوب و اذہان کی آمادگی و موافقت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے اور آمادگی اور موافقت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب نفس انسانی کو تحریک ملے اور پھر اس کو متوجہ کرنے اور دعوت حق کے لئے آمادہ کرنے کے لئے انسان کی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عقائد اور تعلیمات کو دلوں میں اتارنے کے

لئے ایک طرف ایسے دلائل و براہین سے کام لیا۔ جن کا ادراک ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل رکھنے والا آدمی بھی کر سکتا ہے نیز ان دلائل و آثار میں تنوع کا خیال بھی رکھتا کہ افہام و تفہیم کا حق ادا ہو سکے اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ نے اطراف و اکناف عالم سے آنے والے طالبان حق کی خوبیوں اور خامیوں ان کی انفرادی اور قومی روایات اور ان کے عادات و خصائل کی رعایت رکھتے ہوئے دعوت پیش کی جس طرح ایک طبیب مریض کی کیفیت و مرض کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرنے کے بعد دوا تجویز کرتا ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ نے قوم کی حالت اور ان کے مرض کا صحیح اندازہ کر کے پوری حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں کی اصلاح و فلاح کا کام انجام دیا۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے موثر اسلوب دعوت کا کوئی طے شدہ طریقہ نہ تھا بلکہ مدعو کا لحاظ رکھتے ہوئے جو اس کے حسب حال اسلوب دعوت مناسب خیال کرتے اس کے مطابق اس کو دعوت دیتے۔ صحابہ کرامؓ نے جن لوگوں کو دعوت دی ان کے حالات کا مطالعہ کرنے سے اور نیز صحابہ کرامؓ کے طریق دعوت کا مطالعہ کرنے سے دعوت کے مختلف اسالیب کی تحدید کی جاسکتی ہے اور انہیں غصہ حاضر کے عناوین کے تحت پیش کیا جاسکتا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس پر تفصیلاً گفتگو کی گئی۔



## مصادر ومراجع

- ☆ القرآن الكريم
- ☆ "كتاب مقدس" بآبيل سوسائتي، اناركلي، لاهور
- ☆ ابن اثير ابوالحسن علي بن ابى البر محمد بن الجزري (555-630 هـ)
- "اسد الغابة في معرفة الصحابة" دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان، س، ن، مجلدات: ٥
- ☆ "الكامل في التاريخ" دار الكتب العربي، بيروت، لبنان، 1967ء، مجلدات: ٩
- ☆ ابن حبيب محمد (المتوفى 245 هـ)
- "كتاب المحبر" دار نشر الكتب الاسلامية، لاهور، س، ن
- ☆ ابن حجر، ابوالحسن احمد بن علي (773-852 هـ)
- "الاصابة في تمييز الصحابة" دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان، 1328 هـ، مجلدات: ٣
- "فتح الباري" دار المعرفة بيروت، لبنان، مجلدات: ١٣
- ☆ ابن حزم ابو محمد علي احمد بن سعيد (384-456 هـ)
- "جمهرة انساب العرب" دار المعارف القاهرة، س، ن
- ☆ ابن سعد، ابو عبد الله محمد (384-456 هـ)
- "الطبقات الكبرى" دار صادر، بيروت، 1985ء، مجلدات: ٩

- ☆ ابن عبد البر ابو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد القرطبي (المتوفى 463 هـ)
- "جامع بيان العلم وفضله" ادارة الطباعة المنيرية مصر، س، ن، مجلدات: ٢
- "الاستيعاب في معرفة الاصحاب" دار الجليل، بيروت، ١٩٩٢ء، مجلدات: ٣
- ☆ ابن قيم الجوزية، ابو عبد الله محمد بن ابى بكر (691-751 هـ)
- "زاد المعاد" مؤسسة الرسالة، بيروت 1979ء، مجلدات: ٥
- ☆ ابن كثير، ابوالفداء اسماعيل ابن عمر (701-747 هـ)
- "السيرة النبوية" دار المعرفة، بيروت، لبنان، 1976ء
- "البداية والنهاية" المكتبة القدسية، لاهور، 1984ء، مجلدات: ١٣
- ☆ ابن ماجه، ابو عبد الله محمد بن يزيد (209-273 هـ)
- "سنن ابن ماجه" دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، 1999ء
- ☆ ابن منظور، جمال الدين محمد بن مكرم، علامه (630-771 هـ)
- "لسان العرب" نشر ادب الحوزه قم، ايران، 1405 هـ، مجلدات: ١٥
- ☆ ابن هشام، ابو محمد عبد المالك، (المتوفى 218 هـ)
- "السيرة النبوية" دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان، 1995ء، مجلدات: ٣
- ☆ ابو داود، سليمان بن الاشعث بن اسحاق السجستاني (202-275 هـ)
- "سنن ابى داود" دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 1999ء
- ☆ ابو نعيم، محمد، احمد بن عبد الله الاصفهاني (المتوفى 430 هـ)
- "حلية الاولياء وطبقات الاصفياء" دار الكتب العلمية، بيروت، 1997ء، مجلدات: ١٢



- ☆ ابو يوسف، قاضی، یعقوب بن ابراہیم، (113-182ھ)
- ☆ "كتاب الخراج" المطبعة السلفية، قاہرہ، 1396ھ
- ☆ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ الشیبانی، الامام (164-241ء)
- ☆ "المسند" دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1991ء، مجلات ۷
- ☆ آرٹلڈ، ٹی، ڈبلیو، پروفیسر
- ☆ "دعوت اسلام" محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب، لاہور، 1972ء
- ☆ اصلاحي، امین احسن، مولانا
- ☆ "دعوت دین اور اس کا طریق کار" فاران فاؤنڈیشن، لاہور
- ☆ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ (192، 256ھ)
- ☆ "الادب المفرد" المکتبۃ الاثریہ، حنائک، شینو پورہ۔ پاکستان، س، ن
- ☆ "صحیح البخاری" دار السلام للنشر والتوزیع، الرياض، 1999ء
- ☆ بلاذری، احمد بن یحییٰ (المتوفی 279ھ)
- ☆ "فتوح البلدان" موسسہ المعارف، بیروت، 1987ء
- ☆ البیهقی، ابوبکر، امام (المتوفی 408ھ)
- ☆ "السنن الکبریٰ" نشر النہ، ملتان، مجلات ۱۰
- ☆ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (200-279ھ)
- ☆ "جامع الترمذی" دار السلام للنشر والتوزیع، الرياض، 1999ء
- ☆ الحاکم النیشاپوری، ابو عبد اللہ (المتوفی 405ھ)
- ☆ "المستدرک علی الصحیحین" دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، مجلات ۴

- ☆ الحکمی، علی بن برہان الدین (975-1044ھ)
- ☆ "السیرة الحلیبۃ" دار المعرفۃ، بیروت، 1980ء، مجلات ۳
- ☆ خالد علوی، ڈاکٹر
- ☆ "انسان کامل"، لفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، 2001ء
- ☆ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت (المتوفی 463ھ)
- ☆ "كتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ" دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن، 1357ھ
- ☆ الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، (المتوفی 255ھ)
- ☆ "سنن الدارمی" دار القلم، دمشق، 1996ء، مجلات ۳
- ☆ الذہبی، محمد بن عثمان (المتوفی 748ھ)
- ☆ "تذکرہ الحفاظ" دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1998ء
- ☆ مجلات ۵
- ☆ الزبیدی، محمد بن محمد السینی، (المتوفی 1200ھ)
- ☆ "تاج العروس" دار الفکر، بیروت، مجلات ۱۰
- ☆ السرخسی، شمس الدین
- ☆ "المبسوط" دار المعرفۃ، بیروت، 1978ء، مجلات ۱۵
- ☆ السہمودی، نور الدین علی بن احمد (المتوفی 911ھ)
- ☆ "وفاء الوفا" دار الفکس، الرياض، س، ن، مجلات ۲
- ☆ السہیلی، ابوالقاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ، (508-581ھ)
- ☆ "الریاض الانف" عبد التواب اکیڈمی، ملتان، مجلات ۱۱



- ☆ شبلی نعمانی، علامہ (1857-1914ء)  
 ”سیرت النبی ﷺ“، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار،  
 لاہور، مجلات: ۴  
 ”الفاروق“ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، س، ن  
 الطبری، محمد بن جریر، (المتوفی 310ھ)  
 ”تاریخ الامم والملوک“، المطبعة الحیدریہ، س، ن، مجلات: ۶  
 ☆ علی بن محمد بن ابراہیم، علاء الدین، (المتوفی 725ھ)  
 ”تفسیر الخازن“ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1995ء، مجلات: ۴  
 ☆ کتانی، عبدالحی، علامہ، (المتوفی 1241ھ)  
 ”نظام الحکومیۃ النبویۃ“ (مترجم: مولانا معظم الحق) ادارۃ القرآن  
 والعلوم اسلامیہ، کراچی - 1991ء  
 ☆ مالک بن انس، (93-179ھ)  
 ”الموطأ“ داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1997ء  
 ☆ محمد بن حسن الشیبانی، (132-189ھ)  
 ”کتاب الاصل“ دارالمعارف النعمانیہ، لاہور، 1981ء، مجلات: ۵  
 ☆ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر (المتوفی 2002ء)  
 ”مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العهد النبوی والخلافة  
 الراشدۃ“، قاہرہ، 1941ء  
 ”خطبات بہاولپور“ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1992ء

- ”رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی“ دارالاشاعت،  
 کراچی، 1987ء  
 ☆ محمد کرم شاہ، پیر، الازہری (1918-1998ء)  
 ”ضیاء القرآن“ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1402ھ، مجلات: ۵  
 ”ضیاء النبی ﷺ“ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2000ء، مجلات: ۷  
 مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری، (204-261ھ)  
 ”صحیح مسلم“ دارالسلام للنشر والتوزیع، الرياض، 1998ء  
 مقریزی، تقی الدین احمد بن علی  
 ”امتاع الاسماع“ قاہرہ، 1941ء  
 النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی ابن سنان (215-303ھ)  
 ”سنن النسائی“ دارالسلام للنشر والتوزیع، الرياض، 1999ء  
 الہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، (المتوفی 975ھ)  
 ”کنز العمال“ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء، مجلات: ۱۶  
 الہیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر (المتوفی 807ھ)  
 ”مجمع الزوائد ومنبع الفوائد“ موسسۃ المعارف، بیروت،  
 1986ء، مجلات: ۵  
 یلین مظہر صدیقی، پروفیسر  
 ”عہد نبوی ﷺ کا نظام حکومت“، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو  
 بازار، لاہور، 1995ء



مَلْعُونَيْنِ إِنَّهُمَا تَقْفُوا الْخِزْفَ وَقَتْلُوا تَقْتِيلًا  
وہ پھسکارے ہوئے جہاں کہیں بھی ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں

قرآن و حدیث اجماع اُمت و مذاہب عالم کی روشنی میں

# توہینِ رسالت کی سزا

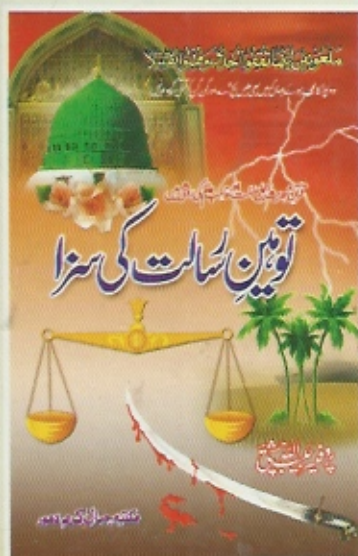
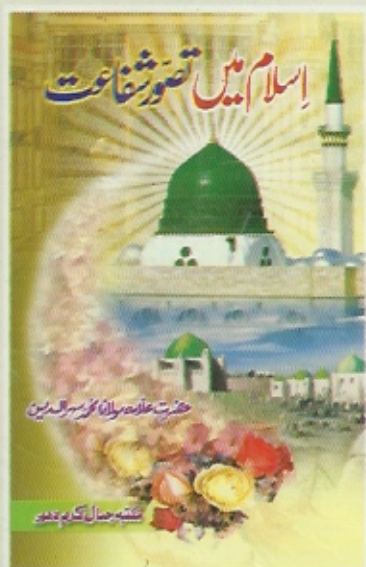
پروفیسر عبدالحق حسینی

مکتبہ جمال گرام



9. مرکز الاولیاء (سنت ہنر) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948





9. مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور

Ph:042-7324948

مکتبہ جمال کرم

منے کاپیٹر